نوائے غزوۂ ہند

برِّ صغیر اور پوری دنیا میں غلبۂ دین کا داعی

رجب المرجب ۱۴۴۳ھ — فروری ۲۰۲۲ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

اللہ اکبر!

ڈٹ جائے تو کافی ہے محض ایک بہن بھی
بھائیوں کو بھی کیا اس سے کوئی درس ملا ہے؟

گفتار نہیں گھر سے نکلنے کا سمے ہے
الفاظ سے یہ چاک کہاں پہلے سلا ہے!

جے شری رام پکارتے چالیس سے زائد بھگوا دہشت گرد بھیڑیوں کے گھیرے میں میسور (کرناٹک) کی بیٹی مسکان خان کا جواب: ''اللہ اکبر!''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نصائح

”تم سب دن اور رات کی گزرگاہ میں ہو، تمہاری عمریں کم ہو رہی ہیں
اور سارے اعمال حفاظت سے رکھے جا رہے ہیں اور موت اچانک آئے گی۔
جو خیر بوئے گا وہ اپنے پسند کی چیز کاٹے گا اور جو شر بوئے گا وہ ندامت و حسرت کاٹے گا۔
انسان جیسا بوئے گا ویسا ہی اسے ملے گا اور ہر انسان کو اس کے مقدر کا مل کر رہے گا،
لہٰذا ست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہوا ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور کوئی تیز آدمی اس سے
آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا اور خوب زیادہ کوشش کرنے والا
انسان وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے مقدر میں نہیں ہے اور جسے کوئی خیر ملتی ہے
وہ اللہ تعالیٰ کے دینے سے ہی ملتی ہے اور جس کی کسی شر سے حفاظت ہوتی ہے،
وہ اللہ تعالیٰ ہی کے کرنے سے ہوتی ہے۔ متقی لوگ ہی سردار ہوتے ہیں اور فقہا لوگ
امت کے قائد ہیں، ان کے ساتھ بیٹھنے سے دین کی سمجھ بڑھتی ہے۔“

أخرجهُ أبو نعيم في الحلية (ج 1 ص 134)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۲

رجب المرجب ۱۴۴۳ھ فروری ۲۰۲۲ء

بحمد اللہ... مسلسل اشاعت کا پندرہواں ۱۵ سال!

طاہر و مطہر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’اللہ کے راستے میں ایک شام یا ایک صبح چلنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں ایک کمان یا ایک چابک کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی اہلِ دنیا کی جانب جھانک ہی لے تو ان کے درمیان کی ہر شے روشن اور اس کی مہک سے معطر ہو جائے اور اس کے سر کی تو اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے!‘‘

(صحیح بخاری)

اس شمارے میں

اداریہ

گفتار نہیں گھر سے نکلنے کا سمے ہے! 5

بجهادنا سنفتت الصخرا 11

تزکیہ و احسان

قصہ دو باغ والے کا 13

قیامت کی نشانیاں

إشراط الساعة 16

حلقۂ مجاہد

شہادت کی قبولیت کی شرائط 20

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟ 22

’مسکان‘ تُو آبروئے امتِ مرحوم ہے!

معرکۂ حجاب 26

ہماری ہر بیٹی مسکان ہے! 29

فکر و منہج

علمِ شرعی، تربیتِ فکری اور تزکیہ و احسان کی ضرورت 32

تحریکِ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ......

اقامتِ دین کی تحریکات کے لیے ایک عمدہ مثال 36

نظریاتی جنگیں 46

صحبتِ با اہلِ دل!

مع الاستاذ فاروق 50

نوائے امارتِ اسلامیہ...... الحکم للہ! الملک للہ!

امیر المومنین کا دورہ اور مسئولین و مجاہدین کو ہدایات 54

پاکستان کا مقدر......شریعتِ اسلامی کا نفاذ!

پیکج ایک ہے! (۱۴ فروری کے تناظر میں) 55

کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق...... 56

کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور...... 58

کشمیر......غزوۂ ہند کا ایک دروازہ

آپ کے اور ہمارے درمیان صرف ایک باڑ ہے! 59

لا تحزن إنّ الله معنا... 61

اے دین کے مجاہد، تُو کہاں چلا گیا ہے؟! 62

......ہند ہے سارا میرا!

بھارتی مسلمانوں کے سروں پر رقصاں موت 64

ناول و افسانے

سحر ہونے کو ہے 65

سلطانئ جمہور 73

وغیرہ وغیرہ

سوشل میڈیا کی دنیا سے 84

اک نظر ادھر بھی 86

ملت کی مسکان 89

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co

www.nawai.io/Twitter

www.nawai.io/Channel

www.nawai.io/Bot

www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس مجلے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

اعلانات از ادارہ:

- مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار‘ مضامین (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس / سٹیٹس / ٹویٹس) مجلّے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آرا سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّینِ مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے..... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@nghmag.com

گفتار نہیں گھر سے نکلنے کا سمے ہے!

بات

کہاں سے شروع کی جائے اور کہاں ختم؟ قرطبہ سے شروع کریں اور میسور تک پہنچیں تو تاریخ کا ہر ورق لہولہو ہے۔ غزہ تا سرینگر ایک ہی کہانی ہے، ایک سے اسباب ہیں اور ایک ہی حل۔

ایام منانے کی رِیت مغرب سے آئی ہے، جس کو نافذ مغرب ہی کے نیو ورلڈ آرڈر نے کیا ہے[1]۔ ہمیں کسی کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن انہی ایام میں ایک یومِ کشمیر بھی ہے۔ منانے والوں کی کثیر تعداد کے اخلاص پر بھی کوئی شک نہیں۔ لیکن بے روزگار آدمی محض یومِ بے روزگاری نہیں مناتا، مزدور، یومِ مزدور کو بھی محنت کرتا ہے، نعرے اور جلسے پیٹ بھرنے کو کام نہیں آتے۔ کچھ کشمیر کی صورتِ حال کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

ایک کروڑ مسلمانوں کا مسکن، گلگت بلتستان، لداخ اور جموں وکشمیر جسے ماضی میں کشمیر اور آج جس کے صرف جموں وکشمیر کے حصوں کو چاہے وہ اِس پار (پاکستان) میں شامل ہوں یا اُس پار (مقبوضہ) ہوں، کشمیر کہتے ہیں۔ یہاں درجنوں اقوام صدیوں سے بستی ہیں۔ یہاں اسلام کی دعوت حضرت عبد الرحمٰن بلبل شاہؒ لے کر پہنچے اور اس دعوتِ دین کا نفاذ بعد میں آنے والے سبھی مسلمان سلاطین نے اپنے جہاد وانتظام سے کیا۔ یہ خطہ دارالاسلام بنا رہا یہاں تک کہ سکھوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا اور بعد میں انہی کی روحانی وجسمانی اولادوں نے چند روپوں میں اس سرزمین کا سودا کیا اور ہندو بھگوا دہشت گردوں کا یہاں قبضہ ہو گیا۔ آزاد قبائل کے پابندِ شریعت مہاجر مجاہدوں نے مقامی انصار مجاہدوں کی صدا پر لبیک کہا، جو علاقہ آج آزاد کشمیر کہلاتا ہے، انہیں مردانِ غیرت وحمیت کے جہاد وقتال کے سبب 'آزاد' ہوا۔ یہی انصار ومہاجر مجاہدین سری نگر تک جا پہنچے اور سری نگر ائیر پورٹ کا قبضہ سنبھال لیا۔ پاکستانی اداروں کی پالیسی نے ان مجاہدین کو آج سے ستّر برس قبل 'Abandon' کیا اور پاکستان فوج میں شامل فوجی جنہوں نے ملکی پالیسی پر ملتِ اسلام کو ترجیح دی ان مہاجر وانصار مجاہدوں کے ساتھ ڈٹے رہے، ان سبھی مجاہدوں اور فوجیوں میں سے کچھ شہید ہوئے اور کچھ کے پاس آزاد کشمیر میں واپس آنے کے سوا کوئی چارہ نہ بچا۔ میر جعفر ومیر قاسم کی تاریخ چند سالوں کی تھی ہمارے میروں کی تاریخ، کشمیر سے بے وفائی پر آٹھویں دِہائی میں داخل ہے، اللہ کرے کہ یہ کلنک کا ٹیکہ صدی کا 'تمغہ' حاصل نہ کر پائے!

کشمیر میں ظلم بڑھا اور اس ظلم کے خلاف نہتے کشمیریوں نے چالیس سال تک پتھروں سے مزاحمت کی۔ پھر آج سے تیس برس سے کچھ زائد قبل چند جوانوں نے سرفروشی کی قسم کھائی اور اس راستے کو اختیار کیا جس کو مالکِ کائنات نے اپنا راستہ، فی سبیل اللہ، جہاد قرار دیا۔ یوں کشمیر میں تاریخِ حریت

---

[1] عموماً قومی وبین الاقوامی طور پر ایام دو قسم کے منائے جاتے ہیں۔ اول ایشوز (issues) جو نان ایشوز (non-issues) قرار دے دیے گئے ہیں، انہیں نان ایشو ہی رکھنے کے لیے اور دوئم نان ایشوز کو ایشو بنانے کے لیے۔ مغرب نے ماں کے جسم کو بھی اور اس کی روح کو بھی پامال کیا، پھر ہر سال لاکھوں ڈالر Mother's Day پر قربان کیے جاتے ہیں۔ باپ (جس کردار نے انسانیت کے یومِ پیدائش سے اب تک معاشرے کو سنبھال رکھا ہے) کی حیثیت کالعدم کرنے کے لیے پدر شاہی نظام (patriarchy) کا خاتمہ کے نعرے ابھی آنے والے مہینے مارچ کی آٹھ تاریخ کو سنائی دیں گے اور یہی نعرہ زن کہیں چند دنوں اور کہیں چند ہفتوں بعد Father's Day منائیں گے۔ جدید دنیا کے باپوں نے وَن نائٹ سٹینڈ کے بعد ماؤں کو امید سے چھوڑ کر اور ماؤں نے بچوں کو قبل از پیدائش اور کہیں بعد از پیدائش گرایا ہو گا اور دنیا Children's Day منا رہی ہو گی۔ Valentine's Day کی تاریخ کو رہنے دیجیے، یہ عیسائی ہے یا یہودی، اب تو بہر حال عالمی ہے۔ محبت کو شہوت اور شہوت بھی اسفل، بے جا وبے حکمت کے ماتحت کر کے دنیا سرخ ہو جاتی ہے، کروڑوں ڈالر اس دن سرخ گلابوں، چاکلیٹوں، غباروں اور ٹیڈی بیئروں کی نذر ہو جاتے ہیں اور جو ڈالر بچ جاتے ہیں وہ محرمات کو پامال کرنے کے بعد مانع اولاد ادویہ پر صرف ہو جاتے ہیں۔ پھر عورتوں کا دن ہے، اس دن کے مقاصد، منشور اور نعرے عورت کو حیوان نما مردوں کی سرتاپا خواہشات کے سپرد کر دینے کا دوسرا عنوان ومتن ہیں۔ ان چند سطروں میں ہم نے یہی ثابت کیا ہے کہ ان چند ایشوز میں سے بعض نان ایشو ہیں اور ایشوز نان ایشو، گویا بے تکی جگالی، ڈھاک کے تین پات، وہی ٹائیں ٹائیں فِش! پانی کو کہیے کہ تم فضا میں ہوا کے شانہ بشانہ اڑا کرو اور ہوا کو کہیے کہ تم سمندر میں رہا کرو!

وحمیت کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اِس پار بیٹھے وردی و بے وردی سیاست دانوں نے جہادِ کشمیر میں اپنی ہند دشمن قومی پالیسی کی بقا دیکھی اور اس جنگ کو تزویراتی بنیادوں پر کمک فراہم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس پالیسی و منصوبے کے تحت حکمرانوں نے سیاسی و سفارتی فوائد سمیٹے اور جہادِ کشمیر کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ ان حکمرانوں کی شر انگیزی سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ جو خیر الماکرین ہے، نے امتِ مسلمہ میں عموماً اور اہل پاکستان و ہند میں خصوصاً ایک جہادی بیداری کے اسباب بہم فرمائے۔ عرب مہاجر مجاہدین جنہوں نے اپنے انصار افغان مجاہدوں کے ساتھ مل کر روس کو توڑا تھا، کشمیر پہنچے۔ لیکن جرنیلی عہدوں پر فائز امریکی وفاداروں نے ان کو جہادِ کشمیر میں حصہ نہ ڈالنے دیا، کچھ واپس پلٹے اور چند زندانوں کا شکار ہوئے۔ قبل از نائن الیون جہادِ کشمیر کی کامیابی میں بنیادی رکاوٹ جرنیلی پالیسیاں بایں معنیٰ تھیں کہ انہوں نے جہادِ کشمیر کو 'کنٹرولڈ' رکھا۔ اسلحہ دیا، لیکن اتنا جس سے مزاحمت کنٹرولڈ رہے، ٹریننگ دی لیکن اپنی پالیسی میں مقید، ساتھ ہی مجاہدین کی صفوں میں ایسے عناصر بھی داخل کرنے کی کوشش کی جنہوں نے جہادِ کشمیر کو کنٹرولڈ رکھنے کی سعی کی[1]۔ بعد از نائن الیون جہادِ کشمیر کے ساتھ ان امریکی وفادار حکمرانوں نے کیا کیا تو اس کا اظہار امریکیوں کے خاص وفادار جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ان الفاظ میں کیا:

> ''نائن الیون کے واقعے نے اصطلاحات کو مکمل تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم نائن الیون سے پہلے اور بعد میں ایک ہی طریقۂ کار پر کاربند نہیں رہ سکتے۔ جو تحریکیں نائن الیون سے پہلے آزادی کی جدوجہد کہلاتی تھیں، نائن الیون کے بعد وہ کچھ اور ہیں۔ ہم ابھی بھی سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی تحریک، آزادی ہی کی جدوجہد ہے، لیکن جب آپ کو اس پر کہیں سے کوئی مدد نہ ملے تو آپ کو اپنے معاملات میں سدھار لانا پڑتا ہے۔
>
> مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ ہم نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کی حمایت ترک (abandon) کر دی ہے کیونکہ یہی ہمارے قومی مفاد میں ہے!''[2]

'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی بنیاد پر قائم ہونے والے ملکِ پاکستان کی افواج کے بنیادی افسروں سے لے کر جنرل و مارشل و ایڈمرل کے عہدوں تک پر فائز لوگوں کا فرض تو یہ تھا (اور ہے) کہ رشتۂ لا الٰہ الا اللہ کو خونی لکیر کے اس پار اور اس پار تقسیم نہ ہونے دیتے، قبل و بعد از نائن الیون کی امریکی تعریف برائے 'ٹیررازم' کو تسلیم نہ کرتے بلکہ کشمیری مجاہدین کی مدد و کمک کرتے اور یہاں سے وہاں جانے والے ہجرت و جہاد کے راہیوں کا راستہ بند نہ ہونے دیتے۔ لیکن للاسف، یہ نہ ہوا۔ بلکہ امریکہ جب اس خطے سے دم دبا کر فرار ہو رہا تھا (اور اب ہو چکا ہے) تو پچھلے دو سال (۲۰۲۰-۲۱ء) سے پاکستان کی جانب سے بلا تفریق تمام جہادی تنظیموں پر moratorium یعنی جنگی وسائل، خوراک اور پیسوں کی رسد پر بندش ہے۔ اور یہ بندش وہ نہیں کہ جو نائن الیون کے بعد ریاستی و حکومتی سطح پر لگائی گئی بلکہ جو سپلائی لائن ادنیٰ صورت میں تنظیموں کی جانب سے جاری تھی اس کو بھی مکمل بند کر دیا گیا۔ یہ سب اسی عرصے میں ہوا جب دفعہ 370 اور 35A کے خاتمے کے بعد بھگوا دہشت گرد حکومتِ ہند نے کشمیر کا 'سراپا' جغرافیے سے لے کر دین تک بدلنے کے عملی اقدامات کیے۔

---

[1] اس کنٹرولڈ مزاحمت' کو سمجھنے کے لیے مجاہدِ اسلام شیخ افضل گورو شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف 'آئینہ' بہت ممد و معاون ہے۔

[2] فوجی افسران کی ایک محفل میں گفتگو، جسے آئی ایس پی آر نے فلم بند کیا اور فوج میں موجود بعض مجاہد ساتھیوں نے القاعدہ برِّ صغیر کے ذمہ داران تک پہنچایا، نشر کردہ 'ادارہ السحاب برِّ صغیر'۔

دوسری طرف تحریکِ آزادیٔ کشمیر جس کا مساوی عنوان جہادِ کشمیر ہے کو کچلنے کے لیے حکومتِ ہند نے متعدد خفیہ و غیر خفیہ تحقیقاتی کمیشن بٹھائے، رپورٹیں تھم پالیسیاں مرتب کیں۔ سنگ باز مرابط نوجوانوں سے مجاہد کمانڈروں برہان مظفر وانی، سبزار احمد بھٹ، مفتی ہلال اور ذاکر موسیٰ و عبد الحمید للہاری تک شہید کیے گئے۔ داخل کشمیر میں حالیہ صورتِ حال (اگست ۲۰۱۹ء تا دسمبر ۲۰۲۱ء) پر برطانوی ادارے 'سٹوک وائٹ لمیٹڈ' کی جنوری ۲۰۲۲ء میں شائع کردہ رپورٹ 'India's war crimes in Kashmir | Violence, dissent and the war on terror' انہی حقائق سے پُر ہے۔ ادارے 'سٹوک وائٹ' نے اپنے سروے اور تحقیقات ایک محدود پیمانے پر کیں اور صرف اسی ایک ادارے نے گزشتہ دو سالوں میں دو ہزار (۲۰۰۰) سے زائد جنگی جرائم اور ناحق تعذیب و تشدد کے واقعات دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ محفوظ کیے جن میں ہماری مسلمان کشمیری ماؤں، بہنوں اور بہو بیٹیوں کے ساتھ انفرادی و اجتماعی عصمت دری کے واقعات بھی شامل ہیں، إنّا لله وإنّا إليه راجعون!

اس رپورٹ کے مندرجات کے مطابق ایک حیران کن امر یہ بھی ہے کہ گرفتار کیے گئے کشمیری نوجوانوں سے کئی بار اسرائیلی انٹیلی جنس ادارے 'موساد' کے ایجنٹوں نے تفتیش کی جن کا رنگ و زبان مغربی تھا۔ یہ اسرائیلی یہودی انٹیلی جنس افسر کشمیری نوجوانوں پر براہِ راست بدترین جسمانی تشدد میں بھی ملوث رہے۔ اس وقت بھارت کے اسرائیل کے ساتھ سالانہ عسکری اخراجات ایک کھرب ڈالر سے متجاوز ہیں۔ بھارتی فوج نے لداخ و کشمیر کے علاقوں کی جاسوسی کرنے کے لیے اسرائیلی دفاعی فورسز سے بیس (۲۰) کروڑ ڈالر کے اجارے پر چار (۴) ہیرون (Heron) ڈرون طیارے حاصل کیے ہیں۔ بھارتی ایئر فورس کے پاس اس وقت پچھتر (۷۵) ہیرون ڈرون طیارے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مودی سرکار نے بھارتی برّی فوج کے لیے چالیس (۴۰) کروڑ ڈالر کی مالیت سے دس (۱۰) عدد ہیرون ڈرون طیارے بھی اسرائیل سے خریدے ہیں۔ 'دی ڈیفنس پوسٹ' کے مطابق بھارت دو (۲) عدد امریکی ساختہ مسلح MQ-9 Predator ڈرون طیارے بھی امریکہ سے خریدنے والا ہے[1]۔ یہ ہے بھارتی ظلم و ستم، اندھیر نگری اور آئندہ کی جنگ کی تیاری کی عموماً پچھلے چند سالوں اور خصوصاً دو سالوں کی ایک جھلک اور دوسری طرف ریاست و حکومتِ پاکستان کا پچھلے دو سالوں سے moratorium بھی ہمارے سامنے ہے۔ اس moratorium کے سبب کشمیر میں ہندو فوج کو بہت زیادہ تیاری کرنے کا موقع ملا اور یوں محض پچھلے چار ماہ میں ہندو بھگوا فوج کے جارح اقدامات کے سبب جموں و کشمیر میں مجاہدین کی ایک تہائی (1/3) قوت ختم کی جا چکی ہے، حسبنا الله ونعم الوكيل ونعم المولىٰ ونعم النصير!

بھارتی دہشت گردی کی ایک نمایاں تصویر ریاستِ میسور (جس کا نام بدل کر کرناٹک کر دیا گیا) میں تعلیمی اداروں میں مسلمان عفیفات کے حجاب پر پابندی ہے، جس پر پچھلے تین ماہ سے ریاستِ کرناٹک میں مستقل مظاہرات جاری ہیں۔ آج ہندوستان کے حالات اس درجے پر پہنچ چکے ہیں کہ نام نہاد 'سیکولر' ریاست کا بدنما چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے، عقیدۂ ہندُتوا پوری طرح سے ظاہر و باہر ہے اور اس ریاست کے اس چہرے کے ساتھ ایک اور حقیقت کو بھی 'سلطنتِ خداداد میسور' میں سلطان حیدر علیؒ کی پوتی اور سلطان فتح علی ٹیپو شہیدؒ کی بیٹی 'مسکان' نے کھول دیا ہے۔ امتِ مسلمہ کی بیٹی 'مسکان' نے تنِ تنہا بھگوا بھیڑیوں کے جتھے کو محض اپنے نعرۂ تکبیر سے شکست دی۔ ایک طرف گنیش و ہنومان جیسے کروڑوں خداؤں کو پوجنے والے چالیس (۴۰) سے زائد غنڈے اور ایک طرف نہتی نہیں، اللہ کی وحدانیت و عظمت والے نعرۂ تکبیر سے 'مسلح' مسکان۔ امتِ مسلمہ کی بیٹی اور شجاعت میں ملتِ اسلامیہ کے مجاہد بیٹوں جیسی مسکان نے اپنے عزم و عمل سے ثابت کیا کہ ہندو دنیا کی بزدل ترین قوم ہے، جو کمزور کو مارتی اور طاقت ور کو پوجتی ہے! اور اگر چالیس غنڈے، ڈنڈوں سے مسلح اور بھگوا چادروں کو گھماتے بھی کسی مسلمان کا گھیراؤ کریں تو ان کو اپنے عزم و عمل سے

[1] India to Finalize MQ-9 B Predator Drone Acquisition, The Defense Post (July 2021) https://www.thedefensepost.com/2021/07/30/india-predator-drones-acquisition

شکست دی جا سکتی ہے۔ ایک مسکان نے یہ ثابت کیا کہ اگر قوتِ ایمان کے ساتھ ایک مسلمان لڑکی اگر چالیس گنا دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے تو ہندوستان کے چوتھائی ارب (پچیس کروڑ سے زائد) مسلمان بھی تیاری، حکمتِ عملی اور صف بندی کے ساتھ چار گنا بڑے (ایک ارب) دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔

آج امریکی و بھارتی و اسرائیلی ورلڈ آرڈر کے خلاف جاری جنگ من حیث المجموع پوری امت کی جنگ ہے اور امت کے ہر ہر فرد کو اس جنگ میں اپنی استطاعت کے بقدر کہیں جان و مال سے، کہیں زبان و بیان سے اور کچھ نہ ہو تو نیک جذبات اور دعاؤں کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ پھر برِّ صغیر کے مسلمانوں پر تو پاکستانی، بنگلہ دیشی، ہندوستانی و کشمیری کی تفریق کے بغیر خاص کر اس جنگ کو لڑنا فرضِ عین ہے۔ اکھنڈ بھارت کا مقابلہ برِّ صغیر کی سلطنتِ اسلامیہ کی بحالی کی کوشش کرنے والے علمائے کرام و مفکرین و اہلِ دانش اور داعیان و مجاہدین ہی کر سکتے ہیں۔ اہلِ برِّ صغیر کو درج ذیل چند اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے:

- پاکستان و بنگلہ دیش میں بستے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ہر طریقے کو بروئے کار لاتے ہوئے اہالیانِ کشمیر و ہند کی نصرت کریں۔ اس ضمن میں جہاں تک ہو سکے تو شخصی و اجتماعی طور پر مجاہدینِ کشمیر کی رسد و کمک کا سامان جمع کریں اور تنظیموں اور اداروں میں موجود صالح عناصر کو تلاش کر کے ان کے ذریعے سالوں سے بند سپلائی لائن کو بحال کریں۔ یاد رکھیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بہترین نصرت کی ایک شکل مجاہدینِ کشمیر کو مضبوط کرنا ہے، بلاشبہ کشمیر ابوابِ غزوۂ ہند میں سے ایک اہم باب ہے۔
- پاکستان و بنگلہ دیش میں بستے مسلمانوں پر اہلِ کشمیر و ہند کی عملی نصرت کے ساتھ ساتھ متوازی طور پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے اپنے ملکوں میں دعوت الی اللہ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، اعداد و تیاری برائے جہاد فی سبیل اللہ اور نفاذِ شریعتِ محمدی (علی صاحبہا آلف صلاۃ وسلام) کی محنت انفرادی سطح پر اپنے گھروں سے لے کر اجتماعی سطح پر معاشروں میں اقتدار کے ایوانوں تک شریعتِ مطہرہ کے بتائے ہوئے سلف و خلفِ صالحین کے طریقے کے مطابق کریں۔ اس کام کے لیے مساجد و مدارس کو آباد کیا جائے، علمائے کرام سے انفرادی و اجتماعی زندگی کے معاملات میں شریعت کا حکم جاننے کے لیے رجوع کا رجحان پیدا کیا جائے اور صالح نوجوانوں کے ایسے گروہ تشکیل دیے جائیں جو شریعتِ مطہرہ کی رعایتوں کے مطابق معاشرے میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسوۂ پیغمبری کا احیا کریں۔
- مسلمان ہندوستان میں بستے ہوں یا دنیا کے کسی بھی کونے میں، مسلمان کی اصل اور پہلی شناخت 'لا الٰہ الا اللہ' ہے۔ وطن سے محبت یقیناً فطری امر ہے لیکن اگر اللہ اور اس کے رسولؐ اور اسلام کے تقاضوں سے پہلے وطن سامنے آ جائے تو 'ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِؐ الٰہی'۔ اگر وطن کا تقاضا یہ ہو کہ ہندو 'بھائی بہنوں' کے ساتھ امن و آشتی سے رہا جائے تو حکمِ دین پہلے دیکھا جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ ابھی چند دہائیاں قبل بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ کیا بیتی؟ بوسنیا کے مسلمان کافروں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے، مشترکہ کاروبار اور معاشرتی تعلقات تھے، امن و آشتی تھی اور ان کے درمیان بظاہر محبت و پیار ایسا تھا کہ وہاں کے کافر مرد مسلمان عورتوں کو اور وہاں کے مسلمان مرد کافر عورتوں کو ڈیٹ (date) کرتے تھے اور گرل فرینڈز اور بوائے فرینڈز کی اولادیں بھی تھیں، لیکن جب مسلمانوں پر حملہ کیا گیا تو یہی ایک دوسرے کو ڈیٹ کرنے والے اور دوست یار ہی تھے جنہوں نے پہلے پہل بوسنیائی مسلمانوں کے گلے کاٹے اور پیٹوں میں اپنے خنجر اتارے اور غاصب فوج کے سامنے اپنے 'پارٹنرز' گولیوں سے بھوننے کے لیے پیش کر دیے۔ آج ہندوستان میں بھی یہی ہو رہا، کہیں مسجدوں کو مندروں میں بدلا جا رہا ہے، کہیں لَوِ جہاد کی لغوبات ہے، کہیں اپنے ہی نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے بجائے سیکولر نعروں کی تحریض دلا رہے ہیں (حالانکہ ایک مسکان کے نعرۂ تکبیر نے ہی چالیس گنا بڑے دشمن کے چھکے چھڑا دیے)، کہیں سول

رائٹس، آئین کی بالادستی اور ہائی کورٹوں سے امیدیں وابستہ ہیں۔ لیکن امر حقیقی یہ ہے کہ ہندو ہمارے خلاف تیاری کر چکا ہے، ہندوستان کے گلی گلی محلے محلے میں آر ایس ایس کے غنڈے تیار کیے جا رہے ہیں۔

- اصول ہمارا یہی رہے کہ جو ہمیں نہ چھیڑے ہم بھی اس کو کچھ نہ کہیں اور جو ہمیں چھیڑے تو پھر ہم اس کو نہ چھوڑیں اور اس کے لیے منظم تیاری اور صف بندی کی جائے۔ جو چھوٹا بڑا ہتھیار جمع کیا جا سکے کیا جائے۔ بندوقیں اور پستولیں مہیا نہ ہوں تو چھوٹے بڑے چاقو، زنجیریں، ہتھوڑے اور ڈنڈے تیار رکھے جائیں۔ خود بھی اور خاص کر اپنی خواتین کو ذاتی دفاع (self defence) کی تربیت دی جائے۔
- دلوں میں شہادت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ظاہر ہے شہادت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور اپنے دین وایمان، اہل وعیال اور مسلمانوں کے دفاع میں جان دینا افضل شہادت ہے۔
- دنیا بھر میں الحمدللہ جگہ جگہ میادینِ جہاد گرم ہیں، یہاں غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے مجاہدینِ اسلام برسرپیکار ہیں، دفاعِ امت کے اس ہراول دستے، ان ابطالِ اسلام سے آپ لاتعلق مت رہیے۔ ضروری ہے کہ ان میدانوں میں آپ بھی شریک ہوں اور تحریکِ جہاد کی نصرت و تائید میں آپ کا بھی بھرپور حصہ ہو۔ آپ کا قریب ترین میدان، جہادِ کشمیر ہے، اس جہاد میں آپ جان ومال سے شریک ہوں۔ تحریکِ جہاد میں آپ کی یہ شمولیت اور کسی بھی سطح پر آپ کی شرکت ہندوستان بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا ان شاءاللہ سبب بنے گا۔
- (ہندوستان میں بلا کو چند دن مزید ٹالنے کے لیے) جمہوری وسیکولر طریقوں سے اگر کوئی وقتی فائدہ حاصل کیا جا سکے تو فبہا ورنہ ان طریقوں نے پچھلی سات دہائیوں میں ہمیں کمزور کیا ہے، ہماری قوت چھینی ہے لیکن ہمیں دیا کچھ نہیں ہے، یہ سب طریقے آزمائے ہوئے ہیں:

  نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
  یہ بازو مِرے آزمائے ہوئے ہیں

- مذکورہ بالا نقاط پر زیادہ سے زیادہ اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی اور ان تمام امور کو مکمل نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کی جائے۔

- کشمیری مسلمان، جن کے رگ وپے میں جہاد ورباط رچا بسا ہے، جن کے خون میں غیرتِ ایمانی دوڑتی ہے اور جنہیں ماؤں نے حمیتِ اسلامی کا دودھ پلایا ہے پر لازمی ہے کہ صبر واستقامت کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ پر ڈٹے رہیں۔ مجاہدین کی شہادتیں اور گرفتاریاں ان کے عزم کو متزلزل نہ ہونے دیں۔ لاک ڈاؤن، کرفیو، تعذیب خانے، انکاؤنٹر اور رات کے چھاپے ان کے قدموں میں لرزہ پیدا نہ کریں۔
  - مجاہدینِ کشمیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مزید باریک بینی کے ساتھ اپنی جنگی حکمتِ عملی طے کریں، دوست، دشمن اور منافق کرداروں کو سمجھیں اور ان سب کرداروں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق معاملہ کریں۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں مسلمانوں اور مجاہدین کے لیے بالکل روا ہے کہ اسلام دشمنوں کے باہمی بغض وعناد اور مفادات کے ٹکراؤ سے فائدہ اٹھائیں، لیکن جو بات شریعت کی واضح مخالفت اور تباہی کا قطعی راستہ ہے وہ یہ ہے کہ مجاہدین خود کو، اپنے خفیہ امور کو، اپنے راستوں اور اہداف کو، اور اپنے فیصلوں کو کسی اور فکر و نظریۂ جہاد میں مخالف فریق کے حوالے کر دیں۔

- جس قدر ہو سکے تنظیموں کے درمیان کسی دشمن یا دشمن کی آلۂ کار ایجنسی کے مفادات کو در نہ آنے دیں، بلکہ تنظیموں کا تعلق وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى کے قرآنی اصول پر ہو اور جان و ناموس فدا کرنے والے مجاہدینِ عالی قدر اور جہادی تنظیمیں ہی ہیں جو اس اصول پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہوتی ہیں کہ ان کے یہاں اگر کوئی مفاد ہوتا ہے تو بس اللہ کے دین اور امتِ مسلمہ کی خیر کا۔
- مجاہدینِ کشمیر 'آزاد جہاد' کی پالیسی کو اپنائیں اور اپنے فیصلے پوری آزادی و استقلال کے ساتھ محض شریعت کی روشنی میں کریں۔ غزوۂ ہند کے ہر اول دستے تمام تنظیموں اور جماعتوں میں موجود مجاہدینِ کشمیر، پوری یکسوئی، تندہی اور قوت سے بھارتی فوج اور حکومت پر ضرب لگائیں، جس سے دشمن کی معیشت، افرادی قوت اور سامانِ حرب کا شیرازہ بکھر جائے اور اسی عمل پر کشمیر کے مجاہدینِ عالی قدر استقامت بھی اختیار کریں۔
- امتِ مسلمہ کے نہایت اہم محاذ، کشمیر میں بر سرِ جہاد مجاہدین کا پوری دنیا میں موجود اپنے مسلمان بھائیوں سے مضبوط رابطہ ہونا چاہیے، جس سے مجاہدینِ کشمیر دنیا کے مختلف خطوں میں برپا جہادی بیداری کے ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔

برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کو غم زدہ اور شکستہ پا نہ ہونا چاہیے کہ ہم سے ہمارے اللہ کا وعدہ ہے:

وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ○ (سورۃ آلِ عمران:۱۳۹)

"اور (اے مسلمانو!) ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب و سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو!"

کوئی کشمیر میں ہونے والی شہادتوں، رسد و کمک کی کمی، ہندوستان میں پابندیوں اور گرفتاریوں سے نہ ڈرے کہ برِّصغیر میں اسلام کا غالب ہونا لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ بھارت ماتا کے برہمنوں، راجوں اور حکمرانوں نے عن قریب زنجیروں میں کسا جانا ہے اور اس جہادِ ہند و سندھ میں حصہ ڈالنے والوں کے لیے جہنم سے آزادی کی بشارت ہمیں ہمارے حبیب سیّد الاولین والآخرین نے دی ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ اور اس کے رسولِ برحق (علیہ اَلف صلاۃ وسلام) کے وعدے بھی ہیں اور عطا کردہ بشارتیں بھی، لیکن بات یہ ہے کہ ان وعدوں کے نتائج اور بشارتوں کو حاصل کرنے کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟

گفتار نہیں گھر سے نکلنے کا سمے ہے
الفاظ سے یہ چاک کہاں پہلے سِلا ہے
جمہوری دجل چھوڑ کے تلوار اٹھا لو
شمشیر میں دم توڑتی امت کی جِلا ہے

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دمائنا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنّا وأعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنّا نسئلك الثّبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

•••••

بجہادنا سنفتت الصخرا.....ونمزق الطاغوت والکفرا

یہ چند سطور ہم فقط امتِ مسلمہ کو خوش خبری دینے کے لیے لکھ رہے ہیں۔ جس وقت زیرِ نظر مجلہ اشاعت کے لیے جانے ہی والا ہے تو روس کو یوکرین پر حملہ کیے کچھ وقت ہو چکا ہے۔ اس سب میں جو خوش خبری ہم پیش کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہبلِ عصر امریکہ کے صدر جو بائیڈن نے اعلان کیا ہے کہ:

> "روس کے چاہنے کے باوجود امریکہ لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا.....اگر نوبت یہاں تک آ گئی کہ امریکی شہریوں کو بچانے کے لیے یوکرین میں فوج بھیجنی پڑی تو تب بھی اپنی فوجیں یوکرین نہیں بھیجیں گے۔"[1]

بائیڈن کے اس اعلان کے بعد دنیا بھر کے عالمی میڈیا نے مختلف قسم کے تبصروں اور تجزیوں کی بھرمار کی ہے۔ کسی نے ایک وجہ بتائی ہے تو کسی نے دوسری۔ وہ امریکہ جو اپنے مفادات کے لیے ویتنام میں اترا، جس نے افریقی ممالک کو تہہ و بالا کیا، جو موغادیشو صومالیہ میں اترا، جو لیبیا میں اترا، جو یوگوسلاویا میں اترا، جس کے حالیہ صدر نے عراق جنگ کی امریکی حزبِ مخالف میں ہونے کے باوجود حمایت کی، جو شام میں اترا، آخر کیوں یوکرین میں اپنے شہریوں تک کو بچانے کے لیے وہاں فوج بھیجنے کا روادار نہیں؟

اس کا صرف ایک سبب ہے جس پر کوئی آج بات نہیں کر رہا۔ سبب ہے امتِ مسلمہ کا امریکہ کو افغانستان میں شکستِ فاش دینا اور مجاہدینِ امت کا یمن، صومالیہ، مالی، الجزائر، شام اور برِّ صغیر میں ہبلِ عصر امریکہ کے خلاف جنگ میں استقامت اختیار کیے رکھنا! بس ہم امتِ مسلمہ یہ استقامت علی الحق والجہاد جاری رکھیں گے یہاں تک کہ امریکہ کا ورلڈ آرڈر ٹوٹ جائے اور اس ورلڈ آرڈر کے ٹوٹنے کے بعد ہم کسی چین و روس و بھارت کو دنیا کا نیا چودھری نہیں بننے دیں گے۔ بس نام رہے گا اللہ کا!

بجہادنا سنفتت الصخرا
ونمزق الطاغوت والکفرا

ہم اپنے جہاد کے ذریعے چٹانوں کے جگر چیر دیں گے اور طواغیت و کفار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، ان شاء اللہ!

◆◆◆◆◆

[1] www.bbc.com/urdu/world-60519823

جس وقت مجلہ ہٰذا شائع ہونے کے لیے جارہا ہے تو ہمیں دار العلوم کراچی سے وابستہ، پاکستان کے ممتاز عالمِ دین **شیخ الحدیث مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی** [مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کے پوتے، مولانا زکی کیفیؒ کے فرزند اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (دامت برکاتہم) کے بھتیجے] کی وفات کی خبر پہنچی ہے، إنّا لله وإنّا إليه راجعون! اللہ تعالیٰ مولانا (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کو جنت کے اعلیٰ مقامات سے سرفراز فرمائیں، آمین یاربّ العالمین۔ ونوّر اللہ مرقدہٗ!

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' اہلِ دین ودانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے
اور چاہتا ہے کہ اہلِ دین ودانش کے
قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@nghmag.com

قصہ دو باغ والے کا

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سورۂ کہف میں دو باغ والے کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جس سے ہم کو روز مرہ کی زندگی میں پہلے قصے سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اگر اصحاب کہف کا صدیوں اور برسوں میں پیش آتا ہے تو یہ قصہ تقریباً ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو ہر اعتبار سے خوش نصیب اور اقبال مند تھا۔ آسائش و خوشحالی کے سارے سامان اس کے لیے مہیا تھے، اس کے پاس انگور جیسے لطیف و مرغوب پھل کے دو باغ تھے۔ ان کے چاروں طرف کھجور کے دلنواز درخت تھے، جنہوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ درمیان میں کاشت کے قطعے بھی تھے۔ یہ ایک متوسط درجہ کی زندگی کے لیے سعادت و مسرت کی آخری منزل تھی، اور متوسط طبقہ اور درمیانی معیار زندگی ہی اکثر دنیاوی معاملات میں معیار و پیمانہ ہے۔ لیکن اس دولت مند اور خوشحال کی سعادت اور کامیابی کا سارا انحصار محض ان باغات کے وجود تک محدود نہ تھا بلکہ سارے اسباب و وسائل اس کے لیے مسخر تھے۔ اور یہ دونوں باغ اپنی بہترین پیداوار دے رہے تھے۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (سورۃ الکہف:۳۳)

”پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے، پیداور میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی اور ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لیے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔“

غرض اس طرح سعادت و کامرانی کی پوری تکمیل ہو چکی تھی۔ اور آرام و راحت کے سارے اسباب نہ صرف موجود بلکہ ارزاں و فراواں تھے۔ اس موقع پر اس شخص کے اندر وہ مادی مزاج اپنا رنگ دکھاتا ہے جو ہمیشہ اہل حکومت، جاگیرداروں، قومی لیڈروں، صنعت کاروں، کارخانہ داروں اور فوجی طاقت رکھنے والوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اس کے اندر وہ شدید مادی رجحان پیدا ہوتا ہے جو ایمانِ معرفت صحیحہ اور تربیت کا پابند نہیں۔ وہ اپنی ساری خوشحالی اور خوش بختی کو اپنے علم و لیاقت اور اپنی ذہانت و محنت کی طرف منسوب کرتا ہے جس طرح اس سے پہلے قارون نے کیا تھا اور کہا تھا:

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (سورۃ القصص:۷۸)

”یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔“

وہ اپنے اس دوست پر فخر کرتا ہے جس کو یہ مرادیں حاصل نہ تھیں اور بڑی صراحت بلکہ ناروا جسارت سے کہتا ہے:

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (سورۃ الکہف:۳۴)

”دیکھو تم میں سے میں زیادہ مال دار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے۔“

وہ اپنے اقتدار و قوت کے سرچشمہ میں اور دولت و خوشحالی کے اس مرکز میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ نہ اس کو اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے رب کی۔ نہ غیبی اسباب اور ارادۂ الٰہی کی جو سات آسمان سے اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور انسان اور اس کی ملکیت بلکہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس پر علمی و عملی، اخلاقی و عقلی ہر لحاظ سے ظلم کرتا ہے، یہ کور چشم مادی ذہنیت اس کی زبان سے اعلان کرواتی ہے کہ اب نہ اس کو زوال ہے، نہ اس کے باغات کو۔ وہ حشر و نشر کا انکار کرتا ہے، اور بڑے پھوہڑپن اور غایت درجہ حماقت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ کامیابی و خوشحالی ابدی و لافانی ہے۔ دنیا و آخرت (اگر آخرت ہو) کسی جگہ ختم ہونے والی نہیں۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ○ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (سورۃ الکہف:۳۵،۳۶)

”پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا، اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا، اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔“

وہ سمجھتا ہے کہ اس کا شمار ان معدودے چند خوش نصیب و کامراں افراد انسانوں میں ہے، جن سے اقبال کبھی منہ نہیں موڑتا اور قسمت کبھی بے وفائی نہیں کرتی اور جو ہمیشہ اور ہر جگہ سعادت اور عزت کے بامِ عروج پر نظر آتے ہیں۔

وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (سورۃ الکہف:۳۶)

”اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لیے کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔“

اس طرح کے لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان، عمل صالح اور محنت و کاوش کی کیا ضرورت ہے، یہ ان کی فطری اور وہبی سعادت ہے جو ہر وقت ان کو شاد کام و بامراد رکھ سکتی ہے۔

اس کے دوست کی چشمِ بصیرت اللہ تعالیٰ نے حق و ایمان کے لیے کھول دی ہے۔ اس کو معرفتِ الٰہی اور اس کے صفات و افعال کے علم کی لازوال دولت حاصل تھی، وہ جانتا تھا کہ صرف وہی اس کائنات میں تصرفات کرنے والا ہے، اور اسباب کا خالق ہے، اور جب چاہے حالات کو پلٹ سکتا ہے۔ اس نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس کے اس مادہ پرستانہ

طرزِ فکر کی کھل کر مخالفت کی۔ اس کو اصل و حقیقت اور آغاز سے آگاہ کیا۔ یہ وہ سخت اور سنگین حقیقت ہے، جس کو یہ ظاہر پرست اور اپنے کو خوش نصیب سمجھنے والے ہمیشہ فراموش کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تذکرہ سے دور بھاگتے ہیں۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا (سورۃ الکہف:۳۷)

”یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟۔“

متکبر اور مغرور اشخاص کے لیے اس بات کا سننا کتنا شاق و ناگوار ہے، اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے بالکل دوسرے رخ پر ہے اور دوسرے رجحان کا حامل ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (سورۃ الکہف:۳۸)

”لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“

پھر اس نے اس کو وہ بنیادی اور اصولی حقیقت یاد دلائی جس کے گرد پوری سورۂ کہف گردش کر رہی ہے اور اس جگہ انگلی رکھی جو اس طرح کے لوگوں کی کمزوری و دکھتی رگ ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ دیکھنے کی چیز اسبابِ ظاہری نہیں بلکہ وہ خالق و مالک ہے جس کے ہاتھ میں ان سارے اسباب و وسائل کی ڈور ہے۔ اور یہ سامانِ راحت اور اسبابِ عیش جن پر وہ خوش و نازاں ہیں، نہ اسباب کی کارگزاری ہے، اور نہ خود اس کی دستکاری یا عقل و ذہانت کی کارفرمائی، وہ اللہ کی حکمت و قدرت کا نتیجہ ہے، جس نے ہر چیز کو بہترین طریقے پر بنایا ہے۔ وہ بڑی حکمت اور نرمی کے ساتھ اس کو خدا کی قدرت کے اعتراف اور اس کی نعمت کے شکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (سورۃ الکہف:۳۹)

”اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔“

”ماشاء اللہ لا قوۃ الّا باللہ“ دراصل اس سورۃ کی روح اور سارے قصہ کی جان ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور آپ کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے والے کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنا سارا معاملہ اور ساری طاقت و صلاحیت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور مستقبل کے ہر ارادے اور نیت کو اس کے سپرد اور اس کی مشیت کے ساتھ مشروط اور وابستہ رکھے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ○ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (سورۃ الکہف:۲۳، ۲۴)

”اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا۔ الّا یہ سمجھ لو، ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لو۔ تم کہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا۔“

اور ہر موقع پر دل سے ان شاء اللہ اور ماشاء اللہ کہتا ہو۔

جو شخص ہر فضل و کمال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہو اور ہر نیت میں خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہو اور اس کے فضل و کرم کا امیدوار ہو، وہ اسباب ظاہری مادیت اور مادہ پرستوں کے سامنے اپنا سر کیسے جھکا سکتا ہے، اور نفس اور نفسانی ارادے کے ہاتھ میں اپنی زمام کار کیسے دے سکتا ہے؟

”ماشاء اللہ اور ان شاء اللہ“ بظاہر دو بڑے ہلکے پھلکے لفظ ہیں اور اکثر ان کا استعمال بغیر سوچے سمجھے کیا جاتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی احساس اور شعور نہیں ہوتا، لیکن در حقیقت یہ دونوں بڑے وزنی، بڑے گہرے اور معانی و حقائق سے لبریز بول ہیں۔ اور اندھی مادیت نفس اور ارادۂ انسانی پر بھروسہ اور اعتماد پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

مادی تہذیب اپنے وسائل اور ذرائع قوت پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں ممتاز ہیں۔ یہ مادی حکومتیں اپنے عمرانی و اقتصادی منصوبوں کا برابر اعلان کرتی رہتی ہیں جو قدرت کی ہم آہنگی اور موسموں کے تغیرات سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اس کی مدت اور اس کا حجم متعین کرتی ہیں اور یہ طے کرتی ہیں کہ وہ اتنے سال کے اندر اتنی پیداوار ضرور پیدا کرنے لگیں گی اور ان کے ملک خود کفیل ہو جائیں گے اور بیرونی امداد پر ان کا انحصار ختم ہو جائے گا۔ لیکن ارادۂ الٰہی ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے، کبھی قحط سے واسطہ پڑتا ہے، کبھی سیلابوں سے، کبھی بارش بہت تاخیر سے ہوتی ہے، کبھی اس قدر مسلسل کہ کھڑی کھیتیاں غرقاب ہو جاتی ہیں۔ ایسے قدرتی حوادث اور جان و مال کے مصائب سامنے آتے ہیں، جو حاشیۂ خیال میں نہ آسکتے تھے۔ غرض کہ ان کے سارے اندازے غلط اور منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں۔

یہ ”ان شاء اللہ“ دراصل ہماری انفرادی زندگی کے چھوٹے اور حقیر کاموں، سرسری ملاقاتوں اور سفروں یا محض تاریخ کے تعین کے لیے نہیں ہے، بلکہ ان تمام اجتماعی کاموں اور عظیم منصوبوں پر حاوی ہے۔ جو پوری قوم کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان سب چیزوں کو (بشمول جدوجہد) اسباب و وسائل کی اہمیت اور قرآن و سنّت، اسوۂ نبوی ﷺ اور عمل

صحابہؓ کی روشنی میں تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت کے اس یقین کے ماتحت ہونا چاہیے کہ فیصلہ کن اور بالاتر اور اول و آخر چیز بہر صورت ارادۂ الٰہی ہے۔ اس آیت میں:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ

''اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو 'میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا'، الّا یہ سمجھ لو، ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔''

صرف ایک فرد مخاطب نہیں ہے بلکہ ہر زمانے کا معاشرہ، تمام حکومتیں، ادارے اور جماعتیں اور تحریکیں مخاطب ہیں اور ان سب سے اس کے اہتمام و التزام کا مطالبہ ہے۔ یہ ہر اس اسلامی معاشرہ کی روح ہے جس میں ایمان اچھی طرح سرایت کر چکا ہو اور اس تہذیب کی روح اور جوہرِ حیات ہے جو ایمان بالغیب کی بنیاد پر قائم ہوا اور یہی وہ خطِ فاصل ہے جو مادی تمدن اور ایمانی تمدن کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

یہ صاحبِ ایمان ساتھی اس کو متنبہ کرتا ہے کہ قسمتوں کا الٹ پھیر اور خوش نصیبی اور بدنصیبی کی یہ تقسیم، ابدی اور ناقابل شکست نہیں، زمامِ کار اور تصرف و اقتدار کا اختیار خالقِ کائنات کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکا وہ اب بھی اس کا مالک ہے۔ خوش نصیب بدقسمت ہو جاتا ہے، اور بدقسمت خوش نصیب، مالدار غریب ہو سکتا ہے اور غریب مالدار بھی۔ اس لیے اگر حالات پلٹ جائیں تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہیے۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ○ فَعَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَیُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ○ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ○ (سورۃ الکہف ۴۱، ۴۰، ۳۹)

''اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کم تر پا رہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے، اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اُتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے۔ اور آخر کار یہی ہوا۔ خدا کی بھیجی ہوئی ایک آندھی آئی اور دیکھتے دیکھتے یہ لہلہاتا ہوا گلزار چٹیل میدان بن گیا۔ اب اس مست و بے خود شخص کو ہوش آیا۔''

وَاُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰی مَآ اَنْفَقَ فِیْهَا وَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا ○ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ○ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ○ (سورۃ الکہف: ۴۴، ۴۳، ۴۲)

''اور پھر دیکھو ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں۔ اب وہ کہتا ہے، اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لیے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔''

یہ باغ والا اس طرح مشرک نہ تھا۔ جس طرح عام مشرکین ہوتے ہیں، قرآن کے کسی نص یا اشارہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس قرآن کے اسلوب اور اندازِ کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا۔

وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا

''اور اگر ایسا ہوا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لیے کھٹکا ہے؟ مجھے ضرور) وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔''

پھر اس کا وہ شرک کیا تھا جس پر اس نے کفِ افسوس ملا اور ندامت کا اظہار کیا۔

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا

''اے کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔''

وہ ظاہری بات جس میں اشکال کی کوئی وجہ نہیں یہ ہے کہ اس نے اسباب میں شرک اختیار کیا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی ساری خوشحالی و دولت کا سرچشمہ یہی اسباب ظاہری ہیں اور یہ انہیں کا ثمرہ اور احسان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اس کے تصرف اور تاثیر کا منکر ہو گیا۔

یہی وہ شرک ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب مبتلا ہے، اس نے طبعی مادی اور فنی اسباب اور ماہرین فن (Specialists) کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے۔ عہد حاضر کے انسان نے اپنی پوری زندگی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ زندگی اور موت، کامیابی و ناکامی، اقبال و ادبار، خوش نصیبی و بدنصیبی سب ان کے ہاتھ میں ہے۔ اسباب مادی، کائناتی قوتوں اور نیچر کی یہ پرستش و تقدیس اور اہلِ اختصاص اور ماہرینِ فن پر اعتمادِ کلّی اور ان کو خدا کا درجہ پر رکھنا ایک نئی وثنیت اور نیا شرک ہے۔ اس نے قدیم بت پرستی کے ذخیرہ میں جس کا ترکہ اس کے پاس اب بھی محفوظ ہے اور جس کے ماننے والے اور چاہنے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں، ایک نئی قسم کی بت پرستی کا اضافہ کیا ہے، جو ایمان اور عبدیت کی حریف ہے اور یہ وہی وثنیت ہے، جس کو سورۂ کہف نے چیلنج کیا ہے، اور جس سے وہ پوری طرح برسرِ پیکار ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 19 پر)

THE HEREAFTER

آخرت

شیخ انـــور العولقـــی شہید ؒ

۴

إشراط الساعة

لغوی اعتبار سے 'ساعۃ' سے مراد ہے 'گھنٹہ' یا 'گھڑی'۔ اِشراط الساعۃ کا لغوی مطلب ہے (قیامت کی) گھڑی کی علامات یا نشانیاں۔ یہ نشانیاں وہ واقعات یا دنیا کی وہ صورتحال ہے جو قیامت سے پہلے کسی سنگِ میل کی طرح، ایک ایک کر کے پیش آئیں گی، اور دیکھنے والے جان سکیں گے کہ ہر علامت کے ساتھ وہ قیامت سے قریب تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔

قیامت کب آئے گی؟ یہ کسی کو معلوم نہیں۔ یہ علم الغیب ہے جس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے پاس نہیں۔ حتیٰ کہ انبیا اور فرشتے بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب وقوع پذیر ہوگی۔ اسی لیے مشہور حدیث، حدیثِ جبریل ؑ میں حضرت جبریل ؑ کے اس سوال پر کہ قیامت کب واقع ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: 'اس کے بارے میں جس سے پوچھا جارہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا'۔ یعنی ہم دونوں کو علم نہیں کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہماری رہنمائی کے لیے قیامت کی بہت سی نشانیاں بیان کی ہیں۔

علاماتِ قیامت ایک ایسا موضوع ہے جس سے متعلقہ احادیث میں صحت کے اعتبار سے بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ اس لیے صحیح احادیث تک پہنچنے کے لیے کتابوں کے ایک انبار میں سے بہت احتیاط اور دقت سے گزرنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ ایک بے حد محنت طلب کام ہے، لیکن الحمدللہ کے اس موضوع پر بھی کتب موجود ہیں جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے، جن میں ابنِ کثیرؒ اور دیگر علما کی کتب شامل ہیں۔ ہم نے ان دروس میں ایک عالم یوسف الوابل کی کتاب 'الصحیح من اشراط الساعۃ' کو بنیاد بنایا ہے جنہوں نے احادیث کی مستند کتب سے صرف صحیح احادیث کو لیتے ہوئے قیامت کی ۵۰ سے زائد علامات بیان کی ہیں۔

علامات کی اقسام

قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو ایسے واقعات ہیں جو صرف ایک ہی دفعہ وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ جب وہ واقع ہو جاتے ہیں تو ان کے بارے میں کوئی شک و شبہ یا ابہام باقی نہیں رہ جاتا کہ یہ نشانی نظر آگئی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی شام تک پہنچے گی، اور تم رات کے وقت اونٹوں کی گردنیں بھی دیکھ سکو گے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو جب پیش آئے تو ہر شخص اسے پہچان لے کہ یہ واقعہ پیش آچکا ہے۔

لیکن بعض علامات ایسی ہیں جو ایک سے زیادہ دفعہ پیش آسکتی ہیں۔ یا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا محسوس ہو کہ یہ نشانی پوری ہو چکی ہے جبکہ حقیقت میں اس کا ظہور نہ ہوا ہو۔ مثلاً، ایک علامت ہے 'یکثر الحرج'، قتل و غارت گری کا عام ہو جانا۔ اگر ہم آج کے اپنے حالات پر نظر ڈالیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ یہ نشانی پوری ہو چکی ہے، مگر ممکن ہے کہ ابھی صورتحال مزید بگڑ جائے۔ یہ ایسی علامات ہیں جو ظاہر تو ہوتی ہیں مگر اپنی پوری شدت کے ساتھ ان کا اظہار نہیں ہوتا۔ ایک مخصوص وقت میں یہ ایک حد تک ظاہر ہوتی ہیں، اور پھر بتدریج ان کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اور بعض علامات ایسی ہیں جو ایک دوسرے کی مکمل ضد ہیں۔ مثلاً ایک علامت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ امن پھیل جائے گا، جبکہ ایک دوسری علامت یہ ہے کہ بے امنی اور انتشار پھیل جائے گا۔ چونکہ یہ علامتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہی وقت میں پیش نہیں آئیں گی۔ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ واقعاتی اعتبار سے مختلف زمانوں میں وقوع پذیر ہوں گی۔

علاماتِ قیامت

1. بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قیامت کی پہلی نشانی رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی دنیا میں آمد ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بعثت انا والساعۃ کھاتین، (میری بعثت اور قیامت ان دو کی طرح ہیں، اور اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا)۔ یعنی اگر زمین کی پشت پر بنی نوعِ انسان کی تاریخ سے موازنہ کریں، تو نبی کریم ﷺ قیامت سے ایسے قریب ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ آخر الزماں میں بھیجے گئے، یعنی اگر یوں کہا جائے کہ زمین پر انسانی تاریخ کی میعاد ایک دن ہے، تو رسول اللہ ﷺ اس دن کی سہ پہر میں بھیجے گئے جس کے فوراً بعد شام ہے، یعنی غروبِ آفتاب اور دن کا اختتام ہے۔

2. رسول اللہ ﷺ کی رحلت

بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ اعْدُدْ سِتًّا

بَيْنَ يَدَيْ السَّاعَةِ مَوْتِي.....''، میں نے غزوہ تبوک میں رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس حاضری دی اور وہ چمڑے کے ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ یاد کرلو قیامت برپا ہونے سے پہلے چھ باتیں معرض وجود میں آئیں گی، (جن میں سے پہلی ہے) میری رحلت.....(دیگر پانچ کا ذکر آگے آئے گا)۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے، اور یہ امتِ مسلمہ کے ساتھ پیش آنے والا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں کبھی کوئی مشکل یا مصیبت درپیش ہو تو میرے انتقال کی مصیبت کو یاد کر لینا۔ دنیا کی ہر مشکل، پریشانی اور مصیبت، رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں معیت کو کھو دینے کی مصیبت کے سامنے ہیچ ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت انس بن مالکؓ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ 'جس دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں داخل ہوئے تھے اس دن ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا انتقال ہوا اس دن ہر چیز تاریک ہوگئی۔ ہم نے ابھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دفن کرنے کے بعد ہاتھوں سے خاک بھی نہیں جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا (یعنی دلوں میں ایمان کا وہ نور نہ رہا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں تھا)۔ نبی کریم ﷺ کی محض موجودگی بھی صحابہ کرامؓ کے لیے بہت خاص اہمیت رکھتی تھی۔ جیسے ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے، انہوں نے شدت سے محسوس کیا کہ اب ان کی زندگی کا بہت خاص گوشہ رخصت ہوگیا ہے۔

3. یروشلم کی فتح (فتح بیت المقدس)

یہ علامت سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے زمانے میں ظاہر ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں مسلمانوں کے لشکر نے یروشلم کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اہلِ شہر جانتے تھے کہ وہ مقابلے کی سکت نہیں رکھتے، لہٰذا جلد یا بدیر انہیں ہتھیار ڈالنے ہی ہوں گے۔ انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ تسلیم ہونے کے لیے تیار ہیں لیکن وہ بیت المقدس کی اہمیت کے پیشِ نظر، اس کی چابیاں مسلمانوں کے خلیفہ کے حوالے کریں گے۔ یہ پیغام جب حضرت عمرؓ تک پہنچا تو آپؓ نے صحابہ کی شوریٰ سے مشورہ کیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے..... کیا یروشلم جانا چاہیے یا مدینہ میں ہی رہنا چاہیے؟ بعض صحابہ نے خطرے کے پیشِ نظر مدینہ میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا اور بعض نے یہ مشورہ دیا کہ اللہ پر توکل کر کے جانا چاہیے۔

سیدنا عمر بن الخطابؓ اپنے غلام کے ساتھ اس سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے پاس ایک ہی اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سواری کرتے تھے۔ کچھ دیر عمرؓ سوار ہو جاتے، پھر غلام سواری کرتا اور پھر وہ دونوں اونٹ کو ستانے کا موقع دینے کے لیے پیادہ پا چلتے۔ جب یروشلم پہنچے تو اس وقت اونٹ پر سوار ہونے کی غلام کی باری تھی۔ وہ اونٹ پر سوار تھا اور خلیفۃ المسلمین پیدل ساتھ چل رہے تھے۔ راستے میں کیچڑ کا ایک جوہڑ آگیا جس کو پار کیے بغیر گزرنا ممکن نہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے کپڑے سمیٹے اور جوہڑ سے گزر گئے۔ کیچڑ کے چھینٹے آپ کے کپڑوں اور ٹانگوں پر لگ گئے۔ یہ سب اہلِ یروشلم کے سامنے ہو رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے لیے اس طرح اہلِ یروشلم کے سامنے آنا کچھ مناسب نہیں۔ اس لیے نہیں کہ امیر میں عاجزی وانکساری نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اس لیے کہ رومیوں کا تعلق ایک ایسے معاشرے سے تھا جہاں قائدین اور بڑے لوگ ہمیشہ محافظین و مصاحبین کے حلقے میں رہتے تھے اور انہیں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کا یہ عجز و فقر دیکھ کر رومی مسلمانوں کے امیر کے ساتھ ان کے شایانِ شان برتاؤ نہ کریں گے۔

یہ وہ وقت تھا کہ روئے زمین پر عمر بن الخطابؓ سے بڑھ کر کوئی قابلِ عزت و شرف نہ تھا۔ سو حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں بعض مشورے دیے جس پر سیدنا عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا: ''مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔ ہم لوگ زمین میں ذلیل و خوار تھے، ہم کچھ بھی نہ تھے جب اللہ نے اسلام کے ذریعے ہمیں عزت اور شرف بخشا۔ اگر ہم اسلام کے علاوہ کسی چیز میں عزت تلاش کریں گے، تو اللہ ہمیں ذلیل و خوار کر دے گا''۔

یعنی عزت و شرف اور سعادت اس میں نہیں کہ آپ کے ساتھ مصاحبین و حاشیہ نشین کتنے ہیں، پروٹوکول کی گاڑیوں کا کاروان کتنا بڑا ہے، اور کتنا پیسہ اسراف و تبزیر میں لگایا ہے۔ ہماری عزت و شرف اسلام میں ہے، نہ کہ تن پر پہنے کپڑوں میں۔ اس وقت بادشاہِ وقت عمر بن خطابؓ کے تن پر موجود لباس میں ۱۴ پیوند لگے ہوئے تھے۔ سیدنا ابو عبیدہؓ سے آپؓ کی گفتگو دراصل یہ سکھاتی ہے لوگوں کے دلوں میں عزت و ہیبت اللہ رب العزت ڈالتے ہیں۔ اگر ہم لوگوں کو مرعوب و متاثر کرنے کے لیے کوئی بھی دوسرا سطحی طریقہ اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری عزت ختم کر دیں گے۔

اور سبحان اللہ..... عمرؓ نے صحیح فرمایا تھا۔ جب اہلِ یروشلم نے آپؓ کو اس حلیے میں دیکھا تو لوگ رونے لگے۔ لوگ آپؓ کو دیکھنے کے لیے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپؓ کا تذکرہ سن رکھا تھا مگر آپؓ کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اسلام کی سادگی دیکھ کر انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا۔ انہوں نے شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیں۔ ابنِ کثیرؒ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان (اہلِ یروشلم) کی کتابوں میں اس شخص کا ذکر موجود تھا جو بیت المقدس کی چابیاں ان سے لے گا، اور اس کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ تھی کہ اس کے لباس میں ۱۴ پیوند لگے ہوں گے۔

4. طاعون

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''...مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ.....''، [یکدم (یکایک) سے مرنا، یہ وبا تم میں اس طرح پھیلے گی جس طرح بکریوں میں یکایک مرنے کی بیماری

پھیل جاتی ہے]۔ اس سے مراد طاعون ہے۔ یہ ۱۸ھ میں، فتح بیت المقدس کے بعد شام میں تیزی سے پھیل گیا۔ یہ بے حد تباہ کن مصیبت تھی جو مسلمانوں پر نازل ہوئی اور ۲۵۰۰۰ سے زائد مسلمان اس کا لقمہ بن گئے۔ ان میں بہت سے جلیل القدر صحابہؓ جیسے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور معاذ بن جبلؓ بھی شامل تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق، طاعون مومن کے لیے ایک نعمت کی مانند ہے، کیونکہ طاعون کے باعث وفات پانے والا شہادت کا رتبہ پاتا ہے۔

5. کثرتِ مال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا (سرمایہ داری کی کثرت، یعنی اگر کسی کو سو اشرفیاں دی جائیں تب بھی وہ خوش نہ ہو)۔ یعنی مال کی ایسی کثرت ہو گی کہ سو دینار (سونے کی ایک خاص مقدار) کوئی شے سمجھے ہی نہ جائیں گے۔ یہ نشانی کسی حد تک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں نظر آئی۔ اس کے ذیل میں کئی قصّے اور روایات بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ افریقہ سے سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس کچھ رقم بھیجی گئی۔ آپؒ نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟ افریقہ سے یہ رقم مجھے کیوں بھجوائی جا رہی ہے؟ یہ رقم جس علاقے سے لی گئی ہے، وہیں کے فقرا میں تقسیم کر دو"۔ یعنی لوگوں سے جمع شدہ مال مرکزی حکومت کو نہیں بھجوایا جاتا تھا۔ بلکہ مقامی حکومت کے پاس جو مال اکٹھا ہوتا وہ مقامی مدّات و مصارف پر ہی استعمال ہوتا۔ آپؒ کو بتایا گیا کہ جس علاقے سے یہ مال آیا ہے، وہاں اب کوئی فقیر یا حاجت مند نہیں ہے۔ تو آپؒ نے حکم دیا کہ رقم واپس بھجوا دی جائے اور اسے سڑکیں بنانے اور غلام آزاد کرانے پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح آپ کے زمانے میں یمن سے زکوٰۃ بھیجی گئی، آپؒ نے وہ بھی واپس بھجوا دی اور یہی حکم دیا۔ مال کی یہ کثرت و فراوانی اس لیے تھی کہ اللہ نے ان لوگوں کے رزق میں برکت عطا کی تھی۔

مگر اس نشانی سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آخر الزماں میں پوری دنیا میں مال و دولت کی کثرت و فراوانی ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لے کر نکلے گا لیکن کوئی اس سے لینے والا نہ ہو گا۔ مال کی کثرت ہو گی اور ہر شخص خوشحال ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: تَقِيءُ الْأَرْضُ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا أَمْثَالَ الْأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَيَجِيءُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قَتَلْتُ وَيَجِيءُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قَطَعْتُ رَحِمِي وَيَجِيءُ السَّارِقُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قُطِعَتْ يَدِي ثُمَّ يَدَعُونَهُ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا۔ (زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کی قے کر دے گی سونے اور چاندی کے ستونوں کی طرح۔ قاتل آ کر کہے گا اسی کی وجہ سے میں نے قتل کیا تھا اور قطع رحمی کرنے والا کہے گا میں نے اسی کی وجہ سے قطع رحمی کی، چوری کرنے والا آئے گا تو کہے گا اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ سب اس کو چھوڑ دیں گے، وہ اس میں سے کچھ بھی نہ لیں گے)۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ ظاہر ہو گا۔ مگر اس کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تاکید ہے کہ اگر تم اسے پاؤ تو اسے چھوڑ دو، کیونکہ اس کی طرف بڑھنے والے ہر سو میں سے ننانوے قتل کر دیے جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں، مجھے تمہارے بارے میں فقر کا اندیشہ نہیں، بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم اس دنیا پر ایک دوسرے سے مسابقت کرنے لگو گے اور یہ تمہیں تباہ کر دے گا"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو ہمارے بارے میں جو خطرہ لاحق تھا وہ مادّی و دنیاوی فائدے حاصل کرنے کی دوڑ میں شریک ہونے کا تھا۔ اگر ہم اس مقابلے کا حصّہ بنتے ہیں تو یہ چیز ہمیں تباہ کر دے گی۔ آج دنیا میں جو فقر و غربت نظر آتی ہے، اس کی وجہ وسائل کی کمی نہیں بلکہ ان کی غیر منصفانہ تقسیم اور ظلم و زیادتی ہے۔ اگر آپ دنیا پر نظر ڈالیں، تو معلوم ہو گا کہ وسائل پر انحصار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سب سے بڑا سرمایہ خود انسان کی اپنی ذات ہے۔ مثال کے طور پر سیلیکون ویلی (Silicon Valley) جیسی جگہ لے لیں۔ وہاں مٹی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مگر روئے زمین پر اس سے زیادہ دولت مند و مالدار جگہ اور کوئی نہیں۔ وہاں کوئی تیل کے ذخائر نہیں پائے جاتے، نہ سونا نہ چاندی، کوئی قابلِ ذکر زراعت بھی نہیں..... وہاں جو 'مال' یا 'سرمایہ' ہے وہ (human resource) یعنی انسان خود ہے۔

بد قسمتی سے مسلم دنیا میں ہمارے پاس بہت سے وسائل ہیں، مگر ہمارے پاس انہیں بروئے کار لانے کی صلاحیت و قابلیت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک ہمیں برکت عطا نہیں کریں گے جب تک ہم کاروبار و اقتصاد کے قوانین و معاملات میں شریعت کے بتلائے اصولوں کی پاسداری نہیں کریں گے۔ ایک شخص کے پاس پیسہ ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس کے پیسے میں برکت نہ ہو تو ایسے مال میں کوئی خیر نہیں۔

6. فتنہ و فساد کا زمانہ

مسلم کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ ....." (ان فتنوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جلد جلد نیک اعمال کر لو جو اندھیری رات کی طرح چھا جائیں گے.....) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا"۔ یہ وہ وقت ہو گا جب صبح آدمی ایمان والا ہو گا اور شام کو کافر، یا شام کو ایمان والا ہو گا اور صبح کافر اور (یہ اس لیے ہو گا کہ وہ معمولی سے) دنیوی نفع کی خاطر اپنا دین بیچ ڈالے گا۔

امام احمد بن حنبلؒ بھی یہی حدیث نقل کرتے ہیں اور اس کی تشریح میں حضرت حسن البصریؒ فرماتے ہیں: "خدا کی قسم! میں نے یہ لوگ دیکھے ہیں۔ یہ شکل اور وجود رکھتے ہیں، مگر ان کے ذہن خالی ہیں۔ جسم موجود ہیں مگر روح نہیں ہے۔ جیسے پروانے آگ کے گرد جمع ہوتے ہیں اور مکھیوں کو حرص و ہوس کھینچ لاتا ہے۔ یہ لوگ دو درہم کے عوض بکنے کے لیے تیار ہوتے

ہیں، حتیٰ کہ ایک شخص ایک بکری کی معمولی سی قیمت کے بدلے اپنا دین وایمان بیچنے پر تیار ہوتا ہے"۔ حضرت حسن البصریؒ نے یہ بات زمانۂ تابعین میں فرمائی، میں سوچتا ہوں کہ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو کیا کہتے!

مسند احمد کی ایک دوسری روایت میں، اس حدیث پر یہ اضافہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنْ السَّاعِي فَكَسِّرُوا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوا أَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوا بِسُيُوفِكُمْ الْحِجَارَةَ فَإِنْ دُخِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ آدَمَ۔ (ان فتنوں میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا (اس وقت) اپنی کمانیں توڑ دینا اور کمانوں کے چلے کاٹ دینا، اپنی تلواریں پتھروں پر مار کر کند کر لینا اور اگر تم میں سے کسی کے پاس کوئی گھس آئے اور (مارنے لگے) تو وہ سیدنا آدمؑ کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) میں سے بہتر کی طرح ہو جائے)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حق و باطل اس طرح خلط ملط ہو جائے گا کہ ان میں تفریق کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ہر چیز (یعنی نظریات و تصورات) سیاہ و سفید (black and white) نظر آنے کے بجائے، سرمئی (grey) نظر آئیں گے۔ ایسے وقت میں جب صحیح وغلط کی تمیز مشکل ہو جائے گی اور سب خلط ملط ہو جائے گا، نبی کریم ﷺ ہمیں پیچھے ہٹنے کی، فتنوں سے دور چلے جانے کی تلقین کرتے ہیں۔ جو جتنا دور ہو گا، وہ قریب والے سے اتنا بہتر ہو گا۔ بیٹھنے والا، کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا، چلنے والے سے..... ان فتنوں میں شامل ہونے سے جس قدر بچ سکیں، بچنا چاہیے۔ حتیٰ کہ گھر میں بند ہو کر رہنا پڑے، تو بھی ان فتنوں سے بچنے کے لیے گھر میں رہنا اچھا ہے۔ اور اگر کوئی گھر میں ہی گھس آئے، تو آدمؑ کے بیٹوں میں سے بہتر بیٹے کی طرح ہو جانا۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا، جبکہ ہابیل نے اپنے بھائی کو کہا: "اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھائے گا، تو بھی میں تجھ سے لڑائی نہ کروں گا"۔ لیکن یہ نصیحت آج کے لیے نہیں ہے۔ یہ ان فتنوں اور آزمائشوں کے لیے ہے جب حالات انتہائی سخت ہوں گے اور حق و باطل میں تفریق و تمیز کرنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔

اگر فتنوں کی بات کی جائے تو بہت سے ایسے ہیں جو واقع ہو چکے ہیں، اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو تا حال وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا (جب آپ ﷺ مدینہ میں تھے) اور فرمایا "إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ" (فتنے یہاں ہیں، جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوتا ہے)۔ لہٰذا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض بہت بڑے اور مشکل فتنے مدینہ کے مشرق سے ظاہر ہوئے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ سب ہی فتنے مشرق سے ظاہر ہوں گے، لیکن بہت سے فتنوں کا مصدر و ماخذ مدینہ کے مشرق میں ہو گا۔ مثلاً: بہت سے گمراہ فرقوں کا ظہور مشرق سے ہوا، سیاسی شورشیں اور بدامنی مشرق سے پیدا ہوئیں، فتنۂ تاتار (منگولوں کی یورش) مشرق سے آئی، دجال کا ظہور مشرق سے ہو گا اور یاجوج ماجوج بھی وہیں سے ظاہر ہوں گے۔ (جاری ہے، ان شاء اللہ)

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روزگار مجاہد و داعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس 'Al-Aakhirah – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

بقیہ: قصہ دو باغ والے کا

قرآن مجید اس دنیا کی زندگی کو اس کھیتی سے تعبیر کرتا ہے جو جلد ہی مٹنے والی اور خال میں مل جانے والی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (سورۃ الکہف: ۴۵)

"اور (اے پیغمبر) انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر اُبھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر کیا ہوا یہ کہ سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اُڑا کر منتشر کر رہے ہیں! اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟"

☆☆☆☆☆

مجاہدین کو اپنے روح و بدن کی حفاظت کی نصیحت

"ہم مجاہدین کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے جہادی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ علم دین کے حصول، مطالعے، دعوت الی اللہ، مسنون اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کرنے کی طرف توجہ دیں۔ اسی طرح ہم جسمانی ورزش، اسلحہ سیکھنے اور اس کے لیے اپنے وقت کا کچھ حصہ مخصوص کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ہم انہیں اس بات کی بھی تلقین کرتے ہیں کہ اپنا لباس اور ظاہر موافقِ شریعت رکھیں اور لوگوں کے درمیان نیک، عبادت گزار، اصلاح کے لیے کوشاں اور نیکی اور بھلائی کی طرف دعوت دینے والے مسلمان بھائی بن کر رہیں۔"

(امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ)

شہادت کی قبولیت کی شرائط (۲)

شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

تیسری صفت، مُحْتَسِبٌ... رسول ﷺ فرماتے ہیں؛ تیسری صفت یہ ہے کہ تم محتسب ہو۔ محتسب کسے کہتے ہیں؟ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے مُخْلِصٌ لِلّٰہِ تَعَالٰی... محتسب سے مراد ہے کہ اللہ کے لیے مخلص ہو جاؤ۔ محتسب کہتے ہیں اس کو جس کی نگاہ ثواب کے اوپر ہو، جس کی نگاہ اللہ کی رضا کے اوپر ہو، جس کی نگاہ اُن سارے انعامات کے اوپر ہو جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ جو اپنے آپ کو ریا سے دور رکھتا ہو، جو اپنے آپ کو مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی ہی نیت کر لینے سے دور رکھتا ہو، دنیا میں مال وجاہ کمانے کی نیت سے دور رکھتا ہو، جس کو مقصود صرف یہ ہو کہ اللہ اور بس اللہ راضی ہو جائے۔ تو یہ اخلاص جو ہے یہ تیسری صفت ہے۔ شہید وہ ہے اللہ کے ہاں اور اُس کے سارے گناہ معاف ہوں گے جو مخلص ہو، جس کا سارا عمل اللہ کے لیے خالص ہو۔ تو پیارو! یہ آسان کام تو نہیں ہے، شہادت پانا واقعتاً بہت مشکل کام ہے، اس لیے کہ اخلاص پیدا کرنا بہت مشکل کام ہے، ریا سے بچنا بہت مشکل کام ہے، اور اگر ریا ہو گا تو علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں، تو پھر اُس سے کیا ہوتا ہے؟ ریا کے نتیجے سے، فَلَا يَكُونُ عِبَادَةً... اُس کا جہاد عبادت نہیں رہے گا۔ بات صرف قبولیت ہی کی نہیں ہے، اگلی بات سنیں، وہ کیا کہتے ہیں؛ بلکہ وہ ایک مصیبت بن جائے گی جو جہاد کرنے والے کو ہلاک کر دے گی، ہلاکت کا باعث بنے گا جہاد اُس مجاہد کی جس کا اخلاص اُس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ یعنی دو صورتیں ہو سکتی ہیں؛ یا وہ شرکِ اکبر میں مبتلا ہو گا، صریح شرک کرے گا اور اس کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گا اور سارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور یا پھر ریاکاری کی وجہ سے اُس کا عمل غیر خالص ہو جائے گا اور وہ بھی شرکِ اصغر ہے۔ اور نتیجہ کیا ہو گا کہ اُس کا انجام جہنم میں جانا ہو گا، اُس مجاہد کا، اُس قتل کیے جانے والے کا انجام جہنم میں جانا ہو گا۔ کیسے؟ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث میں آتا ہے۔

پیارو! اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ ایک حدیث آپ کے سامنے پوری سنا دیتا ہوں۔ وہ ایک حدیث بہت ہے ہمارے دلوں کو جھنجھوڑنے کے لیے اور یہ سمجھانے کے لیے کہ اخلاص کا معاملہ کتنا اہم ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے، شفعی العسبعی جو ہیں وہ راوی ہیں، کہتے ہیں کہ وہ داخل ہوئے مدینہ کی مسجد میں، مسجدِ نبوی ﷺ میں، تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے اِرد گرد بہت سے لوگ اکٹھے ہیں، تو انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ صحابیٔ رسول ابوہریرہؓ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں اُن کے قریب ہوا، حضرت ابوہریرہؓ کے، یہاں تک کہ اُن کے بالکل سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ وہ لوگوں کو حدیثیں سنا رہے تھے، بات کر رہے تھے لوگوں سے۔ تو جب آپؓ خاموش ہو گئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے اُن سے کہا؛ کہ میں اپنے حق کا واسطہ دے کے آپ کو کہتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو اور آپ نے اُس کو ذہن نشین بھی کیا ہو اور اُس کا علم بھی آپ کے سینے میں محفوظ ہو۔ تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کروں گا یعنی تمہارا یہ مطالبہ پورا کروں گا۔ میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناؤں گا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنی اور میں نے اُس کو اپنے سینے میں بھی محفوظ کیا اور اپنے علم میں بھی لایا اور اپنی عقل میں بھی محفوظ رکھا۔ یہ کہہ کے حضرت ابوہریرہؓ بے ہوش ہو گئے اور تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہی رہے، پھر آپؓ کو ہوش واپس آیا۔ کہتے ہیں کہ پھر فرمایا حضرت ابوہریرہؓ نے، کہ میں تمہیں ایک حدیث سناؤں گا جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سنائی، اس حال میں سنائی تھی کہ میں اور وہ اِس گھر میں اکیلے تھے، میں اور اللہ کے رسول ﷺ، اور ہم دونوں کے علاوہ اس گھر میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اور پھر حضرت ابوہریرہؓ یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد آپؓ ہوش میں آئے، اور اپنے چہرے کو آپؓ نے ہاتھوں سے ملا اور پھر کہا کہ میں تمہیں حدیث سناتا ہوں، میں تمہیں حدیث سناتا ہوں جو مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے سنائی، اس طرح کہ میں اور وہ اِس گھر میں اکیلے تھے اور ہمارے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ اور پھر بری طرح چکرا کر آپؓ اپنے چہرے کے بل گر پڑے، بے ہوش رہے اور کافی دیر اسی حالت میں رہے۔ اور پھر آپؓ کو ہوش آیا اور فرمایا کہ اللہ کی نبی ﷺ نے فرمایا؛ کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف نازل ہوں گے تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں، اور سب انسان گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ سب سے پہلے جس کو بلایا جائے گا وہ ایک ایسا شخص ہو گا جس نے قرآن کو اکٹھا کیا، یعنی عالم تھا، قرآن کو سینے میں جمع کیا، اور ایک ایسا شخص ہو گا جو اللہ کے رستے میں مارا گیا، اور ایک ایسا شخص ہو گا جس نے بہت سامال اکٹھا کیا، بہت مال والا تھا، سخی تھا۔ تو پہلے اللہ تعالیٰ اُس عالم سے مخاطب ہوں گے، اُس قاری سے مخاطب ہوں گے۔ اللہ فرمائیں گے؛ کیا میں نے تجھے علم نہیں بخشا تھا اُس چیز کا جو میں اپنے نبی پہ نازل کی، یعنی دین کا علم نہیں بخشا تھا؟ تو وہ عالم کہے گا کہ اے میرے رب! یقیناً تُو نے ایسا ہی کیا تھا۔ تو اللہ پوچھیں گے کہ جو علم تیرے پاس تھا اُس پہ تُو نے کتنا عمل کیا؟ تو وہ عالم کہے گا کہ میں دن رات اُس علم کو سینے میں لیے کھڑا رہتا تھا یعنی اُسی علم میں مصروف رہتا تھا، سیکھتا بھی تھا، سکھاتا بھی تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے؛ تُو جھوٹ کہتا ہے، اور فرشتے کہیں گے کہ تُو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ فرمائیں گے کہ تُو تو بس یہ چاہتا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں بڑا عالم ہے، تو وہ تو دنیا میں کہہ لیا گیا۔ پھر صاحبِ مال کو لایا جائے گا۔ اللہ فرمائیں

گے؛ کیا میں نے تجھے اتنا مال نہیں دیا تھا کہ تجھے کسی کی حاجت نہیں رہی تھی؟ تو وہ کہے گا ربّی! ایسا ہی تھا۔ تو اللہ پوچھیں گے کہ جو میں نے مال دیا تھا تُو نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟ تو وہ کہے گا کہ اللہ! میں اُس سے صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ کیا کرتا تھا۔ تو اللہ کہیں گے؛ تُو جھوٹ کہتا ہے، اور فرشتے کہیں گے کہ تُو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ فرمائیں گے کہ تُو تو یہ چاہتا تھا کہ کہا جائے کہ فلاں آدمی بہت سخی ہے، اور یہ کہہ لیا گیا دنیا میں۔ پھر اُس کو لایا جائے گا، الفاظ پہ غور کریں، جو اللہ کے رستے میں مارا گیا ہو۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا؛ کیوں مارا گیا تُو؟ کس کام کے لیے؟ تو وہ کہے گا؛ اے اللہ! تیرے رستے میں مجھے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، تو میں لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ تو اللہ کہیں گے؛ تُو جھوٹ کہتا ہے، اور فرشتے کہیں گے کہ تُو جھوٹ کہتا ہے۔ اور اللہ فرمائیں گے کہ تُو تو بس یہ چاہتا تھا کہ کہا جائے کہ فلاں بہت شجاع ہے، تو یہ دنیا میں کہہ لیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہ کہہ کے رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پہ ہاتھ مارا اور کہا کہ ابو ہریرہ! یہ وہ تین پہلے بندے ہوں گے جن کے اوپر جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔

پیارو! حدیث یہاں رکتی نہیں ہے۔ حضرت طلحہؓ بن حکیم کہتے ہیں کہ وہ سیّاف تھے، وہ حضرت معاویہؓ کے دربان تھے، تو ایک شخص اُن کے پاس آیا اور اُس نے اُن کو حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت سنائی۔ تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب ان تینوں کے ساتھ یہ ہو گیا تو باقیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا، اور پھر حضرت معاویہؓ اتنا روئے، اتنا روئے کہ ہم سمجھے کہ ہلاک ہو جائیں گے رو رو کے۔ تو ہم نے کہا کہ یہ بندہ ہمارے پاس بہت بڑی خبر لایا ہے، بہت عجیب حدیث سنائی ہے۔ پھر حضرت معاویہؓ اپنی اُس حالت سے واپس لوٹے، اپنے چہرے کو ملا اور کہا؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سچ کہتے ہیں کہ جو دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت چاہتا ہے، ہم اُس کو دنیا میں ہی سب کچھ دے کے فارغ کر دیتے ہیں اور دنیا میں اُن کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جائے گی، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں بس آگ ہے اور جتنے اعمال انہوں نے کیے وہ سب ضائع ہو گئے، اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب کا سب باطل ہو گیا۔

تو پیارو! یہ تیسری شرط ہے اللہ کے ہاں اپنی شہادت قبول کروانے کی اور اپنے اعمال قبول کروانے کی کہ انسان مخلص ہو، ورنہ اتنے بڑے بڑے اعمال بھی هَبَاءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گے، دھول بنا کر اڑا دیے جائیں گے، کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔

چوتھی شرط جو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، وہ یہ کہ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ... کہ چوتھی شرط یہ ہے شہادت کی قبولیت کی کہ انسان آگے بڑھ رہا ہو، پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ ہو، آگے بڑھنے والوں میں سے ہو۔ کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح قرآن یہ کہتا ہے کہ جو شخص میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کے بھاگے، قتال کے وقت منہ پھیر کے بھاگے، تو قرآن یہ بتاتا ہے کہ یہ ایسا عجیب کبیرہ گناہ ہے جس کے اوپر انسان اللہ کی لعنت کا اور اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ کے غضب میں ہر طرح سے گھر جاتا ہے۔ اتنی شدت اور اتنی وعید اس لیے بتائی گئی اس مسئلہ کے اوپر کہ جو ایک بندہ بھی میدان سے پیچھے ہٹتا ہے ناں، تو وہ پورے پورے لشکروں کو اکھاڑنے کا باعث بنتا ہے، اور ایک بندے کی استقامت، ایک کا آگے بڑھنا، ایک کا جرأت دکھانا پورے پورے لشکروں کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ تو اس لیے کسی کو بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں ہے، جو پیچھے ہٹے گا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو گا۔ تو شہادت اُس کی قبول نہیں ہے کہ جو پیچھے بھاگتے بھاگتے جا رہا تھا اور غلطی سے اُس کو کوئی چیز آ کے لگ گئی۔ شہادت اُس کی قبول ہے جو مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ... تاکید کے ساتھ کہا گیا کہ جو آگے بڑھ رہا ہو، بات یہاں پہ بھی پوری ہو سکتی تھی، کہا غَيْرُ مُدْبِرٍ، پیچھے نہ ہٹ رہا ہو، واپسی کی طرف نہ رجوع کر رہا ہو۔ تو یہ صفت مطلوب ہے اور ظاہر سی بات ہے، انسان غور کرے تو اس کی سب سے اعلیٰ صورت فدائی حملہ ہی سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے ہدف تک اور اپنے دشمن تک پہنچ جاتا ہے۔

ایک اور حدیث یہ کہتی ہے کہ سب سے افضل شہادت اُس شخص کی ہے، سب سے افضل مقتول وہ ہے، سب سے افضل مجاہد وہ ہے، کہ جس کا حال یہ ہو کہ جب کبھی وہ کہیں سے کوئی جنگ کی آواز سنتا ہے یا جہاں کہیں وہ خطرے کی آواز سنتا ہے، بھاگتا نہیں ہے اُس سے، اُس کی طرف اُڑ کے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پہ سوار ہوتا ہے اور لپکتا ہے اُس خطرے والی جگہ کی طرف، وہ خطروں کی طرف جاتا ہے، خطروں سے دور نہیں جاتا۔ کیوں جاتا ہے؟ موت اور قتل کی تلاش میں جاتا ہے، وہ متلاشی ہوتا ہے کہ کہیں اُس کو شہادت مل جائے، وہ متلاشی ہوتا ہے کہ اُس کو وہ جگہ مل جائے جہاں پہ وہ اپنے ٹکڑے کروا سکے اور اللہ کو راضی کر سکے، اپنی جان کو اپنے ہاتھ کے اوپر لیتے ہوئے پھر رہا ہوتا ہے۔

تو یہ وہ شہادت ہے جو اللہ کے ہاں سب سے افضل ہے۔ کہ انسان خود موت کے پیچھے جائے، موت اُس کے پیچھے پیچھے نہ آ رہی ہو۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ انسان پیچھے بھاگتے ہوئے نہ مارا جائے، آگے بڑھتے ہوئے مارا جائے۔ اور جتنی زیادہ جو اس میں استقامت دکھائے گا، جتنی زیادہ مضبوطی سے اور جتنی زیادہ استقامت کے ساتھ دشمن کا سامنا کرے گا، جتنا دشمن کی طرف بڑھنے والا، اللہ کی خاطر خطروں کو قبول کرنے والا ہو گا تو اتنا زیادہ وہ اللہ کے یہاں محبوب ہو گا، اتنی زیادہ اُس کی شہادت عند اللہ مقبول ہو گی۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو فرض احتیاط ہے انسان وہ بھی چھوڑ دے، لیکن جنگ جو ہے وہ ایک دیوانگی کی جگہ ہے اور دیوانگی کے ساتھ ہی یہ سارے مراحل طے ہو سکتے ہیں۔ اسے اللہ کی محبت کی دیوانگی کہیں یا اُس کی جنت تک پہنچنے کی دیوانگی کہیں۔ تو بعض جگہوں پہ تھوڑا سا عقل کو سائیڈ پہ رکھنا پڑتا ہے ورنہ کام نہیں ہوتے ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 28 پر)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البـــــراء الإبـــي

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الإبی کی تصنیف 'تبصرة الساجد في أسباب انتكاسة المجاهد' کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

پانچویں وجہ: مربی اور داعیوں کی طرف سے غلط تربیت

مربیوں سے مراد وہ داعی بھائی جو مجاہد نوجوانوں کی شرعی دورہ جات، معسکرات اور تدریب وغیرہ جیسی سرگرمیوں میں نگرانی کرتے ہیں۔

تربیت میں غلطی کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

- مجاہد کے روحانی پہلو کی تربیت پر توجہ نہ دینا۔ اس کے ایمان اور اللہ سے تعلق کو قوی کرنے کی جستجو نہ کرنا۔ بلکہ بسا اوقات مربی کو دیکھتے ہیں کہ وہ مجاہدین کے ساتھ بکثرت ہنسی مذاق کرتا ہے۔ یا نظموں، ترانوں، لطیفوں اور کہانیوں جیسی اشیاء فراہم کرتا ہے جس سے مجاہد کا وقت گزر جائے۔ ایسے کرنے سے مجاہد کی تربیت انہی چیزوں پر ہوتی ہے۔ اور وہ روحانی اور ایمانی پہلو سے غافل ہو جاتا ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم بیشتر مجاہد جوانوں کو قرآن سے زیادہ جہادی ترانوں کا رسیا پاتے ہیں۔ صبح شام ترانے سنتے رہتے ہیں، سفر میں ہوں یا مرکز میں۔
- مجاہد کے علمی پہلو پر توجہ نہ دینا۔ اسے تعلیم دینے اور علم اور اہل علم کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علم کے میدان میں داخل ہونا، چاہے استادی ہو یا شاگردی، اللہ تعالیٰ کے دین پر ثابت قدم رہنے اور الٹے پاؤں پھر جانے سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔
- مجاہد کو مفید اور علمی کتب پڑھنے کی ترغیب نہ دینا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡكَ وَحۡیُهٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا [سورۃ طہ:114]

اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لیے جلدی نہ کیا کرو اور دعا کرو کہ میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"علم کی منزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ اس سے مزید حاصل کرے۔"

مزید فرمایا:

"علم کے عاشق دیگر اشیاء کے عاشقین سے زیادہ علم کی محبت اور طلب رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر خوبصورت ترین چہرہ دیکھنے سے بھی علم سے نہیں پھرتے۔"

بعض جوان ایسے ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے کتنی کتابیں پڑھیں؟ یہ نہیں کہ آج، اس ہفتے یا اس مہینے میں کتنی پڑھیں، بلکہ سال بھر میں؟ تو جواب ملتا ہے کہ بمشکل ایک صفحہ پڑھا۔ مکمل کتاب کی بات تو درکنار۔ یہ سوال میں نے خود پوچھے ہیں اور اسی قسم کے جواب ملے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ جواب ان کی طرف سے ملتا ہے جنہیں داعی گردانا جاتا ہے۔

- مجاہد کے اخلاقی پہلو کی طرف توجہ نہ دینا۔ کئی مربی اخلاق کو بلند کرنے اور مہذب کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس طرح زیر تربیت مجاہدین بد اخلاق بن جاتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ بد اخلاقی بالآخر جہاد چھوڑنے پر منتج ہوتی ہے۔

اگر کسی شخص سے بری بات سرزد ہو تو اسے خود اپنے آپ کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اور آئندہ وہ اپنے آپ کو مجبور کرے کہ اس سے برے اخلاق سرزد نہ ہوں۔ اپنے نفس کے ساتھ بھلائی پر انعام اور برائی پر سزا کا اصول اپنائے۔ اگر 'جی' اچھا کرے تو اسے آرام دے، تازہ دم کرے اور کچھ وقت مباح کاموں میں صرف کر دے۔ اور اگر 'جی' برا کرے اور کوتاہی سرزد ہو تو اس کے ساتھ سختی اور سنجیدگی کا معاملہ برتے۔ اور بعض چیزیں جو 'جی' طلب کرتا ہے اس سے اپنے آپ کو روکے۔

ابن المقفع نے کہا: تم نفس کے ساتھ ایسا درست معاملہ کرو جس سے تم خیر کے قابل بن جاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خیر خود آ کر تجھے ڈھونڈے گا جیسا کہ پانی سیلاب کو ڈھلوان کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

- جہاد میں نئے شامل ہونے والے نوجوان کے ساتھ مطلوبہ تدریج نہ برتنا۔ ممکن ہے کہ مربی مجاہد کے ساتھ ایسی سختی برتے جو اسے جہاد سے متنفر کر دے۔ اور ممکن ہے کہ اسے لاپرواہی اور بد نظمی کا عادی بنا دے۔ یہ بھی جہاد چھوڑنے کا ایک سبب ہے۔

چھٹی وجہ: انحطاط کا موضوع جوانوں کے سامنے نہ پیش کرنا

شر کو جاننا اس سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ عربی شاعر کہتا ہے کہ:

"میں شر کو اپنانے کی خاطر نہیں بلکہ اس سے بچنے کی خاطر شر کو معلوم کرتا ہوں۔ کیونکہ جسے خیر اور شر کی تمیز نہ ہو وہ شر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

حضرت حذیفہ نے فرمایا:

كان الناس يسألون الرسول صلى الله عليه وسلم عن الخير، وكنت أسأله عن الشر، مخافة أن يدركني.

"لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں شر کے بارے میں اس ڈر سے کہ مجھ پر آ نا جائے۔" [متفق علیہ]

اور ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ:

ہر چیز کے برعکس سے چیز کی خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہر چیز کے برعکس سے ہی چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ فاورق نے فرمایا:

إنما تنقض عرى الإسلام عروة عروة من أناس نشأوا في الإسلام لا يعرفون الجاهلية.

"اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے ان لوگوں کے سبب کھلتی ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے، وہ جاہلیت کو نہیں جانتے۔"

جب حضرت عمرؓ بن الخطاب کو یہ خبر پہنچی کہ صبیغ بن عسل نامی ایک شخص مدینہ پہنچا ہے جو کہ قرآن کی متشابہ آیات کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اسے بلا بھیجا۔ اور اس کے لیے کھجور کی شاخیں تیار کر لیں۔ جب وہ شخص داخل ہوا اور بیٹھا تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اور میں اللہ کا بندہ عمر ہوں۔ اس کی طرف اشارہ کیا اور اسے کھجور کی شاخوں سے مارنے لگے۔ یہاں تک کہ سر زخمی ہو گیا۔ اور اس کے چہرہ پر خون رسنے لگا۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! کافی ہے۔ اللہ کی قسم جو میرے دماغ میں تھا اب وہ نہیں رہا۔ (آجری نے الشریعہ میں ذکر کی ہے)

کیونکہ اشکال دفع کرنا رفع کرنے سے آسان ہے۔ اس لیے اس سے قبل کہ وہ شخص اپنا زہر پھیلائے، اسے مارا تا کہ اس کے سر کا زہر نکل جائے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (قاعدہ جلیہ) کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ [سورۃ الانعام:55]

"اور اس طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں (تا کہ تم لوگ ان پر عمل کرو) اور اس لیے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔"

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا [سورۃ النساء:115]

"اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنوں کا راستہ بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اور مجرموں کا راستہ بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اِن کا انجام کار بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اُن لوگوں کے اعمال اور اِن لوگوں کے اعمال بھی۔ اُن لوگوں کے دوست اور اِن لوگوں کے دوست بھی۔ اُن لوگوں کو توفیق عطا کرنا اور اِن لوگوں کو رسوا کرنا بھی۔ اور وہ اسباب جن کے سبب اُن لوگوں کو توفیق حاصل ہوئی اور وہ اسباب جن کے سبب وہ لوگ رسوا ہوئے۔ سبحانہ وتعالیٰ نے دنوں معاملے اپنی کتاب میں واضح فرما دیے۔ ان پر سے پردہ ہٹایا اور انہیں خوب خوب بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ بصیرت اسے روشنی اور تاریکی کی بصارت کی طرح دیکھتی ہے۔

اللہ، اس کی کتاب اور اس کے دین جاننے والے مومنوں کا راستہ تفصیلاً جانتے ہیں۔ اور مجرموں کا راستہ بھی تفصیلاً جانتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے دونوں راستے جدا نظر آنے لگے۔ جیسے کہ راہ گیر کو اپنی منزل کا راستہ بھی واضح نظر آتا ہے اور ہلاکت کا راستہ بھی۔

صحابہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے، دوسروں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے اور انہیں سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے تھے۔ وہ راہنما اور ہادی تھے۔ اس لیے صحابہؓ بعد میں قیامت تک آنے والے تمام لوگوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ گمراہی، کفر، شرک اور ہلاکت کے راستے میں پلے بڑھے اور تفصیلاً اسے جان لیا۔ پھر پیغمبر ﷺ آئے تو انہیں اندھیروں سے ہدایت اور اللہ کے صراط مستقیم کی طرف نکال دیا۔ اس طرح وہ سخت تاریکی سے نکل کر مکمل روشنی میں داخل ہوئے، شرک سے نکل کر توحید میں، جہالت سے نکل کر علم میں، فساد سے نکل کر رشاد میں، ظلم سے نکل کر عدل میں، حیرانی اور اندھے پن سے نکل کر

ہدایت اور بصائر میں داخل ہوئے۔ اس طرح انہیں بخوبی ادراک ہوا کہ ان کے ہاتھ کتنا آیا اور انہیں کتنا حاصل ہوا۔ اور وہ کتنے میں تھے۔ کیونکہ ہر چیز کے برعکس سے چیز کی خوبصورتی ظاہر ہوتی ہے، اور ہر چیز کے برعکس سے ہی چیزوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اس لیے وہ جس حالت میں پہنچے اس میں ان کی رغبت اور محبت بڑھ گئی۔ اور جس حالت سے نکلے اس سے ان کی نفرت اور بغض بھی بڑھ گیا۔ وہ توحید، ایمان اور اسلام سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اور ان کے الٹ سے سب سے زیادہ بغض کرنے والے تھے۔ انہیں راستہ کا تفصیلاً علم تھا۔

رہے جو صحابہؓ کے بعد آئے تو ان میں سے ایسے بھی تھے جو اسلام ہی میں پلے بڑھے اس لیے انہیں اسلام کے مخالف کی تفصیل معلوم نہ تھی۔ اس لیے ان پر مومنین کے راستے اور مجرمین کے راستے کی بعض تفاصیل خلط ملط ہو گئیں۔ کیونکہ خلط ملط تب ہوتا ہے جب دونوں راستے یا ان میں سے کسی ایک کا علم کمزور ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا:

"اسلام کی گرہیں ایک ایک کر کے ان لوگوں کے سبب کھلتی ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے، وہ جاہلیت کو نہیں جانتے۔"

یہ حضرت عمر کے علم کا کمال ہے۔

اس لیے جسے مجرموں کا راستہ معلوم نہ ہو اور واضح نہ ہو۔ یا اسے شک ہوا کہ ان کا کچھ راستہ مومنوں کا راستہ ہے۔ جیسا کہ اس امت میں اعتقاد، علم اور عمل کے بہت سے معاملات میں واقع ہوا ہے۔ یہ معاملات مجرموں، کفار اور پیغمبروں کے دشمن کے راستے میں سے ہیں۔ جو انہیں نہیں پہچانتا اس نے اسے مؤمنوں کے راستے میں شامل کر لیا ہے اور اس کی طرف دعوت دی اور اس کے مخالفت کرنے والے کو کافر گردانا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام کردہ کو حلال کیا۔ جیسا کہ جہمی، قدری، خارجی، رافضی اور ان جیسے بہت سے اہل بدعت نے کیا۔ جنہوں نے بدعت گڑھ ڈالی اور اس کی طرف دعوت دی اور مخالف کو کافر قرار دیا۔

ساتویں وجہ: مجاہد جوانوں سے جدا رہنا

مسلمان کی زندگی میں اصل بھلائی کے فروغ کے لیے میل ملاپ اور باہمی تعاون ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○ [سورۃ المائدہ:2]

"نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المسلم الذي يخالط الناس ويصبر على أذاهم خير من المسلم الذي لا يخالط الناس ولا يصبر على أذاهم

"وہ مسلمان جو لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتا ہے اور ان کے تکلیف رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو میل ملاپ نہیں رکھتا اور نہ ان کی طرف سے اذیت پر صبر کرتا ہے۔" [بروایت ترمذی، صحیح بحوالہ البانی]

حدیث میں مذکور اذیت سے مراد فقط نفسیاتی اور جسمانی اذیت نہیں ہے جو انسان کو اس کی دنیاوی زندگی میں پہنچتا ہے۔ بلکہ اس میں دینی اذیت بھی شامل ہے۔ یعنی کہ انسانی کی دینی کیفیت کو جو ضرر پہنچائے۔ اسے دین کے معاملہ میں فتنہ میں مبتلا کرے۔ یا عبادت گزاری میں خلل ڈالے۔ دیگر احادیث میں بھی اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ انسان لوگوں سے اس لیے بھاگتا ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں نہیں پڑنا چاہتا۔

سلفِ امت نے یہ بخوبی سمجھا۔ اس لیے وہ جمعیت کے ساتھ رہے۔ اور جمعیت کو پسند کیا اور اس پر تاکید کی۔ امام خطابی حضرت وہیب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے وہب بن منبہ سے کہا: میں لوگوں سے عزلت اختیار کرنا چاہتا ہوں۔

تو انہوں نے فرمایا:

تمہیں لوگوں کی ضرورت ہے اور لوگوں کو تمہاری۔ تمہیں ان سے کام پڑتا ہے اور انہیں تم سے۔ البتہ تم ان میں سننے والے بہرے بن جاؤ۔ دیکھنے والے اندھے بن جاؤ۔ بولنے والے گونگے بن جاؤ۔"

سلف صالح اپنے بھائیوں کے معاملہ میں کبھی بھی لاپرواہی نہیں برتتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ بھائیوں کو نماز کی سی اہمیت اور عظمت دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"دنیا میں میرے لیے کوئی لذت کی چیز باقی نہیں رہی۔ فقط نماز با جماعت اور بھائیوں سے ملاقات۔"

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"زندگی میں بس تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں: ایک بھائی جس کے ساتھ رہنے سے تمہیں خیر پہنچے۔ اور جب تم راستے سے ہٹنے لگو تو تمہیں سیدھا کر دے۔ اور اتنا سامان زندگی جس میں تم کسی اور پر منحصر نہ ہو۔ اور جماعت کے ساتھ نماز جس میں سہو سے تم بچ جاؤ اور اس کا اجر تمہیں مل جائے"۔

نیز انہوں نے مؤمن کے بارے میں فرمایا:

”وہ آئینہ ہے۔ اگر اسے کوئی چیز ناپسند نظر آئے تو اسے درست کرتا ہے، سیدھا رکھتا ہے اور صحیح رخ پر ڈالتا ہے۔ اور ظاہری اور خفیہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔“

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں:

”گروہ کا گدلا ہونا اکیلے کے اجالا ہونے سے بہتر ہے۔“

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بدائع الفوائد میں فرماتے ہیں:

”(بے جا میل ملاپ) ایسا مشکل مرض ہے جو ہر شر کو کھینچ لاتا ہے۔ میل ملاپ اور معاشرت نے کتنی نعمتیں لوٹیں اور کتنی دشمنیاں بوئیں۔ اور دل میں کتنی کدورتیں پیدا کیں کہ بڑے پہاڑ ختم ہو جاتے ہیں لیکن یہ دلوں سے نہیں نکلتیں۔ بے جا میل ملاپ میں دنیا اور آخرت کا نقصان ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ حاجت کے مطابق ہی میل میلاپ رکھے۔ لوگوں کو اس حوالے سے چار گروہ میں تقسیم کرے۔ اگر وہ کسی گروہ کو دوسرے میں شامل کرے گا اور دونوں کے درمیان فرق نہیں جانے گا تو اس شر میں پڑ جائے گا۔

ایک گروہ: جس کا میل ملاپ خوراک کی طرح ہے جس سے دن رات میں چھٹکارا نہیں۔ جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو چھوڑ دے۔ اور جب ضرورت پڑے تو مل لے۔ ہمیشہ یہی حال رہے۔ یہ سرخ گندھک سے بھی زیادہ نایاب ہیں۔ یہ اللہ کو پہچاننے والے علماء ہیں۔ اللہ کے احکام کو جاننے والے اور اللہ کے دشمن کی چالوں سے باخبر۔ وہ دلوں کے امراض اور ان کا علاج جانتے ہیں۔ اللہ، اس کے رسول اور لوگوں کے ساتھ نصیحت کرنے والے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں پورا کا پورا منافع ہے۔“

انسان جتنی بھی عزلت کی کوشش کر لے مکمل عزلت تو پھر بھی ممکن نہیں۔ دوسروں کے احتیاج کی وجہ سے میل ملاپ کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے چاہے کم کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے کا محتاج بنایا ہے۔ اور ایک دوسرے کی خدمت کے لیے مسخر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا [سورۃ الزخرف:32]

”ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔“

مکمل عزلت جائز نہیں۔ کیوں کہ اس سے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ گھر والوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حق۔ نیز اس سے بعض واجبات اور سنتیں بھی رہ جاتی ہیں۔ جیسے کہ صلۂ رحمی، مسلمانوں کی مدد اور باجماعت نماز کی ادائیگی۔

شرعی واجب یہ ہے کہ ہم اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں۔ چنانچہ جہاں بھی شریعت کا حکم کا تقاضا میل ملاپ کا ہو تو یہی بہتر ہے۔ اور جہاں حکم شریعت کا تقاضا عزلت ہو تو وہاں یہی بہتر ہے۔ اس طرح میل ملاپ اور عزلت دونوں ایک صحیح شرعی ہدف کے حصول کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اور تزکیۂ نفس پر اچھا اثر پڑے گا۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ پورا وقت لوگوں کے ساتھ گزارے۔ بلکہ مؤمن کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ہر دن ایسا وقت مقرر کرے جس میں وہ اللہ کے ساتھ خلوت میں ہو۔ نبی اکرم ﷺ ان سات افراد کا تذکرہ کرتے ہوئے جو قیامت کے دن اللہ کے سائے میں ہوں گے، یہ بھی فرمایا:

ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه

”اور ایسا شخص جو خلوت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اس کے آنسو بہہ جائیں۔“

گویا ذکرُ اللہ کے لیے خلوت پر ہمیں ابھارا۔ نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے ذریعے سالانہ خلوت کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ جب وہ لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے لیکن ان کے ساتھ گفتگو تقریباً نہ ہوتی تھی اور اعتکاف کو چھوڑ کر ان کے ساتھ مشغول نہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اللہ کی طرف کٹنے کا حکم بھی دیا ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا [سورۃ المزمل:8]

”تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔“

تبتیل کا مطلب ہر چیز سے بے تعلق ہو کر جڑ جانا ہے۔ یہ بے تعلقی جسمانی کے بجائے روحانی بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تزکیۂ نفس کے راستے پر پہلا قدم رکھنے والے کے لیے لوگوں سے جسمانی بے تعلقی کے بغیر روحانی بے تعلقی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اسے جسمانی بے تعلقی کو زیادہ وقت دینا ہو گا جس سے اسے بہت فائدہ ہو گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

معرکۂ حجاب

فضیلۃ الشیخ ایمن الظواہری (دامت برکاتہم العالیۃ)

بسم اللہ والحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وآلہ وصحبہ ومن والاہ

دنیا بھر میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میری خواہش ہے کہ اپنے اس بیان کو اپنی مسلمان بہنوں، بالخصوص اُن بہنوں کے لیے مختص کروں جو حجاب کی حامل ہیں۔

اے میری بہنو!

آپ سے مخفی نہیں ہے کہ آج ہماری امت پر ہر طرف سے دشمن حملہ آور ہے۔ عسکری، سیاسی، نظریاتی، ثقافتی، تعلیمی اور اقتصادی میدانوں سمیت ہر ہر میدان میں ایک خطرناک جنگ ہے جو ہمارے اوپر مسلط کی گئی ہے۔ اس جنگ کا سبب یہ ہے کہ امتِ مسلمہ عصرِ حاضر کے اُس نظامِ ظلم کے سامنے بڑا خطرہ ہے جس کے ذریعے دنیا کے بڑے مجرمین یہاں حاکم بنے بیٹھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امتِ مسلمہ کے رگ و پے میں آج انتہا درجے کا ضعف سرایت کر گیا ہے اور شریعتِ اسلامی کو بھی عملاً متروک کر دیا گیا ہے مگر اس کے باوجود بھی حقیقت یہ تھی، ہے اور رہے گی کہ یہ امت ہی مجرمین کے عالمی نظامِ ظلم کے لیے عظیم خطرہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ امتِ مسلمہ خالص توحید والی امت ہے جبکہ نظامِ عالَم کی یہ سرغنہ اقوام مشرک ہیں، ان میں سے اکثر نے مٹی کے بتوں کی پوجا تو آج چھوڑ دی ہے، مگر حقیقت میں یہ آج بھی اہلِ شرک ہی ہیں۔ ماضی کے بت کدے آج بھی آباد ہیں بس ان میں بت پہلے سے مختلف رکھ دیے گئے ہیں۔ جو آج غالب ہے اسی کی خواہشِ نفس کی پوجا کی جاتی ہے۔ لذات اور مادی منفعت آج کے بت ہیں اور ان بتوں کے خمیر میں لادینیت، قوم پرستی اور طاقت ور (ممالک) کی پرستش بھی گُندھی ہوئی ہے۔

پس امتِ مسلمہ عفت، پاکیزگی اور شائستگی والی امت ہے، جبکہ یہ اقوام شہوت کے گرد گھومتی ہیں، یہی شہوات کو پیدا کرتی ہیں اور پھر انہی کی تجارت کرتی ہیں۔ امتِ مسلمہ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والی امت ہے، جبکہ یہ اقوام چوری، ڈاکے اور غاصبانہ قبضے کی خاطر لڑتی ہیں اور پھر ان رذائل کو قومی مفاد اور ملکی استحکام کا نام دیتی ہیں۔

اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ان اقوام کی صدیوں سے مسلسل جاری اس جنگ سے ان مجرمین نے سیکھ لیا ہے کہ امتِ مسلمہ کے اندر موجود عظیم طاقت کے اسباب، اس کا عقیدہ اور اس کی شریعت ہیں۔ پس یہ ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں کہ امتِ مسلمہ سے اس کا یہ عقیدہ چھین لیں یا شریعتِ مطہرہ سے اسے دور کر دیں اور یہی وجہ ہے کہ اس امت کے خلاف نظریات وافکار اور تعلیم واعلام (میڈیا) کے میدان میں بھی یہ مسلسل برسرِپیکار ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ ہم عقیدۂ توحید چھوڑ بیٹھیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا (سورۃ البقرۃ:۲۱۷)

”اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔“

ان کی چاہت ہے کہ ہم سیکولر، لادین اور ملحد بنیں یا نصاریٰ، سوشلسٹ اور منافع خور سرمایہ پرست ..... ہم جو مرضی چاہیں بن جائیں لیکن بس ایک اللہ کی عبادت کرنے والے حقیقی مسلمان ہم نہ رہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ ہم عفت وحیا اور طہارت وشائستگی کو دور پھینکیں اور شہوات ولذات کے پُرفتن اور گندے سمندر میں ایسے ڈوب جائیں کہ جہاں پھر بدترین جانور بن کر کسی قسم کے دین واخلاق اور اصول ومبادیات کا لحاظ نہ ہو، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ○ (سورۃ النساء:۲۷)

”اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑو۔“

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ آدم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ○ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا (سورۃ الاعراف:۱۹-۲۰)

”اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، اور جہاں سے جو چیز چاہو، کھاؤ۔ البتہ اس (خاص) درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا، ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کی شرم کی جگہیں جو ان سے چھپائی گئی تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔“

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا

تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ○ (سورۃ الاعراف:۲۷)

”اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہر گز ہر گز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ ان کا لباس ان کے جسم سے اتروالیا تھا، تاکہ ان کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دکھا دے۔ اور وہ اور اس کا جتھہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔“

وہ (کفار) ہمیں یہ سب اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ ہم انہیں مشرک، فاسق، فاجر اور شہوات کی بندگی کرنے والے ذلیل چور لٹیرے ڈاکوؤں کے طور پر نہ دیکھیں، بلکہ ان کے ان تمام تر جرائم ورذائل کے باوجود بھی ان کے مطیع اور فرمانبردار غلام بن کر رہیں۔

یہ کس قدر تعجب اور حیرانگی کی بات ہے کہ جس نے جاپان پر ایٹم بم گرایا، جو ویتنام میں پچاس لاکھ انسانوں کا قاتل ہے، جس نے ہماری زمینوں پر ناجائز قبضہ کیا، جس نے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کیا، جو ہمارے قلب میں اسرائیل کا خنجر گھونپنے کا مرتکب ہے، جس نے ہماری امت کو پچاس ٹکڑوں میں بانٹ دیا، جو ہماری ثروت و دولت پر ڈاکہ ڈال رہا ہے، بلکہ جس نے پوری انسانیت کے وسائل پر قبضہ کیا ہے، جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اس پورے کرۂ ارض تک کی ماحولیات کو تباہ کر رہا ہے اور جو ہمارے اوپر مسلط ہر جابر و فاسد شخص کی تائید و مدد کرتا ہے..... کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ یہی ظالم اور مجرم آج ہمیں انسانی حقوق، تہذیب اور عدل و انصاف کی باتیں بتا رہا ہے؟

کیا یہ عجیب نہیں ہے کہ جس نے پوری دنیا پر، تمام اقوامِ عالم پر صرف پانچ مجرمین (ویٹو پاورز) کی ’قانونی‘ آمریت قائم کی ہے، آج وہی ہمیں جمہوریت و مساوات کی بات بھی کرتا ہے؟ کیا یہ عجیب نہیں کہ جو خاتون کو اس کے حجاب سے منع کرتے ہیں، وہی آج ہم سے آزادئ نسواں کی باتیں بھی کر رہے ہیں؟ یہ وہ پوری جنگ ہے جو ہمارے خلاف لڑی جا رہی ہے اور اے میری مسلمان بہن آپ اس جنگ کے خط اول پر کھڑی ہیں! یہ ہم سے اور اے میری مسلمان بہن آپ سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے دین پر عمل، اپنی عفت و حیا اور اپنا حجاب و حسن اخلاق سب کچھ چھوڑ پھینکیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اللہ کے شعائر کی تعظیم نہ کریں، آپ اللہ کے اوامر کی اطاعت اور اس کے ذریعے اس کی قربت حاصل نہ کریں، ان کا مطالبہ ہے کہ آپ اپنی عبادت، دین اور حجاب کے ذریعے اللہ کی رضامت ڈھونڈیں اور اللہ کی بندی بن کر اس کی محبت حاصل نہ کریں۔ یہ بس صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دین دشمن ملحدہ اور ہر اخلاق واصول سے عاری بن کر رہ جائیں۔ یہ ظالم یہ سب کچھ اس لیے چاہتے ہیں کہ انہیں علم ہے میری بہن کہ آپ اسلامی معاشرے کی ایک مضبوط ستون ہیں، آپ ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بیوی اور بیٹی ہیں۔ آپ ہی اسلامی معاشرے کو اس کے اندر سے مضبوط کرتی ہیں۔ آپ تربیت کرتی ہیں، نئی نسل کو پالتی ہیں، اس کی رہنمائی کرتی ہیں اور اس کے سامنے نمونۂ عمل بن کر مثالیں پیش کرتی ہیں۔ آپ صبر کرتی ہیں اور صبر دلاتی ہیں، دلاسہ دیتی ہیں اور دین و جہاد پر تحریض دلاتی ہیں۔

کتنی مائیں ایسی ہیں کہ جن کے جگر گوشے شہید ہوئے، قید کیے گئے یا غائب کروائے گئے اور انہوں نے صبر کیا اور دوسروں کو صبر دلایا۔ کتنی بیویاں ایسی ہیں کہ جن کے شوہر اللہ کی راہ میں غائب کیے گئے، شہید ہوئے، قیدی بنے یا جلاوطن کیے گئے اور یہ بیویاں، باپ اور ماں دونوں بن کر پورے خاندان کی تربیت کرتی رہیں اور دوسروں کے لیے مثال بنی رہیں۔ کتنی بیویاں ایسی بھی ہیں جو اپنے مہاجر اور جلاوطن شوہر کے ساتھ دارِ ہجرت میں ساتھ دے رہی ہیں۔ انہوں نے راحت و سہولت کی زندگی پر تنگی و اجنبیت، اہل و عیال اور پیاروں کے ساتھ معیت والی زندگی پر ترکِ وطن کو ترجیح دی ہے اور یوں اہل و عیال، مال و مکان اور امن وامان کے لحاظ سے مستقل خوف اور غیر یقینی کی زندگی آج بھی گزار رہی ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسی بھی ہیں کہ جنہوں نے عیش و عشرت کی زندگی چھوڑ دی اور آج دشت و بیابان میں خانہ بدوشوں کی طرح غربت و بیگانگی کی حالت میں جی رہی ہیں۔ پھر ان مہاجرات میں سے کتنی ہیں جو بیوہ ہوئیں، یتیموں کا بوجھ بھی ان کے سر پر پڑا، علاقہ بدر بھی کی گئیں، قید میں ڈالی گئیں، زخمی کی گئیں اور شہید بھی کی گئیں۔

کتنی مائیں، بیویاں اور بیٹیاں ایسی ہیں جو اپنے فرزندوں، شریک حیات اور والد کو خوشی خوشی جہاد میں نکلنے کے لیے رخصت کر رہی ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتیں کہ زندگی میں دوبارہ کبھی ان پیاروں کا چہرہ بھی دیکھ سکیں گی یا نہیں؟

کتنی بہنیں ایسی ہیں جو اپنے مردوں کو ظلم و طغیان سے عبارت نظام کے خلاف احتجاج پر نکلنے کے لیے تحریض دیتی ہیں، حالانکہ انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کے مرد زخمی ہو سکتے ہیں، قیدی بن سکتے ہیں یا شہید ہو سکتے ہیں۔

ان بہنوں میں سے کتنی ایسی بھی ہیں کہ جن کے مرد جب قید ہوئے تو انہوں نے چٹان بن کر صبر کیا، فراق اور خاندان کی مسئولیت کا بوجھِ گراں بھی اپنے کمزور کندھوں پر اٹھا رکھا اور جب اپنے مردوں کے پاس جیل میں ملنے گئیں تو ان مردوں کا غم تو ہلکا کیا، انہیں حوصلہ دے کر ان کی جرأت و بہادری میں تو اضافہ کیا مگر اپنے اُن دکھوں اور غموں کو اُن سے چھپالیا جن سے یہ خود گزر رہی ہیں۔ کتنی، کتنی اور کتنی ہی ایسی بہنیں ہیں اور بلاشبہ ہماری امت میں ایسی بہنوں کی مثالیں لاکھوں میں ہیں!

اے ہماری عزیز بہنو! ایمان ویقین، صبر ورضا، نفس ومال سے جہاد، دنیا کی راحت وامیدوں کا خون کرنے اور اپنا عیش وعشرت قربان کرنے کے میدان میں ہم نے آپ کو انتہائی اعلیٰ مثالیں قائم کرتے دیکھا ہے۔

اے میری عظیم بہنو! آپ امت کے خلاف اس جنگ میں دشمن کے اولین اہداف میں سے ہیں!

اے میری محترم بہنو!

ان کی کوشش ہے کہ جو وسائل ان کے پاس ہیں، ان سے کسی نہ کسی طرح آپ کے ایمان و یقین کو ختم کر دیں۔ جسمانی، فکری، اعلامی اور نفسیاتی کون سا میدان ہے کہ جس میں یہ تم پر زیادتی کرنے کے لیے تمہارے خلاف بڑھ نہیں رہے ہیں۔

پس ثابت قدم رہیے، صبر کیجیے اور حق کی خاطر ڈٹی رہیے۔ اللہ ہی سے مدد مانگتی رہیے اور اس طویل و عظیم سفر میں آپ کا زادِ راہ اللہ پر یقین ہو، شکر، صبر و رضا، ذکر و دعا اور اللہ مالک السماوات والارض کے سامنے تواضع ہو..... وہ اللہ کہ جو جب 'کُن' کہے تو 'فیکون' سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ہم سب کمزور اور گناہ گار ہیں لیکن رحمتِ الٰہی سے پر امید ہیں، وہ ذات کہ جب اس سے معافی مانگی جائے اور اس کی طرف پلٹا جائے تو وہ معاف کر دیتی ہے اور جب اس سے مدد مانگی جائے تو وہ مدد کرتی ہے۔ پس ہم میں سے کوئی تھوڑا سا بھی راہِ حق سے اگر پھسل گیا، کوئی تھوڑا سا بھی اس طوفان کے رخ میں چلنے لگا، یا تھوڑا سا بھی شبہات اور شہوات کے زیرِ اثر آگیا تو فوراً اسے توبہ کرنی چاہیے، جلدی اسے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اور اس سے ہی ہدایت طلب کرنی چاہیے۔

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمۡرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ (سورۃ یوسف:۲۱)

"اور خدا اپنے کام پر غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○ (سورۃ الاحزاب:۳۵)

"بیشک فرمانبردار مرد ہوں یا فرمانبردار عورتیں مومن مرد ہوں یا مومن عورتیں، عبادت گزار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔"

وآخر دعوانا أن الحمدُ لله رب العالمين.

وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

☆☆☆☆☆

بقیہ: شہادت کی قبولیت کی شرائط

تو یہ چوتھی شرط ہے شہادت کی قبولیت کی کہ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ... کہ وہ آگے بڑھنے والے ہوں، پیچھے ہٹنے والے نہ ہوں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ غالباً یہ جو دونوں لفظ ساتھ ساتھ آگئے کہ آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹے، تو یہ تاکید اس لیے آگئی تاکہ اس تعریف سے وہ لوگ نکل جائیں جو کبھی آگے بڑھتے ہیں، کبھی پیچھے ہٹتے ہیں، اور اس میں صرف وہی لوگ شامل رہیں بس جو آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں، بریکیں جن کی فیل ہیں۔

تو پیارے بھائیو! کبھی نہ کبھی کمزوری دل میں آجائے، میدان کے اندر دل کے اندر کوئی کمزوری آجائے، انسان ہے انسان میں کمزوری آسکتی ہے، لیکن قدم اکھڑ جائیں اور وہ دوسروں کے قدم بھی اکھاڑنے کا باعث بن رہے ہوں، وہ پیچھے بھاگنا شروع کر دے، ہٹنا شروع کر دے، گرفتاریوں سے پریشان ہو جائے، بمباریوں سے پریشان ہو جائے، شہادتوں سے پریشان ہو جائے اور اُس کے قدم اکھڑ جائیں، تو یقیناً وہ اللہ کی ناراضگی کا باعث بنے گا اور اپنی شہادت کو، اُس کے بعد مل بھی جائے تو وہ خطرے میں ڈالے گا۔

تو یہ چار شرطیں ہیں، جس کے اندر یہ پوری ہوں گی وہ عند اللہ شہید کہلائے گا۔ چار شرطیں ہم نے کیا کہیں:

۱۔ وہ اللہ کے رستے میں لڑ رہا ہو

۲۔ وہ صابر ہو

۳۔ مخلص ہو

۴۔ آگے بڑھ رہا ہو، پیچھے ہٹنے والا نہ ہو

جس میں یہ چار صفات پائی جائیں گی بِإذنِ الله، اُس کی شہادت اللہ کے یہاں مقبول ہو گی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ہماری ہر بیٹی مسکان ہے!

علی بن منصور

بھارت کی انتہائی دائیں بازو کی جماعت بی جے پی جو آج کل بر سرِ اقتدار بھی ہے، نے اپنی سابقہ اینٹی مسلم پالیسیوں کے تسلسل میں ریاستِ کرناٹک میں ایک اور پابندی لگائی اور وہ پابندی یہ تھی کہ کوئی (خاتون) طالبِ علم، تعلیمی اداروں میں حجاب یا برقع اوڑھ کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتی۔

جنوبی ہندوستان کی ریاست کرناٹک میں پچھلے برس کے دسمبر میں حجاب میں ملبوس طالبات کو کلاس میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی، جس کے نتیجے میں وہ کلاس کے باہر ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں اور اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی خاطر مستقل ادارے میں حاضر ہوتی رہیں۔ ان کی تصاویر سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے کچھ عرصے بعد کرناٹک ہی کے ایک دوسرے تعلیمی ادارے میں ہندو طلبہ نے زعفرانی ٹوپیاں اور رومال پہن کر احتجاج کیا کہ اگر مسلمان لڑکیاں یونیفارم کے اصول کے برخلاف حجاب پہن کر کلاسز اٹینڈ کریں گی تو وہ بھی اپنے مذہبی رنگ کو اوڑھ پہن کر کالج میں آیا کریں گے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بھارت کی نوجوان ہندو نسل میں گزشتہ ڈیڑھ سال کے عرصے میں دو ایپس (apps) جو بے حد مقبول ہوئیں وہ سُلّی ڈیلز (Sulli Deals) اور بُلّی بائی (Bulli Bai) تھیں۔ ان ایپس میں مسلمان خواتین کی تصویریں حاصل کر کے ڈالی گئیں اور یوں اظہار کیا گیا گویا یہ ایپ ان خواتین کی نیلامی کرتا ہے۔ یعنی اگر آپ کو تفریحِ طبع کے لیے کسی فاطمہ، صائمہ یا ملالہ کی ضرورت ہے تو بولی لگایئے، یہ ایپ your Bulli Bai of the day کے لیے ۱۰۰ کے قریب آپشنز فراہم کرتا ہے۔ مسلمانوں کی جانب سے احتجاج پر یہ ایپس بند کر دی گئیں لیکن پچھلے ڈیڑھ سال کے عرصے میں مختلف ناموں کے ساتھ تین سے زائد دفعہ اس قسم کی ایپس منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ اس مذاق کو عام کیا جائے اور معمول کا حصّہ بنایا جائے۔ نیز ساتھ ہی مسلمان عورتوں کو بھارت میں اپنی اوقات سمجھانا بھی ہے، کہ بھارتی معاشرے میں انہیں کیا مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ جبکہ تیسری اور سب سے اہم بات، یہ ہندو کا وہ خواب ہے جس کے سبز باغ اپنی نوجوان نسل کو دکھا کر وہ جلد از جلد اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتا ہے۔

موضوع کی طرف لوٹتے ہیں..... کرناٹک کے کالج میں ہندو طلبہ کی جانب سے اس مظاہرے کے دوران جتنی بھی مسلمان طالبات حجاب میں ملبوس کالج پہنچیں اور اندر داخل ہونا چاہا، انہیں اجازت نہ دی گئی اور گیٹ بند کر دیے گئے۔ ذرا دیر بعد حالات کچھ بہتر محسوس ہوئے تو چند طالبات کو اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ انہی طالبات میں مسکان خان بھی شامل تھیں۔ پوری دنیا میں مشہور ہونے والی مسکان کی ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ تنہا چلتی چلی آ رہی ہیں جبکہ ان کے پیچھے زعفرانی رومال گلے میں ڈالے، 'جے شری رام' اور برقع مخالف نعرے لگاتے، ہندو بلوائیوں کا ایک پورا ہجوم چلا آ رہا ہے۔ آخر اچانک مسکان پلٹتی ہیں اور پوری قوّت سے چلّا کر ان طلبہ کو جواب دیتی ہیں اور زور زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگاتی ہیں، جس کے بعد انتظامیہ کے لوگ انہیں اندر لے جاتے ہیں۔

کرناٹک میں ہندو اور مسلمان طلبہ کے مابین اس بڑھتے ہوئے تنازع کے سبب پوری ریاست کے تعلیمی اداروں کو تین دنوں کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس دوران فریقین اپنا معاملہ اعلیٰ عدلیہ کے پاس لے گئے اور حجاب پر عائد پابندی کو کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ اس دوران دنیا بھر کا میڈیا کرناٹک کی جانب متوجہ ہو گیا جہاں ایک جانب مسلمان طالبات کا موقف یہ ہے کہ حجاب ان کا دینی شعار ہے اور ان کے بنیادی حقوق میں سے ہے۔ وہ ہمیشہ سے حجاب اوڑھتی چلی آئی ہیں اور تعلیمی اداروں میں داخلے سے قبل بھی انہیں کبھی حجاب مخالف کسی شق یا شرط سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ بعض طالبات کا کہنا ہے کہ تعلیمی اداروں میں آج بھی اساتذہ و انتظامیہ کو ان کے حجاب سے کوئی مسئلہ درپیش نہیں، البتہ بلوائیوں کی جانب سے جس مخالفت کا انہیں سامنا ہے وہ ان کے لیے غیر متوقع اور پریشان کن ہے، کیونکہ ان طلبہ کے ساتھ ایک ہی ادارے میں انہوں نے ایک طویل عرصہ گزارا ہے اور اب بھی، ہندو طلبہ کے ان مظاہروں میں اداروں میں تعلیم حاصل کرتے طلبہ سے زیادہ باہر کے افراد نظر آتے ہیں۔

دوسری جانب ہندو سوسائٹی اور حکومتی موقف یہ ہے کہ بھارت میں انسانی حقوق کی کسی قسم کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی۔ طالبات کو تعلیم سے نہیں بلکہ حجاب سے روکا جا رہا ہے جو ان کے بقول اداروں کے ماحول کو خراب کرنے کا سبب بنتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ بھارت میں ہندو اکثریت کے باوجود ہندو مغلوب ہیں اور اقلیتیں ان کو دبانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ برقع اور حجاب ہے کیا اور اس پر اتنا بڑا مسئلہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ اس کے مصالح و مفاسد کیا ہیں؟ اور کیوں مسلمان قوم کے لیے یہ برقع اکثر ہی سببِ تنازع بن جاتا ہے؟

برقع وہ ڈھیلا ڈھالا لباس ہے جو خواتین کے پورے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے جبکہ حجاب سر اور بالوں کو ڈھانپنے والے کپڑے (سکارف / دوپٹہ وغیرہ) کو کہا جاتا ہے۔ گو کہ یہ ہر رنگ، طرز اور تراش خراش کے اعتبار سے بے شمار انواع و اقسام میں پایا جاتا ہے اس کے باوجود کالا رنگ

سب سے زیادہ مقبول ہے اور کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ یوں تو زمانۂ قدیم سے دنیا کی بہت سی اقوام و مذاہب میں خواتین کا اپنے سر اور جسم کو ڈھانپنا شرافت اور عالی نسبی کی علامت سمجھا جاتا تھا، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ مذاہب کے اعتبار سے بھی برقع محض اسلام تک محدود نہیں۔ بلکہ ایران کی فارسی شیعہ خواتین، اسماعیلی و بوہری مذاہب کی خواتین، عیسائیت میں خود کو چرچ کے لیے وقف کر دینے والی عورتیں جنہیں نَن کہا جاتا ہے، اور حتیٰ کہ یہودیت کے الٹرا آرتھوڈوکس فرقے (حرضی فرقہ / Haredi؛ جن کا دعویٰ ہے کہ وہی اصل یہودی تعلیمات کے امین ہیں) سے تعلق رکھنے والی خواتین بھی خود کو سر تا پا کالے برقعے میں مستور رکھتی ہیں۔

اس سب کے باوجود اسلامی برقع شاید دنیا کا متنازع ترین لباس ہے۔ شریعتِ اسلامی کے حکم کے باعث مسلمان خواتین میں برقع کے ذریعے اپنے جسم کو ڈھانپنے اور غیر مردوں کی نظروں سے بچانے کا اہتمام کرنا عام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (سورۃ الاحزاب:۵۹)

"اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو ان کو ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

برقع پہننے کا رواج صدیوں سے جاری ہے۔ صدیوں سے مسلمان خواتین یہ لباس پہنتی چلی آ رہی ہیں اور اس کے ساتھ اپنی صنف و طبقے سے منسوب تمام فرائض و ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہی ہیں۔ یہ لباس ان کے لیے کبھی اس طرح باعثِ آزار نہیں بنا جیسا کہ اکیسویں صدی میں اس کو بنایا جا رہا ہے۔ تو آخر دنیا کو برقع اور برقع پہننے والیوں سے کیا شکایت ہے؟ یہ تجزیہ کرنے کے لیے ہمیں دیکھنا ہو گا کہ برقع و حجاب کو کن لوگوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا ہے۔ بنیادی طور پہ برقع کی مخالفت کرنے والوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- مسلم اکثریتی ممالک میں حجاب و برقع کی مخالفت
- مسلم اقلیتی ممالک میں حجاب و برقع کی مخالفت

مسلم اکثریت کے مقابل برقعے کی مخالفت

مسلم اکثریت والے معاشرے میں برقع و حجاب سے نفرت و عداوت کا عَلَم ان مسلمان خواتین کے ہاتھ میں ہے جنہیں مسلمان عوام "آزاد و مغرب نواز" کا خطاب دیتے ہیں جبکہ مغرب انہیں "ماڈریٹ و روشن خیال مسلمان" کے طور پہ جانتا ہے۔

برقعے پر ان کے اعتراضات کا دارومدار فیمن ازم (تحریک حقوق و آزادئ نسواں) کے بیانیے پر ہوتا ہے۔ برقع ہماری تہذیب و رواج کا حصّہ نہیں، یہ عربوں کی تہذیب ہے۔ یہ مرد و عورت کے درمیان تفریق کی علامت ہے۔ یہ عورتوں پر جبر ہے، ان کے حقوق غصب کرنے والا، اور ان کی آواز دبانے کی علامت ہے۔ برقع عورت کو آزادی سے محروم کر کے چار دیواری میں مقید کر دیتا ہے، گھر اور بچوں کا خانہ اس کے سپرد کرتا ہے اور یوں مرد باہر آزاد پھرتا ہے جبکہ برقعے میں ملبوس و مقید، بے چاری عورت ترقی و تجدید کی راہوں میں مردانہ وار آگے بڑھنے سے محروم کر دی جاتی ہے۔

پھر چاہے یہ پاکستان جیسے اسلام کی بنیاد پر حاصل کیے گئے ملک کی خواتین ہوں، جو اگلے ماہ آپ کو اسلام آباد و لاہور کی سڑکوں پر کپڑے اتار کر گھومنے کی آزادی کا مطالبہ کرتی نظر آئیں گی، اور ساتھ میں یہ بھی چاہیں گی کہ ان کی اس برہنگی کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائے، کوئی "شیم!، شیم!"(shame) کے نعرے بھی نہ لگائے۔

یا افغانستان جیسے روایت پرست اور سخت رسوم و رواج کا حامل معاشرہ ہو، جہاں مردوں کے لیے بھی ننگے سر گھومنا باعثِ عار سمجھا جاتا ہے، وہاں آپ کو کوئی نہ کوئی پروانہ خلیل یا تمنا زریابی کابل کی شاہراہوں پر برقع نذرِ آتش کرتی نظر آ ہی جائیں گی، کیونکہ یہ برقع شعائرِ اسلام میں سے ہے جو عورت سے عفّت و حیا کا تقاضا کرتا ہے۔

یا سعودی عرب جیسا ملک، جو حرمین شریفین اور پیغمبرِ برحق محمد مصطفیٰ (علیہ الف صلاۃ والسلام) کی نسبت سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس و محترم جگہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاں بھی اب برقعے اور عفت و عصمت کو ترک کر کے ہفتہ بھر مخلوط میوزیکل کانسرٹس منائے جاتے ہیں، اور خواتین کے لیے نیا مژدہ یہ ہے کہ اب وہ مکّہ و مدینہ کے درمیان ٹرین بھی چلا سکا کریں گی۔

مسلم اقلیتی معاشرے میں برقعے کی مخالفت

مسلم اقلیت والے معاشروں میں برقعے کی مخالفت درجِ ذیل اعتراضات کی بنیاد پر کی جاتی ہے:

- برقع مذہبِ اسلام کی علامت ہے اور سیکولر ممالک عوامی جگہوں پر بالخصوص تعلیمی اداروں اور دفاتر وغیرہ میں کسی قسم کی مذہبی وابستگی کے اظہار کی اجازت نہیں دیتے۔ لہٰذا برقعے، صلیب، یا کسی بھی قسم کی مذہبی علامت پر پابندی ہے۔
- کئی ممالک دہشتگردی کا بہانہ کرتے ہوئے ایسے ہر لباس کو ممنوع قرار دے چکے ہیں جس سے انسان کا پورا چہرا اور جسم چھپ جائے، مثلاً کئی افریقی ممالک جیسے کانگو، چاڈ، مالی وغیرہ اور یورپی ممالک میں نیدرلینڈز اور جرمنی وغیرہ شامل ہیں۔

- برقع عورت کی ترقی کی راہ میں حائل ہے، فیمن ازم کا یہ بیانیہ بھی بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔
- برقع ماحول کی خرابی کا سبب بنتا ہے۔ جیسے کم لباسی مردوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے، اسی طرح ضرورت سے زیادہ ڈھکا ہونا بھی ان کے لیے فتنہ پیدا کرتا ہے۔

ان اعتراضات کو حجّت بنا کر مسلم اقلیت والے معاشروں میں بتدریج برقع وحجاب کے خلاف قانون سازی کی جاتی ہے۔ ابتدا میں مخصوص عوامی جگہوں پر حجاب اوڑھنے سے منع کیا جاتا ہے اور پھر تدریجاً یہ پابندی برقع وحجاب اوڑھنے والی خواتین کو ہر میدانِ زندگی سے خارج کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال فرانس ہے۔ یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد فرانس میں پائی جاتی ہے، اور فرانس ان اولین ممالک میں شامل ہے جنہوں نے حجاب کے خلاف قانون سازی کی۔ فرانس میں ۲۰۰۰ء کی دہائی کے آغاز میں ہی سر پر حجاب اوڑھنا سرکاری تعلیمی اداروں اور دفاتر میں غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا (اور اس وقت نائن الیون کے واقعات بھی رونما نہیں ہوئے تھے جن کو بنیاد بنا کر اسلام کے خلاف عالمی جنگ کا باقاعدہ آغاز کیا گیا، یعنی اسلام کے خلاف فرانس کے صلیبی اقدامات کو اس سے سمجھا جا سکتا ہے)۔ تب سے لے کر آج تک یہ پابندی دبے پاؤں معاشرتی زندگی کے ہر رخ پہ چھاتی چلی گئی ہے۔ آج سے محض تین سال قبل، حجاب اوڑھنے والی ماؤں پر اپنے بچوں کے ساتھ سکول ٹرپس پر جانے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ اور محض چند دن قبل، ایک نیا بل پیش کیا گیا جو مقابلے کے کھیلوں میں حجاب اوڑھنے پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

ہر قسم کی معاشرتی وعوامی زندگی سے خارج کرنے والے ان قوانین کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے گویا فرانس میں حجاب کو قدامت پرستی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس سے نفرت کی جاتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے..... بلکہ پچھلے دنوں جب فرانس کے مشہورِ زمانہ فیشن میگزین ووگ (Vogue) نے جُولیا فاکس کی پیرس میں ہونے والے haute couture show میں ہیڈ سکارف اوڑھ کر شریک ہونے والی تصویر شائع کی تو اسے زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عنوان دیا: "Yes to the head scarf!"۔

سو یقین کیجیے کہ مسئلہ ہیڈ سکارف سے نہیں! مسئلہ ہیڈ سکارف اوڑھنے والی عائشہ و فاطمہ سے ہے۔ آج یہی منظر نامہ بھارت میں سجایا جا رہا ہے۔ ٹیسٹر (tester) کے طور پہ پہلے ایک ریاست کے تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ مسلمان جو پہلے ہی معاشی و معاشرتی طور پر بھارت کے پسماندہ طبقات میں شامل ہیں، انہیں گویا چناؤ کا اختیار دے دیا گیا ہے: "دین چنو گے یا دنیا میں آگے بڑھنا؟"، "گھر واپسی یا NRC؟"۔ معاملہ آج ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔ ایک بار پھر مسلمانوں نے اپنی امیدیں بھارت کے آئین و قانون اور اعلیٰ عدلیہ سے لگا رکھی ہیں۔ مگر ہمیں نجانے کیوں جرمنی کی مروۃ شربینی بار بار یاد آتی ہیں جنہیں ان کے حجاب کی بنیاد پر ایک انتہا پسند جرمن شخص نے پارک میں اپنی تنگ نظری اور تعصب کا نشانہ بناتے ہوئے ان کی تذلیل و تحقیر کی۔ معاملہ عدلیہ تک پہنچا اور فریقین کو عدالت میں طلب کیا گیا۔ چند ہی پیشیوں کے بعد مروہ شربینی کو عدالت میں کھڑے کھڑے اس شخص نے چاقو کے وار کر کر کے شہید کر دیا۔ ان کے شوہر انہیں بچانے آئے تو ان پر بھی چاقو سے حملہ کیا۔ کیا اس شخص کو سزا ملی؟ اپنے کیے کا بھگتان بھگتنا پڑا؟ تو شاید آپ جانتے نہیں..... ایسا کام یقیناً کوئی ذہنی طور پہ ناکارہ و بیمار شخص ہی کر سکتا ہے..... کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ذہنی مفلوج ہونا ہی اتنی بڑی سزا ہے کہ اس کے بعد کوئی دوسری سزا دینے کی گنجائش رہ جاتی ہے؟ ہاں! اس شخص کے شر سے مزید لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسے کسی محفوظ جگہ پر بند رکھنا ضروری ہے، مگر کتنے عرصے کے لیے، اس کا فیصلہ جرمنی کے یہ عزت مآب ادارے ہی کریں گے جو اپنی چھت کے نیچے کھڑی ایک مظلوم عورت کو تحفظ فراہم نہ کر سکے۔

بھارت کس روش پر چل رہا ہے، یہ بات پوری دنیا کے سامنے اظہر من الشمس ہے۔ وہ عالمی ادارے جو افغانستان میں لڑکیوں کے لیے ثانوی تعلیم کے بعض..... معدودے چند..... اداروں کی بندش پر چیں بجبیں ہیں اور چوں چوں کا مربّہ بنے بیٹھے ہیں، ہر دوسرے دن یا اقوامِ متحدہ میں کوئی قرارداد پاس کرتے ہیں یا عالمی برادری کو افغانستان کی تصاویر دکھا دکھا کر وہاں بچیوں کی تعلیمی صورتحال کی بدحالی کے نقشے کھینچتے ہیں، اور جو کہتے ہیں کہ ہم کسی صورت افغانستان کو اس صورتحال میں نہیں چھوڑ سکتے..... انہیں کرناٹک میں تعلیم کی خاطر التجا و فریاد کرتی، منت سماجت کرتی لڑکیاں نظر نہیں آتیں، جو کتنے ہفتوں سے سڑکوں پر احتجاج کر رہی ہیں کہ میرا حجاب میرا مسئلہ ہے، میرا اشعار ہے، اس کو بنیاد بنا کر مجھ سے تعلیم کا حق مت چھینو!

ایک بار پھر ثابت ہوا کہ مسئلہ بچیوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا نہیں ہے..... بلکہ مقصود ان سے اسلام کا عطا کردہ زیورِ حیا و عفّت چھیننا ہے۔ چاہے وہ افغانستان جیسے ڈھکے چھپے معاشرے میں انہیں مغربی طرز کی آزادی کے حصول کے لیے اکسا کر حاصل کیا جائے یا کرناٹک جیسے اکیسویں صدی سے ہم آہنگ، تیز رفتار معاشرے میں، ان سے تعلیم کی خاطر حجاب ترک کرنے کا مطالبہ کر کے کیا جائے!

مگر دنیا کو جان لینا چاہیے..... بھارت کو اور اس کے حامی و مددگار ہر دشمنِ اسلام کو سمجھ لینا چاہیے..... کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور مسلمان جو اللہ کا خوف دل میں بسا لیتا ہے تو پھر کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ سر کٹ جائے تو کٹ جائے، مگر باطل کے سامنے جھکتا نہیں ہے۔ پھر چاہے پیلے رومال گلے میں ڈالے، بغلیں بجاتے اور تالیاں پیٹتے لڑکوں کا پورا ہجوم ہی کیوں نہ ہو..... ایک نہتی لڑکی ڈٹ جاتی ہے اور جے شری رام کے سب نعروں کو اس کی ایک تکبیر بھی کافی ہوتی ہے..... اللہ اکبر!!

(باقی صفحہ نمبر 35 پر)

دعوت و جہاد کے لیے: علمِ شرعی، تربیتِ فکری اور تزکیہ واحسان کی ضرورت

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

زیر نظر خط استاد اسامہ محمود نے دعوتِ جہاد کے میدان میں مشغول، جماعت القاعدہ برِّ صغیر سے وابستہ ایک داعی وعالم ساتھی کے نام بھیجنے کے لیے ارسال کیا تھا، قارئین کے افادے کی نیت سے اسے مجلہ نوائے غزوۂ ہند میں شائع کیا جا رہا ہے۔(ادارہ)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

انتہائی محترم بھائی، مولانا احمد عبداللہ (زید اللہ مجدہٗ) کی خدمت میں

اسامہ محمود کی طرف سے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ آپ سے راضی ہو، اپنے محبوب و مقبول بندوں میں آپ کو شامل رکھے، آپ کے ایمان، اخلاص، عملِ صالح اور علمِ نافع میں اضافہ فرمائے اور اپنے دین، دعوت وجہاد کی ڈھیر ساری خدمتیں آپ سے لے، آمین!

محترم بھائی!

آپ کا تعارف جان کر خوشی ہوئی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ تعارف میں کن باتوں سے خوشی ہوئی ؟ یہ ان شاء اللہ آگے عرض کروں گا۔

کیسے ہیں ؟ مصروفیات کیسی ہیں ؟ یعنی کیا ہیں اور کیسی ہیں ؟ اللہ آپ کا وقت آپ کے لیے نافع بنائے اور دیگر سب بھائیوں اور مسلمانوں کے لیے بھی یہ خیر وہدایت کا ذریعہ رکھے۔

تاخیر سے خط کا جواب دینے پر معذرت خواہ ہوں۔ آپ کا خط پڑھا تو اُسی وقت چاہا کہ آپ کے ساتھ رابطہ رہے، خود اپنی اصلاح و استفادے کے لیے بھی اور جہادی و دعوتی امور کے لیے بھی، مگر اس خیال کے سبب جلدی نہیں لکھ سکا کہ آپ کو خط ذرا تفصیلی لکھنا چاہیے۔ یوں تفصیلی لکھنے کی حرص میں عرصہ دراز تک خط ہی نہیں لکھ سکا اور اب جب لکھ رہا ہوں تو خدشہ ہے کہ آپ دل میں شاکی نہ ہوئے ہوں۔ اللہ کرے آپ ناراض نہ ہوں، امید ہے میرا عذر قبول کریں گے کہ "العذر عند کرام الناس مقبول"۔

جی تو میں خوش کیوں ہوا؟ کئی وجوہات ہیں۔ اول اور اہم سبب، آزمائشوں سے گزرنے کے بعد بھی آپ کا راہِ جہاد پر عزمِ صمیم ہے۔ ایمان و عمل صالح پر استقامت عظیم ترین نعمت ہے، یہ اس کی نشانی ہوتی ہے کہ ایسے فرد سے اللہ کی محبت ہے اور اسے خیرِ عظیم سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ استقامت کو کرامت کہا گیا ہے، اللہ آپ کو مزید استقامت دے، اپنا محبوب رکھے اور آپ کو ہر اُس فکر و عمل کی توفیق دے جو اُس کو پسند ہو اور ہر اس خیال و عمل سے آپ کو دور رکھے جو اُسے ناپسند ہو۔

خوشی کی دوسری وجہ آپ کا حصول علم اور دوسروں کو تعلیمِ دین دینا ہے، الحمدللہ کہ اللہ نے آپ کو وراثتِ انبیاء کے لیے چنا اور اللہ ہی کا شکر ہے کہ اب آپ اس اعلیٰ عمل کے ساتھ ساتھ دعوتِ جہاد کے فرض میں بھی مصروف ہیں۔

محترم بھائی! دعوتِ (دین و) جہاد کارِ انبیاء ہے۔ جہاد کی یہ دعوت و تحریض ہو یا خود اس کو ایسے مطلوب انداز میں ادا کرنا ہو کہ جو خالق کے ہاں بھی محبوب و مقبول ٹھہرے اور مخلوق کے حق میں بھی ہدایت وبرکت کا ذریعہ بن جائے، اس سب کے لیے اخلاص کے بعد علمِ شرع کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ علم ہو، اس پر عمل ہو، اور پھر ساتھ ہی اخلاص اور ڈٹے رہنا، لگے رہنے کا عزم بھی ہو تو ایسا عالم باعمل داعی، مردہ معاشروں میں جان ڈال دیتا ہے، اس کی دعوت و عمل سے بیکار اور بے مقصد لوگ بامقصد، اور خود اپنے حق میں مفید بن جاتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی رشد و ہدایت اور نجات کا ذریعہ ثابت ہو جاتے ہیں۔ ایسے علمائے کرام جہادی تحریکات کی جان، قلب و دماغ اور زبان ہوتے ہیں، ان کی دعوت و کردار سے ہی عوام کو ہدایت ملتی ہے، وہ قافلۂ جہاد میں شمولیت اختیار کرتے ہیں اور ان ہی کے ذریعے مجاہدین کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و اصلاح کا بنیادی کام بھی انجام پاتا ہے۔ ساتھیوں کے ساتھ آپ کے جڑنے پر مجھے اس لحاظ سے خوشی ہوئی اور دعا ہے کہ اللہ آپ کو علمائے کرام کے اس مبارک زمرے میں شامل رکھے، آپ کے ایمان اور علم و عمل میں اضافہ فرمائے اور آپ کو ہم سب، جملہ مجاہدین کے لیے نافع و مبارک رکھے، آمین!

محترم بھائی!

علم دین کا حصول و پھیلاؤ اور دعوتِ (دین و) جہاد، یہ دونوں انتہائی اعلیٰ عبادات ہیں، دونوں اصلاً تو فرض کفایہ ہیں، مگر جن خوش نصیبوں میں ان کی استعداد ہو، اللہ نے جن کو اس کی اہلیت دی ہو، ان پر آج، دین کی اجنبیت اور امت کی مظلومیت کے اس زمانے میں خاص یہ عبادات بھی شاید فرض عین ہو جاتی ہوں۔ یہ دونوں کام اہم بھی ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دینے والے بھی ہیں۔ سورۃ التوبہ کی یہ جو آیت ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ○[1]

اس کی تشریح میں ایک عالم نے پیاری بات لکھی ہے، حضرت فرماتے ہیں، اس آیت میں اللہ نے مومنین کو مجاہدین اور مجتہدین (بمعنی حصول علم کے لیے محنت کرنے والوں، نہ کہ اصطلاحی معنیٰ میں مجتہدین) میں تقسیم کیا ہے۔ اگر کوئی فرد ان دو گروہوں میں سے کسی ایک میں بھی نہ ہو تو اُس میں کوئی خیر نہیں۔ پھر فرمایا، یہ دو گروہ ایک دوسرے سے جدا نہیں، اس آیت کے تحت یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متعاون اور ایک ہی مقصد کے لیے جدوجہد کرنے والے ہوتے ہیں۔ دونوں کا تعلق بیک وقت علم دین کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ بھی ہوتا ہے، ہاں تخصص کا فرق ہے، ایک مجاہد مجتہد (یعنی مجاہد طالب علم) ہوتا ہے اور دوسرا مجتہد مجاہد (طالب علم مجاہد) ہوتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں، جہاد اور اجتہاد، یعنی جہاد و علم دین (کی سعی)، ان دونوں شعبوں کا مقصد وہدف ایک ہے اور وہ ہے" تعبید الناس لله وحده وإخراجهم من العبودية للعباد وإزالة الطواغيت كلها من الأرض وإخلاء العالم من الفساد "، یعنی لوگوں کو تنہا اللہ کی بندگی میں داخل کرنا، انہیں انسانوں کی غلامی سے نکال کر انسانوں کے رب اللہ کا غلام بنانا اور تمام طواغیت کی حکمرانی زمین سے ختم کر کے فتنہ و فساد سے اسے پاک کرنا، یہ مجاہد اور طالب عالم دونوں کا مشترکہ مقصد ہوتا ہے۔

تو محترم بھائی یہ آپ کا علم دین کا شغف اور دعوتِ جہاد، پھر اس کے لیے یہ مدرسہ، معاشرہ، عوام میں درس و تدریس، دعوت اور ساتھیوں کی تعلیم و تربیت، یہ سب انتہائی عظیم نعمتیں ہیں، ان پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اللہ قلباً، قولاً اور عملاً شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

محترم بھائی!

میری یہ دعا بھی ہے کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد آپ کا علمی سفر پہلے سے کہیں زیادہ اچھا ہوا ہو۔ غالباً مولانا شامزئی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ درس نظامی سے فراغت حصول علم کا اختتام نہیں، آغاز ہوتا ہے، کیوں کہ اس کے بعد طالب علم متون پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور یوں اس کے بعد ہی اسے بحر علم میں غوطہ زنی کرنے کی استعداد مل جاتی ہے۔ تو امید یہی ہے کہ فراغت کے بعد آپ کا مطالعہ کم نہیں، زیادہ ہوا ہو اور علمِ نافع حاصل کرنے کی حرص بھی اللہ کرے پہلے سے بڑھ گئی ہو۔

پھر الحمدللہ، جہاد اور غلبۂ دین کی جدوجہد کی جو اہمیت آج کے اس دور میں ہے، اس سے آپ چونکہ آگاہ ہیں، اس لیے آپ کے ہاں علمِ نافع کے تعین میں بھی ابہام نہیں ہو گا۔ دیگر دینی امور بھی بہت اہم ہیں، ان کا تفصیلی علم بھی یقیناً نافع ہے، الحمدللہ کہ ان امور کا علم رکھنے والے علماء بھی معاشرے میں مناسب تعداد میں موجود ہیں اور ضروری ہے کہ ہم ان سے استفادہ کریں، مگر چونکہ دعوت وجہاد کے متعلق موضوعات آج عوام کیا، خواص تک میں بھی اجنبی ہو کر رہ گئے، اس لیے جس طرح جہاد آج اہم ترین فرض عین ہے، اس طرح آپ جیسے عالم و داعی کے لیے اُن تمام علوم کا حصول اور ان میں تخصص حاصل کرنا بھی انتہائی ضروری ہے جن کے ذریعے جہاد فی سبیل اللہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا جاسکے اور انہیں اپنے ساتھ شاملِ سفر کر کے نظام باطل کے خلاف کھڑا کیا جاسکے۔

نیز اس سفر میں الأهم فالأهم، اولویات کا خیال رکھنا بھی یقیناً آپ کی نظر میں ہو گا۔ آپ کو اس پر شرحِ صدر ہو گا کہ کسی ایسے شرعی لحاظ سے کم اہم مسئلے کو موضوع بحث نہیں بنانا چاہیے کہ جس کے سبب اہم ترین امور کی دعوت متنازع بن جائے اور یوں ہماری ایسی کسی غلطی کے سبب مخاطبین وقت کے تقاضے کو جاننے سے محروم رہ جائیں۔

بھائی نے لکھا تھا کہ حلقے میں موجود بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں بھی الحمدللہ آپ بھرپور حصہ ڈالتے ہیں، اللہ آپ کو مزید توفیق دے اور اس میں آپ کی بھرپور رہنمائی فرمائے، اس حوالے سے تذکیراً اور اجر میں شامل ہونے کی نیت سے ایک دو باتیں عرض کرتا ہوں۔

آپ ساتھیوں کو جہادی موضوعات کے متعلق شرعی و فکری تعلیم تو یقیناً دیتے ہوں گے، اللہ اس میں برکت ڈالے، مگر اس تعلیم کے ساتھ ساتھ ایک دوسری تعلیم، دوسری تربیت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ یہ ہے قلب وذہن کی ایسی تربیت کہ ساتھیوں میں اخلاص واخلاق پیدا ہوں اور اس کے نتیجے میں خالق و مخلوق دونوں کے حقوق ادا ہوں، یعنی اللہ رب العزت کے ساتھ بھی بہترین تعلق بن جائے اور مخلوق میں دوست و دشمن اور اپنے حامیوں اور مخالفین کے ساتھ بھی عین وہی تعلق ہو جو شریعت کو مطلوب ہے۔ دعوتِ جہاد کے میدان میں مزاج کے غیر معتدل ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، جہاد نام ہی دشمنان دین کے خلاف سختی کرنے کا ہے، اس لیے جہاں مزاج میں کفار کے خلاف انتہا درجے کی سختی مطلوب ہوتی ہے ﴿أشداء على الكفار﴾ اور یہ سختی دعوت وجہاد کے سبب آ بھی جاتی ہے، وہاں ساتھ ہی اپنے مسلمانوں کے ساتھ ﴿رحماء بينهم﴾ پر عمل بھی برابر ضروری ہوتا ہے مگر شیطان اس نرمی اور محبت کو مشکل بنا دیتا ہے اور یہاں بھی بندے سے سختی ہی کرواتا ہے، شیطان کی کوشش رہتی ہے کہ خیر کو اس انداز میں شر میں تبدیل کرے کہ بندہ شر کو بھی پھر خیر سمجھ کر

[1] "اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں۔ لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔" (سورۃ التوبۃ: ۱۲۲)

کرے، ابن قیم رحمہ اللہ کے مطابق اگر کسی شخص کا مزاج سختی مائل ہو تو شیطان اُسے ایسی سختی کی طرف دھکیلتا ہے جو غیر شرعی ہو اور جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو، یعنی شیطان جائز بلکہ مطلوب منزل کے لیے بندے کے سامنے ناجائز اور بالکل غیر شرعی طریق مزین کرتا ہے۔ نظام باطل کے خلاف نفرت اور دشمنان دین کے ساتھ دشمنی وجہاد مطلوب ہے، مگر شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس نفرت اور دشمنی کو اپنے جائز و مطلوب مقام پر نہ رہنے دے، بلکہ وہاں بھی اس کو مزاج میں لے آئے جہاں شریعت محبت و دوستی کا تقاضا کرتی ہو، یوں وہ محبت و نفرت میں عدل کی جگہ ظلم کرواتا ہے، یعنی جہاں ادب کے ساتھ بس جزوی اختلاف مطلوب ہوتا ہے، وہاں وہ ہمیں ایسے کلی اختلاف کی طرف لے جاتا ہے جہاں ہم اپنی رائے و فکر سے اختلاف رکھنے والے کو بالکل مجسم شر دکھائیں اور ایسا کرنا یقیناً ظلم ہوتا ہے۔ جن کے ساتھ، ان کی کسی خامی کے باوجود شریعت سے محبت کرنے اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرنے کا مطالبہ کرتی ہو شیطان ہمیں بھڑکاتا ہے اور ساتھ تاویلیں بھی سمجھاتا ہے کہ ہم اُن کے خلاف اپنی زبانیں گندی کریں اور ان سے مکمل نفرت کا اظہار کریں۔ ایسا جب ہوتا ہے تو پھر تمام تر یہ غیر شرعی سختی ہماری طرف سے جہادی دعوت کے نام پر ہوتی ہے، پھر ہم بغض، غیبت، تعصب، طنز و تشنیع پر مبنی اس مکمل طور پر غلط تعامل کو ہی عین نیکی اور جہاد سمجھتے ہیں اور یوں یہ بڑے واضح گناہ بھی پھر ہمارے ہاں جائز، بلکہ عبادت سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ بدترین گناہ وہ ہے جو نیکی سمجھ کر کیا جائے، ایسا گناہ شیطان کو دیگر سے محبوب تر کیوں ہوتا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ اسے ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے اس لیے بندے کو ندامت نہیں ہوتی، احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے، اس لیے توبہ کی توفیق بھی اسے نہیں ملتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خیر شر کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی، شریعت خود احکامِ شریعت کو ہی پاؤں تلے روندنے سے قائم نہیں کی جاسکتی اور جہاد فی سبیل اللہ کا اجر اللہ ہی کو ناراض کرکے نہیں کمایا جاسکتا۔ پس یہ طرزِ عمل ایسا ہے کہ دوسرے کا دامن آگ میں جلتا دیکھ کر (یعنی اس میں چھوٹی برائی دیکھ کر) خود اپنے آپ کو، اپنے ہی ہاتھوں آگ لگائی جائے، اس طرز عمل سے خود اپنے دل پھر سخت اور اخلاق بد ہو جاتے ہیں اور یوں ایسا "داعی" نظام کفر کی نفرت اور منکرات روکنے کی 'حرص' میں نعوذ باللہ اپنی ہی آخرت برباد کرلیتا ہے۔ ایسے فرد سے جہاد و اصلاح کے دعووں کے باوجود بھی فتنہ وفساد پھیلتا ہے، اس کے قول و عمل سے دعوتِ جہاد کو نقصان ہوتا ہے، وہ دین سے متنفر کرنے کا باعث بنتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب وہ دعوت و جہاد کی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے یا..... اس راستے پر ہی اس کا خاتمہ انتہائی عبرت ناک ہو جاتا ہے۔ یہ تو دنیا میں نتیجہ ہے، آخرت کا تصور کریں کیا انجام ہوگا؟!

لہٰذا عزیز بھائی! محبت و نفرت، مدح و نقد اور تائید و مخالفت (افراد کی ہو یا جماعتوں کی) لازم ہے کہ یہ مبنی بر علم اور عدل ہوں، اور اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ساتھیوں کی فکری تعلیم سے زیادہ شرعی اور اخلاقی تربیت بھی ہو، اس تربیت میں پھر قلوب کی اصلاح یعنی تزکیہ و احسان کا اہم ترین ہدف ہونا ضروری ہے۔ دعوت و جہاد اور تمام تر عبادات کا اصل مقصد اللہ کی قربت و محبت حاصل کرنا ہے اور یہ تب ہی ملتی ہیں جب قلب اللہ ہی کی محبت، اللہ ہی سے طمع اور اللہ ہی کے خوف سے معمور ہو۔ اور یہ کیفیت تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب بندے کی محبت و نفرت خالص اللہ کے لیے ہوں، یعنی جو صفات یا جو لوگ اللہ کو محبوب ہوں، وہ اُسے بھی محبوب ہوں اور اُن کی تعریف کرتا ہو، چاہے ان صفات والا فرد اس کے اپنے گروہ کا نہ ہو اور جن لوگوں سے اللہ نفرت کرتا ہو، وہ ان سے نفرت کرتا ہو چاہے وہ بری صفت والا رشتے ناطے کے لحاظ سے اس کا قریبی ہی کیوں نہ ہو، گویا اس کی محبت و نفرت خواہش نفس کی نہیں، بلکہ شریعت کے تابع ہو اور وہ اپنے اقوال و مواقف میں مکمل طور پر عدل سے کام لیتا ہے۔ ایسا جب ہوتا ہے تو داعی و مجاہد خیر کی کنجی اور شر کے لیے تالا بن جاتا ہے اور اس کے ذریعے پھر لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کو راضی کرنے والے راستے دعوت و جہاد کے ساتھ جڑتے ہیں۔ لیکن یہ سب صفات ظاہر ہے محض خواہش وارادے سے حاصل نہیں ہوتیں، اس کے لیے ارادے کے بعد علمِ شرعی اور تربیت کی بھی ضرورت ہے اور ساتھیوں کو یہ سب (ترغیب، علم شرعی اور تربیت) دینا مربی حضرات، یعنی آپ جیسے بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہر ہر معاملے میں، ساتھیوں کو علمِ شرعی سے جوڑا جائے۔ ساتھیوں کی ایسی تربیت ہو کہ وہ خود رائی نہ کریں، بلکہ ہر قدم اٹھانے اور ہر موقف اپنانے سے پہلے شرعی رہنمائی کی حاجت محسوس کریں اور شرعی رہنمائی ملنے اور اس پر عمل کے بعد ہی انہیں اطمینانِ قلب حاصل ہو۔

دو باتیں مزید عرض کروں گا۔ ساتھیوں کو افراد پر فتویٰ اور لیبل لگانے سے ڈرایا جائے، لوگوں پر کفر و فسق کے فتاویٰ لگانا ساتھیوں کا کام قطعاً نہ ہو۔ خطرناک اعمال کی پہچان انہیں ضرور کرائی جائے تاکہ وہ خود ان سے بچیں اور دوسروں کو بھی ان سے بچنے کی پرسوز دعوت دیں۔ مگر ان اعمال کی بنیاد پر کسی پر کفر و فسق کے لیبل لگانا کسی طور پر بھی صحیح نہیں۔ یہ طرزِ عمل خود داعی اور مجاہد کے اپنے دین کو خطرے میں ڈالتا ہے اور اس سے دعوت و جہاد کو بھی فائدے کی جگہ نقصان ہوتا ہے۔ یہ انتہائی حساس کام ہے جو علم شرعی اور فقہ الواقع میں رسوخ رکھنے والے اصحابِ تقویٰ مفتیانِ کرام اور قاضیوں ہی کے دائرے میں آتا ہے اور وہ بھی یہ کام تب کرتے ہیں جب اس کی واقعی ضرورت ہو اور دین کو اس کا فائدہ ہو۔ ہمارے ساتھی اپنے عوام و خواص کے سامنے داعی ہوں۔ داعی برے اعمال کی برائی اور دنیا و آخرت میں ان اعمال کے نتائج ضرور بیان کرتا ہے، مگر یہ سب کچھ سخت ضدی مخالف کے سامنے بھی وہ انتہائی نرمی، دردمندی اور ہمدردی کے ساتھ پیش کرتا ہے اور تب کہیں جاکر وہ مخاطبین کے دلوں میں اپنی دعوت کے لیے جگہ بناتا ہے۔

اگلی اہم بات، علمائے کرام کے احترام سے متعلق عرض کروں گا۔ علماء کے خلاف زبان استعمال کرنے سے ساتھیوں کو روکنا ضروری ہے۔ کسی عالم کی کسی بات سے اتفاق نہ ہو تو اس کے متعلق خاموشی بہتر ہے، اگر لوگوں کو بات واضح کرنے کی ضرورت ہو تو اس عالم کا نام چھوڑ کر، صرف

اُس خاص موضوع پر کسی اور عالم کی مدلل بحث پیش کرنا کافی ہو جاتا ہے، مگر اس کے برعکس اُس عالم کے خلاف مہم شروع کرنا، اس کے خلاف سخت زبان استعمال کرنا، محفلوں میں اس کا مذاق اڑانا اور اسے موضوع بحث رکھنا یہ کسی طور پر بھی ٹھیک نہیں۔ اس عمل سے خیر پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس سے چونکہ محض نفس کو لذت ملتی ہے، اس لیے دلوں سے نفسِ علم شرعی اور علمائے کرام کا احترام اٹھ جاتا ہے اور اس کا اول وبال خود یہ عمل کرنے والے پر آتا ہے۔ لہٰذا ساتھیوں کی اس حوالے سے بھی خصوصی تربیت ہو۔ اس طرح ضروری ہے کہ تمام اہل دین، ہمارے حامی ہوں یا مخالف، سب کے ساتھ تعامل علم وعدل کی بنیاد پر ہو اور ان کے ساتھ عمومی طور پر خیر خواہی اور خیر کے کام میں تعاون والا تعلق رکھنا ضروری ہے۔

یہ چند بکھری بکھری باتیں تھیں، جو آپ کی خدمت میں پیش کیں، اللہ ان باتوں کے شر سے مجھے اور آپ کو محفوظ فرمائے اور اس کی خیر ہم دونوں کو عطا کرے، آپ رابطے میں رہیے، ساتھیوں کو کیا کچھ آپ پڑھاتے ہیں، کیا موضوعات زیر تربیت لاتے ہیں، اگر یہ یہاں ذمہ داران کو بھجوا دیں تو اچھا ہو گا۔ اللہ آپ سے راضی ہو، دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

جزاکم اللہ خیراً

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۷ ربیع الاول ۱۴۴۳ھ بمطابق ۲۳ اکتوبر ۲۰۲۱ء

☆☆☆☆☆

بقیہ: ہماری ہر بیٹی مسکان ہے

مسلمان بھارت میں اقلیت میں ہیں، مسلمان آج بھارت میں نسلی تفریق وامتیاز کا سامنا کر رہے ہیں.....وہ برما جیسی نسل کشی کے دہانے پر کھڑے ہیں.....بھارت کی انتہا پسند ہندُتوا تحریک سالوں کی منصوبہ بندی کو اب آخری مرحلے میں اتار رہی ہیں.....مگر یہ بات بھارت کے ہر بزدل ومکّار ہندو کو سمجھ لینی چاہیے.....کہ ہم مسلمان ہیں.....وہ مسلمان جنہوں نے صدیوں تم پر حکومت کی.....اور ہم یونہی تمہارے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ ہم لڑیں گے اور آخری سانس تک لڑیں گے.....کیونکہ ہماری ہر بچی مسکان خان ہے!

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

☆☆☆☆☆

بقیہ: کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور.....

دوسری جانب شیخ اسامہؒ و شیخ ایمن الظواہری کی پاکباز وعفیفہ ومطہرہ بیٹیوں اور بیویوں سے لے کر ہماری بہن عافیہ صدیقی تک، لاتعداد مظلوم بہنیں ہیں۔ جو جیلوں میں برسہا برس سے قید ہیں، لیکن آج بھی اپنے اللہ پر اپنے ایمان، رسول ﷺ کی بشارتوں پر یقین اور اسلام ومجاہدین کی سربلندی کا خواب آنکھوں میں لیے، ثابت قدم ہیں۔ میں پوچھتا ہوں صنفِ آہن یہ نہیں تو اور کون ہے، جنہیں برسوں کا قید، اپنوں سے جدائی، اور ہر قسم کا ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی تشدد توڑ نہ سکا۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

☆☆☆☆☆

اپنی تاریخ مرتب کیجیے!

”قوموں کی تاریخیں اُن جری جوانوں کے خون سے رقم ہوتی ہیں جو زمانے کا رخ موڑ دینے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ افغانستان کے کوہساروں میں رقم ہونے والی تاریخ ایسے ہی بلند حوصلہ نوجوانوں کی داستان ہے۔ آج احیائے اسلام کے لیے تن من دھن وقف کرنے کی رِیت قائم کرنے کا سہرا اُن کے سر ہے، جنہوں نے اپنے خون، ہڈیوں اور گوشت سے اس عمارت کی از سرِ نو تعمیر کی ہے۔ اُمت کے دورِ زوال میں ایسے نوجوانوں کا وجود معجزے کا درجہ رکھتا ہے اور یہ معجزہ امت کی نشاۃ ثانیہ کی نوید ہے۔ قومیں اپنی تاریخ کو رقم کرنا فرض گردانتی ہیں تاکہ آنے والی نسلیں ان اقدار کی پاسبان ہوں جن کی خاطر ان کے بہادر سپوتوں نے جان کے نذرانے پیش کیے۔ نئی نسلوں کے کردار کی بہترین تعمیر ان کے رہ نماؤں اور ابطال کی زندگیوں کی داستان سنائے بغیر ممکن نہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت سے ہمیں یہی رہ نمائی ملتی ہے اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل اس روش کی پابندی سکھاتا ہے۔“

(مجدد جہاد، شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ)

تحریکِ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ.....اقامتِ دین کی تحریکات کے لیے ایک عمدہ مثال

مولانا محمد مثنیٰ حسان حفظہ اللہ

الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت تحریک میں یقیناً اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی تمام تحریکات کے لیے اسباق ہیں، تاہم بالخصوص وہ تحریکات جو مسلح جدوجہد میں بظاہر وقتی ناکامی سے دوچار ہوں تو ان کے لیے اس تحریک کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اس تحریر میں اختصار سے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے مراحل کا ذکر اور ہر مرحلے میں ان کی اختیار کردہ حکمتِ عملی کا بیان ہے اور ساتھ تجزیہ بھی ہے۔ (محمد مثنیٰ حسان)

چوتھا مرحلہ؛ معاشرتی جدوجہد کی سیاسی صف بندی اور تحریک کے لیے عملی بنیادوں کی فراہمی

الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۸۰ء میں انتقال فرمایا تو کئی مصاحبین اور شاگرد اپنے پیچھے چھوڑے جو آپ کی فکر پر کاربند تھے۔ یقیناً آپ کی وفات سے قیادت کا خلا پیدا ہو گیا۔ کسی بھی اقامتِ دین کی تحریک کی زندگی میں یہ نازک ترین موقع ہوتا ہے جب اس کی قیادت اور موسسین دنیا سے رخصت ہو جائیں، کیونکہ اس سے قیادت کا خلاء پیدا ہو جاتا ہے اور اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے پیش رو کی فکر کو لے کر کوئی دوسرا اٹھے اور علَم سنبھالے۔ اب اگر قیادت نے اپنے ساتھ ایسے افراد کو کھڑا کیا جو ایک طرف فکر سے بھی ہم آہنگ ہوں اور دوسری طرف قائدانہ صلاحیت سے بھی متصف ہوں، تو قیادت کا خلاء پر ہو جاتا ہے اور درست طریق پر پُر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر تحریک کے قائد نے ایسے افراد ہی نہ کھڑے کیے جو قائدانہ صلاحیت رکھتے ہوں تو تحریک اسی وقت زوال پذیر ہو جاتی ہے، اور اسی طرح اگر قائدانہ صلاحیت کے افراد تو جوڑے مگر فکر میں ہم آہنگی پیدا نہ کی تو تحریک کا رخ بدل جاتا ہے۔ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے بھی بڑا خلاء پیدا ہوا۔ آپ کے رفیقِ خاص قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کئی بزرگوں نے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

> ”جب تک مولوی قاسم صاحب موجود تھے، مجھ کو یقین تھا کہ پہلے یہ ہمارا سر کٹوائیں گے اور پھر اپنا۔ اب تو جہاد کی امید بھی باقی نہ رہی“۔ [1]

تاہم مشیتِ ایزدی سے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فکر اور عملی روح اپنے شاگردوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی جس کے سبب قیادت کا خلاء پُر ہو گیا۔ اور الامام الکبیر کے سب سے نمایاں شاگرد مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں ’حضرت شیخ الہند‘ کے نام سے معروف ہوئے، نے الامام الکبیر کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے علَم اٹھالیا۔ [2]

تحریک کے قیام کے لیے جس معاشرتی جدوجہد کا آغاز الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا، اب اس جدوجہد کی صف بندی کا مرحلہ درپیش تھا۔ ہم پیچھے دیکھ آئے ہیں کہ الامام الکبیر نے برطانیہ کے خلاف جہاد کی تیاری کے لیے اور مراکز کی فراہمی کے لیے معاشرے میں مدارس کا جال بچھایا۔ اب اس سے آگے کام کی دو سطحیں تھیں، اول؛ خود تحریک کے لیے مراکز میں اضافہ کیا جائے اور دوم؛ اس معاشرتی جدوجہد کی سیاسی صف بندی کی جائے۔

چونکہ جہاد کی تیاری کے لیے تعلیمی مراکز قائم کیے گئے تھے، اور اگر ان تعلیمی مراکز کو اپنی ہیئت پر چھوڑ دیا جاتا تو آئندہ کے لیے ان مراکز کا مقصد محض ’تعلیم برائے تعلیم‘ ہی رہ جاتا، اور اعلیٰ مقصد کا حصول فوت ہو جاتا۔ اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ مدارس سے ہی جنگ کا اعلان کر دیا جاتا کیونکہ دینی تعلیم کا ادارہ براہِ راست جنگی مورچے میں نہیں بدل سکتا تھا، یہاں تعلیم و تعلم سے وابستہ سبھی افراد تو جہاد کے لیے تیار نہ تھے۔ ضروری تھا کہ ایک درمیانے مرحلے سے گزرا جائے اور معاشرے کی اس مخصوص دینی محنت کو سیاسی دھارے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے علَم سنبھالتے ہی یہی کام کیا۔ [3] آپ نے تین بنیادی خطوط متعین کیے:

أ. ہم خیال افراد کا دائرہ بڑھایا،

ب. پہلے سے موجود دینی محنت کو معاشرے میں سیاسی وجود فراہم کیا،

ج. تحریک کے لیے مزید مراکز قائم کیے۔

---

[1] یہ الفاظ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائے ہیں۔ دیکھیے: ملفوظات مدنی مرتبہ مولانا ابو الحسن بارہ بنکوی، ص ۱۸۔ مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ’علمائے حق‘ میں یوں لکھا ہے: ”۱۲۹۷ھ میں حجۃ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز کی وفات ہوئی تو امام ربانی نے فرمایا کہ سالارِ قافلہ چل بسا جو کسی وقت خود بھی شہید ہوتا اور ہمیں بھی قربان کراتا“۔ [علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے؛ ص ۸۴]

[2] مولانا میاں اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”حضرت مولانا قاسم صاحب کے علوم و کمالات مختلف فیض یافتہ اور خوشہ چینوں کو نصیب ہوئے، مگر مظہر تام اپنے استاد کے کمالات کے حضرت مولانا شیخ الہند ہی تھے“۔ [حیات شیخ الہند؛ ص ۲۱۶]

[3] مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”میرے مطالعہ اور غور و فکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ عمل تیار کر چکے تھے، اور اسے لباسِ عمل پہنانے کی کوششیں انھوں نے اس وقت سے شروع کر دی تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں“۔ [سرگزشتِ مجاہدین، ص ۵۲۹]

افراد سازی

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت مدرسہ دیوبند میں مدرس دوم تھے، اور اگلے چند سالوں میں آپ صدر مدرس متعین ہوگئے تھے، اور حدیث کی بنیادی کتب کی تدریس آپ سے متعلق ہوگئی تھی۔ یہ سلسلہ پیہم چوالیس سال جاری رہا۔ یہی زمانہ تھا جب دار العلوم دیوبند کی شہرت ہندوستان سے باہر بھی ہوچکی تھی اور ہندوستان کے تمام اطراف کے علاوہ بیرونِ ہند سے بھی طلبہ کی بڑی تعداد شاملِ درس ہوتی تھی۔ یوں طلبہ و مریدین کا ایک بہت بڑا طبقہ حضرت شیخ الہند کے ہاتھ آگیا تھا جس میں آپ نے اپنے ہم خیال افراد پیدا کرنے شروع کیے جو معاشرے کی دینی خدمت کو سیاسی رنگ دینے میں آپ کے ساتھ شریکِ عمل ہو جائیں۔[1]

یوں ایک بڑی تعداد ان شاگردوں کی فراہم ہوگئی جو حضرت شیخ الہند کے ہم خیال تھے۔ ان میں سے چند تو وہ تھے جنھوں نے آپ کی تحریک میں مختلف کاموں کو سنبھالا، ان میں سرِ فہرست سندھ کے مولانا عبید اللہ صاحب، کراچی کے مولانا محمد صادق صاحب، دیوبند کے حلقے کے مولانا منصور انصاری، پنجاب کے مولانا محمد احمد (چکوال) اور مولانا احمد علی لاہوری، سرحد کے حاجی صاحب ترنگزئی، مولانا عزیر گل صاحب اور مولانا سیف الرحمن قندھاری وغیرہ [رحمۃ اللہ علیہم] شامل تھے۔

اپنی معاصر بڑی شخصیات میں سے جنھیں حضرت شیخ الہند نے اپنا ہم خیال بنایا تھا، ان میں سرِ فہرست حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری، مولانا احمد حسن امروہی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم تھے۔[2] اسی طرح خواجہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ الہند کی تحریک سے وابستہ تھے۔

پھر حضرت شیخ الہند نے صرف انھی افراد کو اپنا ہم خیال نہیں بنایا جو آپ کے ہم مشرب تھے، بلکہ معاشرے کے صالح و بااثر لوگوں کو بھی جوڑنا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی دہلی کی بڑی سیاسی شخصیت ڈاکٹر مختار احمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی تھی، اور آپ کے توسط سے حکیم اجمل خاں، نواب وقار الملک، محمد علی جوہر اور مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہم بھی کسی نہ کسی درجے میں تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔[3]

معاشرتی جدوجہد کی سیاسی صف بندی

طلبہ علومِ دینیہ کی تنظیم بندی کی ابتداء تو الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے آخری سالوں میں ہوگئی تھی جب آپ کے شاگردوں بالخصوص حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے 'ثمرۃ التربیت' کے قیام کی اجازت چاہی، اور الامام الکبیر کی اجازت سے یہ تنظیم ۱۸۷۸ء میں قائم ہوئی۔[4] اگرچہ اس تنظیم کی زیادہ تفصیلات تاریخی کتب میں دستیاب نہیں ہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ مدرسہ کے علاوہ اس تنظیم کے قیام کا مقصد دعوتی و سیاسی سرگرمی ہی تھا، تعلیمی سرگرمی کے لیے تو خود مدرسہ ہی کافی تھا۔[5] پھر بالخصوص یہ مدرسے سے فارغ التحصیل طلبہ کی تنظیم تھی۔ اسی کو ہم یہاں تحریک کے لیے 'معاشرتی صف بندی' کا نام دے رہے ہیں۔ یہ تنظیم زیادہ نہ چل سکی، اور ختم ہوگئی۔ ٹھیک انھی خطوط پر کئی سالوں بعد 'جمعیت الانصار' قائم کی گئی۔[6]

جمعیت الانصار کا قیام

حضرت شیخ الہند اپنے ہم خیال افراد کی تیاری میں مصروف تھے ہی کہ ساتھ ہی انھوں نے تعلیمی سرگرمیوں کو سیاسی وانقلابی رخ دینے کے لیے تنظیم سازی کا کام شروع کیا۔ اسی کی

---

[1] حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام خطرات سے قطع نظر کرنا ضروری سمجھا اور 'ہر چہ باد اباد من کشتی در آب انداختم' کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بحر زخار اور ہولناک طوفان میں کود کر آگے بڑھے، اور لوگوں کو ہم خیال اور رفیقِ سفر بنانے لگے..... اپنے تلامذہ اور مخلص مریدوں کو اپنا ہم خیال بناتے رہے"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۵۵۲] آگے صفحے کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: "چونکہ مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تقریباً پچاس برس سے مسندِ تدریس پر متمکن رہے تھے، اس لیے مخلص شاگردوں اور جانباز معتقدوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عموماً انھی لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر مشنِ تحریکِ آزادی میں شریک کیا تھا"۔ [ص ۵۵۳]

[2] مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اکابر سے موثق طور پر سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز نے اس تحریک سے پیشتر حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کو جمع کر کے زمانہ کی موجودہ ضرورتیں ان کے سامنے پیش کیں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے تو ضعفِ قلب کا عذر کر کے معذرت کر دی، اور باقی سب حضرات نے موافقت فرمائی"۔ [علمائے حق؛ ص ۱۳۳]

[3] مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ہندوستان کے دیگر زعماء مثلاً ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی صاحب مرحوم، مولانا ابو الکلام صاحب آزاد حضرت شیخ الہند سے وابستہ تھے۔ ڈاکٹر انصاری تو باقاعدہ حضرت شیخ سے بیعت تھے"۔ [علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے؛ حصہ اول، ص ۱۳۴]

[4] مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "باخبر حضرات واقف ہیں کہ ۱۸۷۸ء میں حضرت شیخ الہند اور آپ کے احباب نے فضلاء اور بہی خواہانِ تحریکِ دار العلوم دیوبند کی ایک جماعت بنائی تھی۔ جس کا نام 'ثمرۃ التربیت' یعنی تعلیم وتربیت کا پھل تھا۔ ایک عرصہ تک اس جماعت نے کام کیا۔ مگر پھر وہ بظاہر سست پڑ گئی۔ اور تیس سال بعد ایک دوسرے نام سے اس کا ظہور ہوا"۔ [اشارہ جمعیت الانصار کی طرف ہے] [علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے؛ حصہ اول، ص ۱۰۲]

[5] مولانا اسجد قاسمی ندوی لکھتے ہیں: "سب سے پہلے آپ نے اپنے استاذ حضرت نانوتوی کی ایماء پر اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۲۹۵ھ میں ایک تنظیم انجمن ثمرۃ التربیت کے نام سے بنائی۔ یہ بظاہر دار العلوم کے ابنائے قدیم کی ایک اجتماعی تنظیم تھی، جو در حقیقت آزادئ وطن اور جہادِ حریت کا اصل مشن آگے بڑھانے کے مقصد سے وجود میں آئی تھی"۔ [حضرت شیخ الہند، شخصیت، خدمات وامتیازات؛ ص ۱۶]

[6] الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے شاگرد اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت الانصار کے مرادِ آباد کے جلسے میں فرمایا: "جمعیت الانصار کی تحریک غالباً اب سے تیس برس پہلے شروع ہوگئی تھی..... لیکن یہ تحریک اس وقت ضروریاتِ زمانہ سے متعلق نہ تھی، اس لیے رک گئی، اور آخر اس کلیہ کی بنا پر کہ ضرورت ہر چیز کو خود بخود پیدا کر دیتی ہے۔ ۱۳۲۷ھ سے اس انجمن کو دوبارہ زندہ کر کے جمعیت الانصار نام رکھا گیا"۔ [علمائے حق؛ حصہ اول، ص ۱۳۴]

مضبوط کڑی ۱۹۱۰ء میں 'جمعیت الانصار' کا قیام تھا۔[1] اگرچہ اس کا بنیادی تعلق دار العلوم دیوبند کے ساتھ ہی تھا، مگر اس تنظیم کی ہمہ گیری ایسی تھی کہ اس سے تحریکِ قاسمی کے افکار پورے ہند میں پھیلنے لگے تھے۔ تنظیم کی جزئیات میں جانا ہمارا مقصود نہیں، اتنا عرض کرتے چلیں کہ تنظیم کے شعبہ جات کے مطالعہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو بڑے مقاصد تھے:

1. فضلائے علومِ دینیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید اور الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہم کی سیاسی فکر عام کی جائے۔ [اور وہ فکر اس کے سوا کیا تھی کہ ہندوستان میں دوبارہ شوکتِ اسلام کے قیام کے لیے جہاد کیا جائے۔]
2. ان افکار کو جلسوں اور موتمرات کے ذریعے معاشرے میں پھیلایا جائے۔[2]

اس تنظیم کا ظاہر و باہر بھی تعلیمی ہی تھا، مگر اس کی چھتری تلے اب خود تعلیم یافتہ طبقے میں سیاسی فکر کی نشوونما تھی اور معاشرے میں اس فکر کا پھیلاؤ تھا۔ اب اس کا ہدف محض طلبۂ مدرسہ نہ تھے، بلکہ معاشرہ تھا۔ اب اپنی فکر کے افراد مدرسہ کے اندر اور باہر ہر دو جگہ بھرتی کیے جا رہے تھے۔ پیہم چار سال تک اس پلیٹ فارم پر کام کیا گیا، کئی بڑے جلسے اور موتمرات ہوئے، اور کئی علمائے کرام کو تنظیمی و انقلابی کاموں میں شامل کیا گیا اور معاشرے میں متعارف کروایا گیا۔

دائرۃ المعارف القرآنیہ

دیوبند کو مرکز بنا کر جمعیت الانصار کے پلیٹ فارم پر چار سال تک مسلسل کام کے بعد حضرت شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی بھیج دیا اور آپ نے وہاں اپنی محنت شروع کی۔ اس کام کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی نے ۱۹۱۳ء میں 'دائرۃ المعارف القرآنیہ' کے نام سے ادارہ قائم کیا۔ مقاصد جمعیت الانصار سے مختلف نہ تھے، البتہ اب مدعو میں مزید وسعت پیدا کی گئی اور عصری تعلیم یافتہ طبقے کو بھی شریکِ درس کیا گیا۔ دائرۃ المعارف میں ایک طرف جہادی روح کے ساتھ قرآن کی تعلیم دی جانے لگی[3] تو دوسری طرف دہلی میں سیاسی جدوجہد کی تنظیم بندی کے لیے مرکز قائم کیا گیا۔ اسی مرکز میں حضرت شیخ الہند نے دہلی کی مسلم قیادت کو اپنی تحریک میں شامل کیا، جن میں حکیم اجمل خاں، نواب وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا آزاد شامل تھے۔[4]

تحریک کے لیے مزید مراکز کی فراہمی

الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی طرز پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شروع سے یہ طرزِ عمل رکھا کہ مدارس قائم کیے جائیں۔ بس یوں سمجھیے کہ حضرت شیخ الہند نے الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کے خطہ عمل کی توسیع کر دی، اور برطانوی اقتدار کے خلاف تحریک کے لیے جا بجا مدارس کا جال بچھانے کی حکمتِ عملی شروع کی۔ بالخصوص جہادی فکر کے حاملین کو مدارس کے قیام پر ابھارا، تاکہ افراد اور مرکز دونوں کی دستیابی کا کام لیا جا سکے۔[5]

مدرسہ دار الرشاد، گوٹھ جھنڈا پیر

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ میں گوٹھ جھنڈا پیر کے اہلحدیث خانوادۂ راشدی کی مدد سے مدرسہ 'دار الرشاد' قائم کیا۔ واضح رہے کہ یہ خاندان سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک میں بھی شامل رہا تھا، اور توحید و جہاد کا بھرپور داعی تھا۔[6]

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اسی زمانہ میں مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی طلب پر دیوبند میں آکر مقیم ہوئے تھے، ان کا مشن یہ تھا کہ دیوبند پر جو تعلیمی فضا محیط ہوگئی تھی اور سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی مجاہدانہ روح جو اس حلقے سے دبتی چلی جا رہی تھی، اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں 'موتمر الانصار' کی بنیاد پڑی"۔ [یادِ رفتگاں؛ ص ۳۸۷] مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "دار العلوم میں حضرت شیخ الہند نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کو بلایا اور یہاں اب فضاؤں میں انقلابی حرکت اور تعلیمی پروگرام میں ایک خاص تبدیلی رونما ہونے کے آثار ہوئے۔ شیخ الہند کے اشاروں پر الانصار کے نام سے ایک انجمن کی تشکیل ہوئی۔ مولانا عثمانی اس کے سرگرم رکن رہے۔ [حیاتِ شیخ الاسلام، ص ۹۹] خود مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "۱۳۲۷ھ میں حضرت شیخ الہند نے دیوبند طلب فرمایا، اور مفصل حالات سن کر دیوبند رہ کر کام کرنے کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ سندھ کا تعلق بھی قائم رہے گا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس جمعیۃ کی تحریکِ تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے"۔ [ذاتی ڈائری؛ ص ۲۰]

[2] مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "دار العلوم میں نصابِ تعلیم میں تبدیلیوں کے ساتھ ایک خاص درجہ تعلیم کھولا گیا تھا جس میں فارغ التحصیل طلبہ کو تبلیغ کے لیے تیار کیا جاتا تھا، اور اس درجہ خصوصی میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب، حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولانا قاسم صاحب کی تصنیفات کا درس دیا جانا بھی شامل تھا"۔ [حیات شیخ الاسلام؛ ص ۹۳]

[3] علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بہر حال مولانا عبید اللہ سندھی کو دیوبند سے ہٹنا پڑا اور دہلی میں مسجد فتح پوری کے ایک گوشہ میں دائرۃ المعارف کی بنیاد ڈالی اور اس میں انگریزی خواں تعلیم یافتوں اور عربی کے فارغ التحصیل عالموں کو قرآنِ پاک کا درس اس جہادی اسپرٹ سے دینے لگے جو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی زندگی کی روح تھی، اور مجاہدینِ سرحد (یاغستان و چمرقند) سے حلقہ اتصال قائم کیا گیا"۔ [یادِ رفتگاں؛ ص ۳۸۹]

[4] مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔ ۱۳۳۱ھ [۱۹۱۳ء] میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا۔ اسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے دہلی لے آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابو الکلام اور محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا"۔ [ذاتی ڈائری؛ ص ۲۰، ۲۱]

[5] مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "میرے اندازے کے مطابق انھوں نے یہ طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں، انھیں جا بجا خصوصاً یاغستان کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درس گاہیں قائم کرنے کی ترغیب دیں"۔ [سرگزشتِ مجاہدین؛ ص ۵۳۰]

[6] مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "اس کے علاوہ مولانا رشید الدین صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا۔ میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں۔ ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انھی سے سیکھا۔ وہ دعوتِ توحید و جہاد کے ایک مجدد تھے"۔ [ذاتی ڈائری؛ ص ۱۶] "دورانِ مطالعہ میں نے مولانا اسماعیل شہید کی سوانح عمری دیکھی۔ اسلامی

ملا صاحب سنڈا کے رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے قیامِ مدارس کی کوشش

اسی طرح ملا صاحب سنڈا کے رحمۃ اللہ علیہ[1] اور حاجی صاحب ترنگ زئی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مدارس کے قیام کی کوشش کی۔ اور اسی مقصد سے یہ کوشش کی گئی کہ تحریکِ جہاد کو مراکز دستیاب ہو جائیں، جہاں سے تبلیغِ جہاد کا کام لیا جائے اور مجاہدین بھرتی کیے جائیں۔[2]

مظاہر العلوم سہارنپور

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنا ہم راز بنالیا تھا جو مظاہر العلوم کے صدر مدرس تھے، اور ہند کے بلند پایہ عالم تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا کہ عملی تحریک کے آغاز میں حضرت شیخ الہند کی مشاورتی مجلسیں یہیں منعقد ہوتی رہیں۔

پھر نہ صرف مدارس بلکہ آپ نے ان کے ساتھ ساتھ خانقاہوں کو بھی اپنی تحریک میں شامل کیا تھا۔ اور کئی شیوخِ طریقت آپ کی تحریک میں شامل رہے۔

رائے پور کی خانقاہ

سب سے بڑی شخصیت تو حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ آپ حضرت شیخ الہند کے ساتھ پوری تحریک میں متفق تھے، اور اپنے مریدین کو بھی حضرت شیخ الہند کا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کرتے ہیں: ”حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب نے کسی موقع پر فرمایا تھا کہ سیاسیات میں جو کچھ مراجعت کرنی ہو، حضرت شیخ الہند کی طرف کی جائے“۔ [سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری؛ ص ۸۰] یہاں تک کہ جب حضرت شیخ الہند عملی تحریک کے زمانے میں حجاز چلے گئے تو تحریک کی سرپرستی آپ ہی کو تفویض ہوئی۔[3]

دین پور شریف اور امروٹ شریف کی خانقاہیں

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ میں حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی والے رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء میں سے خلیفہ ابو السراج غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ تھے، مولانا سندھی کی وساطت سے یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہند کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ یہ دونوں حضرات خود حافظ صاحب کے خلفاء تھے جو بڑے مجاہد اور انگریز کے دشمن تھے۔ یوں رحیم یار خان میں خان پور [دین پور] کی خانقاہ اور سکھر میں امروٹ شریف کی خانقاہ تحریک کا مرکز تھیں[4]۔

یہ صرف ایک جھلک ہے جو ہم یہاں قارئین کو دکھا رہے ہیں کہ کس طرح حضرت شیخ الہند نے دینی درسگاہوں اور خانقاہوں کو اپنی سیاسی تحریک میں ہم آہنگ بنایا اور یوں تحریک کے لیے مراکز فراہم کیے۔ وگرنہ شاید اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو، کیونکہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد ہزاروں میں تھے جو مختلف مدارس میں پھیلے ہوئے تھے اور تاریخ کی کتب میں صریح معلومات درج نہیں کہ ان میں سے کتنے براہِ راست تحریک میں شامل ہوئے۔

تحریکِ قاسمی کا یہ مرحلہ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے شروع ہوا اور پہلی جنگِ عظیم کی ابتداء تک جاری رہا۔ یوں قریباً تیس سال کے لگ بھگ کا عرصہ ہے۔ زمانے کے تقاضوں کے سبب ابتداء میں انتہائی کم رفتار سے معاملے کو بڑھایا گیا، مگر آخری دس سالوں میں حضرت شیخ الہند نے رفتار کو تیز کیا اور پچھلے کئی سالوں کی معاشرتی محنت کو سیاسی تنظیم سازی میں بدلنے کی کوشش شروع کر دی، اور لوگوں سے جہاد پر بیعت لینا شروع کر دی۔[5]

مطالعہ کی ابتداء سے میرا قلبی تعلق مولانا مرحوم سے پیدا ہو چکا تھا۔ دیوبند کی طالب علمی نے بہت سے واقعات اور حکایات سے آشنا کر دیا تھا..... مولانا شہید کے مکتوبات میں سے ایک مضمون لے کر میں نے اپنا مختصر سیاسی پروگرام بنالیا۔ وہ اسلامی بھی تھا اور انقلابی بھی..... اور اس طرح اپنے خیال کے موافق آہستہ آہستہ کام کرنا شروع کر دیا“۔ [ص ۱۸] ”۱۳۱۵ھ میں دیوبند پہنچا..... بعض مسائلِ جہاد کے ضمن میں ہماری اس جماعت کا بھی ذکر آیا۔ حضرت مولانا [یعنی حضرت شیخ الہند] نے اسے بہت پسند فرمایا، اور چند اصلاحات دے کر اسے اتحادِ اسلامی کی کڑی بنا دیا۔ اس کام کو جاری رکھنے کی وصیت کی..... اس کے بعد مدرسہ بنانے کی کوشش جاری کی۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمارا کام بغیر مدرسہ کے چل نہیں سکتا تھا۔ اس کے لیے دوسری جگہ کی تلاش میں تھا، کہ حضرت مولانا راشد اللہ العلم الرابع نے ۱۳۱۹ھ میں میری تجویز کے موافق مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا۔ یہ نام بھی [یعنی دار الرشاد] میری تجویز سے مقرر ہوا“۔ [ص ۱۹]

[1] مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ان ملا صاحب کا اسم گرامی علی احمد تھا۔ چکیسر کی طرف دریائے سندھ کے کنارے پر 'سنڈا کے' نام ایک گاؤں ہے، ملا صاحب اسی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ زہد و عبادت میں انھیں اونچا درجہ حاصل تھا۔ اہلِ سوات نے نواب دیر کے تصرف سے آزادی حاصل کرنے کے لیے تنظیمات کا سلسلہ شروع کیا تو ملا صاحب کو اپنے یہاں لے آئے“۔ [سرگزشتِ مجاہدین؛ ص ۵۲۱] سوات میں انگریزوں کے خلاف جنگوں میں شریک رہے۔

[2] مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ملا صاحب سنڈا کے نے بھی حضرت شیخ الہند سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے جب کام شروع کیا تو ابتداء میں ایک اہم اسلامی درس گاہ ہی قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ حاجی صاحب ترنگ زئی شیخ الہند سے استفادہ کر چکے تھے۔ ان کے پیشِ نظر بھی درس گاہیں قائم کرنے ہی کا سلسلہ تھا“۔ [سرگزشتِ مجاہدین؛ ص ۵۳۰]

[3] حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ان ہی ایام میں اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے ذمے حضرت شیخ الہند کی غیوبیت میں ان کی تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی“۔ [آپ بیتی؛ ص ۲۸۲]

[4] مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جب جلاوطنی کے بعد وطن واپس لوٹے تو دوبارہ یہیں آباد ہوئے، اور آپ کی قبر مبارک بھی دین پور شریف میں خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے سنگ میں ہے۔ راقم الحروف کو ۲۰۱۴ء کے اخیر میں دین پور کی زیارت کا موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ ان مجاہد مشائخ کی جائے سکونت پر راقم کے دل پر عجیب روحانیت و طمانیت کا احساس جاگزیں ہوا، جو زندگی میں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ نور اللہ مراقدھم وطاب ثراھم وجعل الجنۃ مثواھم۔

[5] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں [اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت شیخ الہند نے حضرت رائے پوری کو ابھی شریکِ عمل نہ کیا تھا]: ”مولانا عبد الرحیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند لوگوں سے بیعتِ جہاد لیتے ہیں، یہ تو بہت خطرناک امر ہے، انگریزوں کو اگر خبر ہو گئی تو دار العلوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور مسلمانوں کا یہ مرکزِ علمی و دینی اجاڑ دیا جائے گا۔ چونکہ مجھ کو اس کی کوئی خبر نہ تھی، میں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور یہ عرض کیا کہ میں خود حضرت شیخ الہند سے پوچھوں گا۔ واقعہ یہی تھا کہ باوجود یہ کہ حضرت مجھ پر بہت زیادہ کرم فرماتے تھے مگر اس وقت تک کسی کارروائی کی خبر نہیں کی گئی..... میں نے رائے پور سے واپسی پر مولانا عبد الرحیم صاحب کا مقالہ ذکر کیا تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا

تحریکِ قاسمی کا یہ مرحلہ یقیناً پوری تحریک میں سے اہم ترین مرحلہ تھا، کیونکہ اس میں ہندوستان میں 'تحریکِ جہاد' کے قیام کی عملی بنیادوں کی فراہمی کا کام کیا گیا جس کے احوال اوپر بیان ہوئے۔ حضرت شیخ الہند کی حکمتِ عملی سے ہمیں درج ذیل باتوں کی طرف بالخصوص رہنمائی ملتی ہے:

اول: اقامتِ دین کی تحریک جب معاشرے میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے ایسے ادارے بنائے جن کا براہِ راست مقصد تصادم یا جنگ نہ ہو، بلکہ ان کا ظاہر عمومی دینی خدمت ہو، تو اس سارے عمل کی نگرانی لازم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اداروں کا بنیادی مقصد وہی مخصوص دینی خدمت ہی نہ بن جائے اور اعلیٰ مقصد فوت ہو جائے۔ اس کے لیے اول ہی قدم پر ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ علم اور فکر کی حد تک جہادی وسیاسی مباحث ایسے اداروں میں فروغ پاتے رہیں اور انھیں زندہ رکھا جائے۔ اگر بروقت یہ کام نہ کیا گیا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کی تحریک کے زیرِ اثر قائم کردہ ادارے خود اقامتِ دین کی تحریک کے پاؤں کی زنجیر بن جائیں اور ان اداروں کی مصالح اقامتِ دین کی مصالح پر غالب آجائیں۔ حضرت شیخ الہند نے اس کی بھرپور روک تھام کی کوشش کی۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے اداروں کے کارپرداز اکثر وہی لوگ ہوں جو تحریک کی فکر سے سو فیصد یکسو ہوں اور ان کے سامنے اہداف بھی واضح ہوں۔

دوم: معاشرے میں اپنی تائید پیدا کرنے اور اس کے بعد اس کے بل پر عملی تحریکِ جہاد کھڑا کرنے کے درمیان میں ایک مرحلہ درکار ہوتا ہے، اور وہ ہے معاشرے میں سیاسی صف بندی کا مرحلہ۔ کسی بھی تحریکِ جہاد کے لیے اس وقت تک کامیابی کے امکانات کم ہوتے ہیں جب تک کہ معاشرے کا اکثری حصہ اس کے ساتھ کھڑا نہ ہو جائے۔ معاشرے میں تائید پیدا ہو بھی جائے تو وہ معاشرہ براہِ راست صرف ایک صورت میں کھڑا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ جب دشمن کی طرف سے جنگی وہنگامی صورت پیدا ہو جائے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر معاشرے کی از خود سیاسی صف بندی کیے بغیر جنگ اور جہاد کی طرف معاشرے کو نہیں لے جایا جا سکتا۔ یہ سیاسی صف بندی سیاسی تنظیم سازی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے اقامتِ دین کی تحریک کے لیے ناگزیر ہوتا ہے کہ وہ معاشرے میں سیاسی تنظیم سازی کرے اور اس کے مطابق افراد کو معاشرے میں متحرک کر دے۔ پھر یہی سیاسی تنظیم آگے چل کر جنگ میں قیادت اور مرکز کا کردار ادا کرتی ہے۔ یہ عمل انتہائی ہوشیاری اور کمال حکمت مانگتا ہے، اور اسی عمل کے ذریعے مختلف دینی ادارے اور معاشرے کے مختلف طبقے ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں اور ایک دھارے میں بہنے لگتے ہیں۔ جس قدر مستحکم صف بندی کی جائے گی، اسی قدر آگے چل کر مستحکم تنظیمِ جہاد کھڑی ہو گی۔ حضرت شیخ الہند نے اپنے تئیں یہ کام بخوبی کرنے کی کوشش کی۔ تاہم بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جس کے سبب بعض خامیاں باقی رہ گئیں اور پھر وقت بھی کچھ تیزی کا متقاضی تھا، جیسا کہ اگلے مرحلے میں بیان ہو گا۔

سوم: اقامتِ دین کی تحریک کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے معاشرے کے عموم مسلمین کو اپنے ساتھ لے کر چلنی والی ہو اور اس کی سیاست ایسی ہو کہ سبھی اس کی قیادت تلے جمع ہو جائیں۔ اس کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کے مختلف الفکر طبقات کو اپنے ساتھ جوڑ لے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قیادت کے یہاں وسعت ہو، اور تنگ نظری یا تعصب نہ ہو۔ اگر کوئی تحریک مسلم معاشروں میں اپنے آپ کو خاص مسلک سے جوڑے جبکہ دیگر مسالک بھی موجود ہوں[1]، اور چاہے کہ دوسرے تمام مسالک بھی اسی مسلک میں خود کو ضم کر دیں، تو ایسی تحریک اول تو اقامتِ دین کی درست فکر سے محروم ہے کہ اس کے یہاں حق کا معیار خود اس کا اپنا فرقہ، طائفہ یا مسلک ہے نہ کہ معیارِ سنت وجماعت، اور دوم یہ کہ جب وہ تحریک کسی خاص مسلک کی چھاپ لے کر اٹھے گی تو دوسرے مسالک ومکاتب کی تائید سے خود ہی ہاتھ دھو بیٹھے گی اور اپنی منزل کو خود دشوار بنالے گی۔

یہ تو ہم نے مذہبی فکر کے اعتبار سے مسلک وفرقہ کے تعصب کی بات کی، جس کے سبب اقامتِ دین کی تحریک مفید نتائج سے محروم رہتی ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحریک کی قیادت اپنی سیاسی سوچ میں بہت محدود ہوتی ہے اور حالات کے موافق اس میں لچک موجود نہیں ہوتی..... واضح رہے کہ شریعت کے دائرۂ سیاست کے اندر کی بات ہو رہی ہے..... اور وہ چاہتی ہے کہ اسی کی سیاسی فکر کی من وعن تابعداری کی جائے۔ واقعاتی دنیا میں ایسی قیادت بھی زیادہ کامیابی حاصل نہیں کر پاتی، کیونکہ ایک تو مباحات کے دائرے میں اس نے تنگی کی، دوسرا مختلف اہل اللہ کی رائے کی اجتماعیت سے جو خیر برآمد ہونی تھی اس کا دروازہ بند کیا، اور تیسرا حالات واحوال کے موافق لچک پیدا نہ کی۔ یہ ایک انتہا کا ذکر ہم نے کیا، اس کی دوسری طرف بھی انتہا ہے جس کا ذکر بھی ضروری ہے؛ وہ یہ کہ قیادت کے یہاں سیاسی فکر میں کوئی بندھن اور حدود ہی نہ ہو، کہ حالات جس طرف بھی کھینچ کر لے جائیں اسی طرف چل دے، اور سیاسی فکر حالات کے ہاتھوں یرغمال ہو۔ ایسی قیادت بھی تحریک کی ناکامی کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت شیخ الہند کو اگرچہ اپنے اساتذہ اور بالخصوص الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بے حد محبت وعقیدت تھی، اور وہ اپنے مسلک میں بہت متصلب تھے، مگر یہ تصلب آپ کی سیاسی تحریک

فرمائی تھی کہ پچاس برس تک یہ دار العلوم قائم رہے، سو بحمد للہ پچاس برس گزر چکے ہیں، اور دار العلوم اپنی خدمات باحسن وجوہ انجام دے چکا ہے۔ میں یہ جواب سن کر دم بخود ہو گیا اور سمجھ گیا کہ جو واقعات نقل کیے جا رہے ہیں، وہ صحیح ہیں۔ حضرت کا اس امر میں پختہ خیال قائم ہو گیا ہے۔ اب اپنے ارادہ سے ٹل نہیں سکتے اور نہ کوئی ہٹا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۲۳]

[1] یہاں ہمارا مقصود اہل البدع نہیں ہیں، جبکہ اہل البدع کے ساتھ بھی تعامل کے اصول اہل السنۃ کے یہاں موجود ہیں، اور ان میں بھی حالات واحوال کے مطابق مصلحت ومفسدہ کی میزان پر عمل کا وسیع میدان ہوتا ہے۔

میں کبھی رکاوٹ نہ بنا اور آپ نے اپنی سیاسی تحریک کا عنوان کبھی 'دیوبندیت' نہ بننے دیا۔ آپ نے دیگر دینی مکاتبِ فکر کو بھی اپنے ساتھ اقامتِ دین کی تحریک میں بھرپور شریک کیا، کیونکہ جس دین کے قائم کرنے کی تحریک ہے وہ تو سبھی کا ساجھا ہے اور سبھی اسی کے دعویدار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سندھ کا اہل حدیث خانوادہ راشدی بھی آپ کے ساتھ شریک ہے، مولانا آزاد کی طرح آزاد طبیعت کا عالم بھی آپ کے ہمراہ ہے، فرنگی محل اور پنجاب کے علماء بھی اپنے مسالک کے ساتھ آپ کے ہمرکاب ہیں[1]، خانقاہی سلسلوں کے بزرگ بھی آپ کے ساتھ ہیں، تو ہندوستان کے معقولی علماء بھی گرویدہ ہیں[2]، اور تو اور علی گڑھ کے جدید تعلیم یافتہ دنیادار بھی آپ کی صف میں شامل ہیں جن میں سے بعض ظاہراً متدین و متشرع بھی نہ تھے[3]۔ نواب وقار الملک، مولانا محمد علی جوہر اور حکیم اجمل خاں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں[4]۔ حضرت شیخ الہند نے ان سب طبقات کو اپنی تحریک میں کامیابی سے شامل کیا۔

پانچواں مرحلہ: تحریکِ جہاد کا قیام

حضرت شیخ الہند اپنی رفتار سے تحریکِ جہاد کی تنظیم سازی اور صف بندی کر رہے تھے، اور لوگوں سے بیعتِ جہاد لے رہے تھے، کہ اسی اثناء میں ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی، جس میں برطانیہ خلافتِ عثمانیہ سے برسرِ پیکار تھا۔ اب حضرت شیخ الہند کے سامنے عملی جہاد کا موقع آن کھڑا ہوا۔ اور انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ اب برصغیر میں برطانوی حکومت کے خلاف مسلح جنگ شروع کر دینی چاہیے۔[5] کیونکہ خلافت کے دفاع کا بھی تقاضا ہے کہ یہاں برطانیہ کے خلاف جنگ کی جائے تو دوسری طرف خود برطانیہ دوسری جگہوں پر جنگ میں مصروف ہے تو اس کے لیے ایک اور محاذ بڑھایا جائے۔ یوں امید تھی کہ خلافت کا دفاع بھی ہو سکے گا اور ہندوستان کی آزادی کے لیے بھی امکانات بن پائیں گے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند نے اپنی ساری سیاسی سرگرمیوں کا محور اب عملی جہاد کے قیام کو بنا لیا، سبھی متعلقین کو براہِ راست جہادی اقدامات کی طرف متوجہ کیا[6]، اور اسی کے لیے حکمتِ عملی بنائی۔

تحریک کے مراکز

حضرت شیخ الہند کی تحریک کے اس وقت تک درج ذیل مراکز قائم ہو چکے تھے:

۱۔ دیوبند؛ جہاں خود حضرت شیخ الہند ابھی تک موجود تھے، اور آپ کے معاون مولانا احمد اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مولانا منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت تک وہیں موجود تھے جو بنیادی طور پر حضرت شیخ الہند کے لیے سفارت کا کام کرتے تھے۔ آگے چل کر جب حضرت شیخ الہند نے یہ مقام چھوڑا تو یہاں کے فروعی کام مولانا احمد اللہ صاحب اور اصل نظامت حضرت رائے پوری کے ہاتھ میں تھمائی[7]۔

۲۔ یاغستان؛ یہاں حاجی صاحب ترنگ زئی رحمۃ اللہ علیہ امیر تھے اور ان کی معاونت کے لیے حضرت شیخ الہند نے اپنے کئی مصاحبین کو بھیجا تھا، جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ وہ ملا صاحب سنڈاکے رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ سوات سے بھی رابطے میں تھے، اور جماعتِ مجاہدین سے بھی اتصال تھا۔

۳۔ دہلی؛ یہاں ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم کاموں کو منظم کرتے تھے۔ جب مولانا عبید اللہ یہاں آئے تو یہ خود ان کے ساتھ معاون ہو گئے، اور آپ کے جانے کے بعد دوبارہ سارے امور کی نگرانی خود کرنے لگے۔[8] بعض امور میں مولانا آزاد بھی شاملِ عمل تھے۔

۴۔ دین پور شریف [رحیم یار خان]؛ خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کی پوری خانقاہ ہی تحریک کا بنیادی مرکز بنی ہوئی تھی۔

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن؛ ایک سیاسی مطالعہ؛ ص ۲۵، ۲۶

[2] مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'احاطہ دار العلوم' والے مضمون میں مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے جو خیر آبادی مسلک کے عالم تھے، اور انھی نے مولانا گیلانی کو حضرت شیخ الہند سے متعارف کروایا تھا۔ [احاطہ دار العلوم میں بیتے ایام؛ ص ۳۸، ۳۹]

[3] اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سیاسی تحریک میں منکرات کی روک تھام کی کوشش ہی نہ ہو۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ حکمت و دانشمندی یہ ہے کہ اقامتِ دین کی تحریک معاشرے کے سبھی صالح عناصر کو اپنے ساتھ شامل کرے، چاہے بعض میں کچھ منکر بھی ہو۔ کیونکہ جس بڑے مقصد پر سب جمع ہوں گے، وہ خود شخصی منکرات کی روک تھام کروا دے گا۔ ہاں، منکرات کی روک تھام کے سلسلے میں قیادت کی بیدار مغزی ضروری ہے۔

[4] یہ تمام وہ لوگ ہیں جو اس وقت ہند کی اعلیٰ سیاسی قیادت تھے، اور انھی میں سے کوئی اس وقت کانگریس میں نظر آتا تھا، اور کوئی مسلم لیگ میں۔ جبکہ گاندھی ابھی تک ہندوستان کی سیاست میں متعارف بھی نہ ہوئے تھے۔

[5] مولانا اسجد قاسمی لکھتے ہیں: "۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم شروع ہوئی، جس میں دولتِ عثمانیہ کو زبردستی گھسیٹا گیا، اور اس کے وجود کو خطرات لاحق ہونے لگے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ ظلم و تشدد کا رویہ اپنایا جانے لگا۔ حضرت شیخ الہند نے اس موقع پر تحریکِ جہاد شروع کرنے کا فیصلہ فرمالیا"۔ [حضرت شیخ الہند، شخصیت، خدمات و امتیازات؛ ص ۱۷]

[6] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی متحرک کر دیا جو دائرۃ المعارف چلا رہے تھے۔ لکھتے ہیں: "حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے اور مولانا عبید اللہ صاحب سے ملاقات کی اور تذکرہ میں فرمایا کہ جبکہ انگریزی حکومت اور اقتدار ہندوستان میں قائم ہے تو جس مدت تک تم اپنی اس تعلیم اور اس مدرسے سے دس بیس آدمی صحیح الخیال مسلمان بناؤ گے اس مدت میں انگریز ہزاروں کو ملحد اور زندیق بنا دیں گے۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب کی سمجھ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اسکیم آگئی اور وہ عالی ہمتی اور تن دہی کے ساتھ تمام ہولناک خطرات کو پس پشت ڈالنے اور ہر قسم کی مصیبتوں کو جھیلنے کے لیے تیار ہو گئے"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۵۵۶]

[7] مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "جب حضرت حجاز جانے لگے تو فروعی کاروبار اور نیچے کی کارروائیوں کا ناظم انھی کو بنا گئے تھے..... اور اصولی اور اونچے مرتبے کی کارروائیوں کا ناظم حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوری کو بنا گئے تھے"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۲]

[8] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "یہ حضرت شیخ الہند کے مشنِ آزادی کی چوتھی برانچ کے (جو کہ دہلی میں تھی) صدر تھے..... ہاں مولانا عبید اللہ صاحب کے نظارۃ المعارف قائم کرنے کے بعد ان کی جدوجہد ایک درجے تک ڈھیلی پڑ گئی تھی، جو کہ مولانا عبید اللہ صاحب کے سفر کابل کے بعد اور ان کی غیبوبیت میں قوی ہو گئی"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۲۱]

۵۔ امروٹ شریف [سکھر]؛ یہاں مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ متحرک تھے۔[1]

۶۔ کراچی؛ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فعال تھے۔

۷۔ چکوال؛ یہاں مولانا محمد احمد صاحب چکوالی رحمۃ اللہ علیہ صدر تھے۔[2]

ان مراکز پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قلبِ ہند دیوبند و دہلی کے علاوہ سرحد، پنجاب اور سندھ کے مسلم اکثریتی علاقوں میں حضرت شیخ الہند کی تحریک کا زور تھا۔[3]

جنگ کی حکمتِ عملی

تحریک کی جو تفصیلات مدون ہوئی ہیں، ان کے مطالعہ اور استقراء سے حضرت شیخ الہند کی ابتدائی حکمتِ عملی کے درج ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں:

اَ. یاغستان کو جہاد کا مرکز بنایا جائے اور وہاں سے برطانوی حکومت کے خلاف جنگ شروع کی جائے،

ب. باقی ہند کے مراکز کو اول جنگ کی رسد و کمک کا مقام رکھا جائے، اور دوم یہاں برطانیہ کے خلاف جنگ میں رائے عامہ ہموار اور سیاسی ماحول مجاہدین کے حق میں کیا جائے اور انقلاب کا ماحول پیدا کیا جائے۔

ج. رفتہ رفتہ جنگ کا دائرہ یاغستان سے دوسرے مراکز کی طرف پھیلایا جائے۔

یہ قریب قریب وہی خطہ عمل تھا جو ہمیں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک میں ملتا ہے۔

مرکزِ یاغستان سے جنگ کی ابتداء

اسی کے پیشِ نظر حضرت شیخ الہند نے مولانا منصور انصاری کے ذریعے حاجی صاحب ترنگ زئی کو پیغام پہنچایا کہ وہ یاغستان پہنچ کر جنگ شروع کر دیں۔[4] پھر یہاں سے اپنے کئی مصاحبین کو یاغستان کی طرف جہاد کی غرض سے ہجرت کروائی، جن میں مولانا سیف الرحمن قندھاری، مولانا فضل ربی، مولانا محمد اکبر، مولانا فضل محمود رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب حضرات وہاں سے جنگ کو منظم کرنے میں لگ گئے۔ علمائے کرام نے ایک طرف جابجا تحریضِ جہاد کے بیانات شروع کیے[5] تو دوسری طرف مقامی قبائل اور خوانین میں اتفاق پیدا کرنے کی سعی کی[6]۔ پھر سب نے مل کر حاجی صاحب کی قیادت میں جنگ شروع کر دی۔[7]

خود حضرت شیخ الہند کا ارادہ یہی تھا کہ یہاں داخلِ ہند کا نظامِ رسد و کمک مستحکم کر کے خود یاغستان تحریکِ جہاد کی قیادت کرنے پہنچیں گے۔ مگر حکمتِ عملی میں کچھ تبدیلی لانی پڑی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

یاغستان کی طرف حاجی صاحب ترنگ زئی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ شروع کر دی۔ دوسری طرف اہلِ سوات نے بھی ملا صاحب سنڈاکے رحمۃ اللہ علیہ اور سید عبد الجبار ستھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ چھیڑ دی۔ تیسری طرف جماعتِ مجاہدین کے مرکز 'چمر قند' کے مجاہدین بھی ان کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے[8]۔

---

[1] مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "موصوف خدا رسیدہ، متقی اور پرہیز گار، نہایت جوشیلے بزرگ تھے۔ اطراف وجوانبِ سکھر میں ان کا بہت بڑا اثر ورسوخ تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ان کے متوسل اور مرید ان اطراف میں موجود تھے..... ان کا مقام سندھ کے ان اضلاع میں حضرت شیخ الہند کے مشن کا مرکز رہا"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۶]

[2] مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: مشنِ تحریکِ آزادی کی پانچویں برانچ جو کہ پنجاب میں تھی، موصوف اس کے صدر تھے۔ نہایت استقلال اور بے جگری کے ساتھ مشن کے کاروبار میں شریک رہے اور ہزاروں کو ممبر اور ہم خیال بنایا"۔ [نقشِ حیات؛ ۶۲۲]

[3] یہاں یہ بات قابلِ تعجب ہے کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک کی جزئیات میں ہمیں اہلِ بنگال کا کردار نظر نہیں آتا، حالانکہ وہ ہمیشہ کی تحریکات میں موثر کردار ادا کرتے رہے اور کوئی بھی تحریک ان کی شمولیت کے بغیر نامکمل رہی۔

[4] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "واقعہ یہ پیش آیا کہ ۱۹۱۴ء میں جب جنگِ عظیم چھڑ گئی تو حضرت شیخ الہند کی جماعت کے مرکز یاغستان سے جس میں مولانا سیف الرحمن صاحب اور حاجی ترنگ زئی صاحب وغیرہ حضرات وہاں موجود تھے، اور عرصہ سے جماعت کی تنظیمی ضروریات انجام دے رہے تھے۔ ان کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام پہنچا کہ اب سکون سے کام کرنے کا وقت نہیں، میدان میں آجانا اور سر بکف ہو کر کام شروع کر دینا از بس ضروری ہے"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۵۶۲]

[5] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا فضل ربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: "مولانا شیخ الہند نے حکم فرمایا کہ آپ یاغستان (آزاد علاقہ) میں چلے جائیں اور وہاں لوگوں کو جہادِ آزادی کے لیے آمادہ کریں، اور اس کی تبلیغ میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں..... ان کی جوشیلی تقریروں کا وہاں بہت اچھا اثر ہوا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ جانبازی کے لیے تیار ہو گئے۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۸]

[6] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: "حضرت شیخ الہند نے ان کو جہادِ آزادی میں شامل ہونے اور لوگوں کو اس کے لیے آمادہ کرنے کا حکم کیا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یاغستانی خوانین کے آپس کے افتراقات اور پرانی عداوتیں جو ان میں سالہا سال سے چلی آتی تھیں، دور ہوئیں۔ سب میں اتفاق واتحاد پیدا کیا گیا، اور جہادِ آزادی کی صفوف میں کھڑا کیا گیا۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۸]

[7] مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ ذیل امور عمل میں لائے جائیں؛ الف) ان علاقوں کے باشندوں سے آپس کے نزاعات قدیمہ اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے۔ ب) ان میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ ج) ان میں جوشِ جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔ [تحریکِ شیخ الہند؛ ص ۷۴]

[8] تفصیل کے لیے دیکھیے؛ سرگزشتِ مجاہدین؛ ص ۵۲۰ تا ۵۲۸۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "چنانچہ جب حاجی صاحب مرحوم پہنچے۔ مجاہدین کا جمگھٹا شمار سے زیادہ ہو گیا۔ مجاہدینِ چمر قند (حضرت سید احمد صاحب شہید) کی جماعت بھی مل گئی"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۳۰]

بلوچستان میں بغاوت

یہی نہیں، بلکہ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی مرکز سے 'بس بھیلا' [لس بیلا] کے بلوچ قبائل کو بھی آمادہ کر کے بلوچستان میں بغاوت کرادی تھی جس کے سبب وہ فوج اور کمک جو کراچی سے ہر ہفتے عراق جنگ کے لیے جاتی تھی، یہیں مصروف ہو گئی[1]۔

داخلِ ہند میں انقلاب کی تیاری

پھر جنگ کا دائرہ بڑھانے کی تیاری میں تحریک کے مرکز 'دین پور' میں اسلحہ اور کارتوس وغیرہ سامان بہم پہنچا دیا گیا تھا۔ تاہم وہ کام میں نہ لایا جاسکا۔[2] اس کے علاوہ کسی جگہ کی بابت راقم کو معلومات نہیں ملیں کہ وہاں بھی جنگی سامان جمع کیا گیا تھا، تاہم بہت ممکن ہے کہ کئی مقامات پر جنگ کی تیاری کی گئی ہو۔

جنگ کی صورتحال اور حکمتِ عملی میں تبدیلی

ابتداء میں حاجی ترنگ زئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مجاہدین کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، اور کئی جنگوں میں انگریزوں کا بے حد نقصان ہوا۔ لیکن چونکہ مجاہدین بے سروسامان تھے اور انگریزوں کے مقابلے میں ان کی عسکری صلاحیت بہت محدود تھی۔ اس لیے وہاں سے یہ درخواست آئی کہ آزاد مسلم حکومتوں کا عملی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ابھی تک حضرت شیخ الہند کے ذہن میں یہی تھا کہ وہ داخلِ ہند کی انتظامی صورتحال بہتر کر کے خود یاغستان ہجرت کر جائیں گے اور وہاں سے بھرپور جنگ شروع کریں گے، لیکن تازہ صورتحال دیکھ کر حکمتِ عملی میں کچھ تبدیلی لانی پڑی، بالآخر یہ طے کیا کہ ایک طرف خلافتِ ترکی سے تعاون حاصل کیا جائے، اور دوسری طرف افغانستان کی مسلم حکومت کو اس جنگ کی پشت پر کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ثانی الذکر کے لیے مولانا عبید اللہ سندھی صاحب کو تیار کیا کہ وہ کابل چلے جائیں اور اس کی کوشش کریں، اور خود حجاز جا کر وہاں سے خلافتِ عثمانیہ کے وزیرِ حرب انور پاشا سے ملاقات کا تہیہ کر لیا۔[3] حضرت شیخ الہند کے سفر کا مقصد ترکوں سے بنیادی تائید لے کر واپس مرکز یاغستان پہنچ کر جہاد و جنگ کی قیادت کرنا تھا[4]۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز اور ترکی خلافت کا تعاون

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص رفقاء کے ساتھ مشاورت کی، کئی دن تک مدرسہ مظاہر العلوم میں مشورہ ہوتا رہا۔[5] بالآخر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب بنا کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز کے سفر کا عزم کیا، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سفر کا حکم ہوا، نیز بعض دیگر اصحاب بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ یوں حضرت شیخ الہند کا قافلہ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ میں حجاز پہنچا۔ حج کے مناسک بھی ادا کیے اور مکہ معظمہ میں ہی خلافتِ عثمانیہ کی طرف سے گورنر حجاز 'غالب پاشا' سے ملاقات کی۔ ملاقات میں حضرت شیخ الہند نے اپنا مقصد بھی بیان کیا اور اس کے لیے خلافت کے وزیرِ حرب انور پاشا کی ملاقات کی استدعا کی۔ غالب پاشا نے حضرت شیخ الہند کی تمام باتوں کی تائید کی۔ اپنی حیثیت سے ایک تحریر اہلِ ہند کے نام لکھی جس میں انھیں انگریزوں سے آزادی کے لیے اٹھنے کی ترغیب تھی، یہ تحریر ہندوستانی تاریخ میں 'غالب نامہ' کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح انور پاشا سے ملاقات کے لیے حضرت شیخ الہند کی استنبول روانگی کی بھی ترتیب طے کی۔

حضرت شیخ الہند مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے، مناسک بھی ادا کیے اور وہاں استنبول جانے کی تیاری میں تھے کہ خلافتِ عثمانیہ کے وزیرِ حرب انور پاشا اور گورنر شام جمال پاشا مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ چنانچہ وہاں ان دونوں سے تخلیہ میں ملاقات ہو گئی۔ ان دونوں نے بھی غالب پاشا کی طرح حضرت شیخ الہند کی تحریک کی حمایت کی اور پورے ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کرنے پر زور دیا، تاکہ عالمی ممالک کی کانفرنس میں خلافت اس نکتے کو اٹھا سکے اور ہند کی آزادی

---

[1] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: "ایامِ جنگِ عمومی میں جبکہ انگریزوں نے عراق پر حملہ کیا تو انھوں نے اور ان کے رفقاء نے بس بھیلا وغیرہ کے بلوچستانی قبائل سے بغاوت کرادی۔... جب بلوچستان اور بس بھیلا وغیرہ میں بغاوت ہو گئی تو وہ فورس اور فوج جو کہ بصرہ جا رہی تھی، اس داخلی بغاوت کے رفع کرنے کے لیے سندھ میں اتار دی گئی"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۷]

[2] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "دین پور شریف بھی اس تحریکِ آزادی کا مرکزِ ثانوی تھا..... انقلاب کی تیاری کے جملہ سامان یہاں جمع کر لیے گئے تھے، اور مزید کوششیں جاری تھیں"۔ [نقشِ حیات؛ ص ۶۱۵]

[3] مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "یاغستانی مرکز سے پہلے سے تقاضا بار بار یہ ہوتا رہا تھا کہ حضرت شیخ الہند مرکز آجائیں تو اطراف وجوانب سے مجاہدین ایسے جمع ہو جائیں گے کہ تفرق کا خطرہ نہ رہے گا..... مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو مالی امداد کی وجہ سے اس کی مصلحت معلوم نہ ہوئی کیونکہ مرکز کو اس کی مالی امداد کی ضرورت زیادہ تھی اور دیوبند میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی وجاہت سے مالی امداد خفیہ طور سے حاصل کی جائے، اس لیے توقف فرمایا۔ اخیر میں جبکہ جہاد کی عملی کارروائی شروع ہو گئی تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بالکل جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ مگر پھر خبر آئی کہ رسد اور کارتوسوں کے ختم ہو جانے کی بنا پر ضروری ہے کہ کوئی باقاعدہ حکومت پشت پناہ ہو جو کہ رسد اور ہتھیار پہنچاتی رہے۔ اس لیے یاغستان جانے کا ارادہ فسخ کرنا اور مولانا عبید اللہ صاحب کو کابل بھیج کر اسے مرکز بنانا اور ترکوں کو امداد کے لیے آمادہ کرنا ضروری ہے۔ ثانی الذکر امر کے لیے خود کو منتخب فرمایا"۔ [ص ۶۰۶]

[4] مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مجلس میں فرمایا تھا: "ہندوستان میں گرفتاریاں شروع ہوئیں تو مولانا محمود حسن کو تشویش پیدا ہوئی کہ کہیں بیٹھے بٹھائے گرفتار نہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک کام کا ساز گار زمانہ آگیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہر اقدام کے لیے آزاد رہیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھے بلا بھیجا۔ دہلی میں ملاقات ہوئی۔..... میری قطعی رائے یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہیے۔..... لیکن مولانا محمود حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ پہلے حجاز جائیں، پھر ترکوں سے ربط ضبط پیدا کر کے ایران وافغانستان کے راستے یاغستان پہنچ جائیں جسے وہ آزادی کے لیے تمام سرگرمیوں کا مرکز بنانا چاہتے تھے"۔ [شیخ الہند مولانا محمود حسن؛ ایک سیاسی مطالعہ، ص ۳۳]

[5] مولانا شیخ الحدیث حضرت زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "حضرت شیخ الہند کا سفر حجاز کو روانگی سے قبل قیام ایک ہفتہ مدرسہ مظاہر علوم ہی میں رہا اور اعلیٰ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا الحاج احمد صاحب رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قیام بھی اس زمانہ میں سہارنپور ہی رہا۔ یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانے میں تشریف فرما ہوتے۔... ان چار حضرات کے علاوہ کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا۔... تین چار دن تک یہی سلسلہ رہا۔ جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہند کی تحریک سے واقف تھے، وہ تو اجمالاً سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے"۔ [آپ بیتی؛ ص ۲۸۲]

کے لیے عالمی سطح پر برطانیہ پر سیاسی دباؤ ڈال سکے۔ اس کے لیے ان حضرات نے یہ یقین دہانی چاہی کہ خود ہندوستان میں کامل آزادی کے لیے سیاسی فضا بنائی جائے۔ ان حضرات نے اس مقصد کے لیے تحریرات بھی دینے کی ہامی بھری، اور بعد میں دیں بھی۔ حضرت شیخ الہند نے ان سے یہ گزارش بھی کی کہ حضرت شیخ الہند کے لیے ایران و افغانستان کے راستے یاغستان پہنچنے کی ترتیب بنادی جائے، تاکہ حضرت شیخ الہند محفوظ طریق پر یاغستان پہنچ سکیں۔ [1]

اب حضرت شیخ الہند کے سامنے عملی کام واضح تھا، اور وہ جس مقصد سے حجاز گئے تھے، وہ حاصل ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ الہند کے سامنے اب درج ذیل امور کی انجام دہی تھی:

اول: غالب نامہ اور دیگر تحریرات جلد سے جلد ہندوستان پہنچائی جائیں اور وہاں پھیلائی جائیں۔ اسی طرح یاغستان بھی پہنچادی جائیں، کیونکہ مسلمانوں کے لیے برطانیہ کے خلاف اٹھنے میں ان تحریرات کا معنوی کردار ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔

دوم: اس موقع پر ہندوستان میں آزادی کی عمومی سیاسی فضا بنادی جائے، اور وہاں کے سیاسی لیڈران اور جماعتوں کو اسی منشور پر چلنے کے لیے تیار کیا جائے۔ [2]

سوم: خود یاغستان پہنچیں تاکہ جہادی تحریک کو مزید مضبوطی سے آگے بڑھائیں، کہ اسی کے زور پر کامل آزادی کا حصول ممکن ہو سکتا تھا۔

حضرت شیخ الہند نے تحریرات کے بھجوانے کا بھی انتظام فرمادیا اور اپنے پیغامات بھی ہندوستان میں اپنے کارندوں اور سیاسی لیڈروں تک پہنچادیے۔ اب محض اپنے سفر یاغستان کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ یہ ۱۹۱۵ء کے اواخر کی بات ہے۔ گویا یہاں تک سفر حجاز کامیاب رہا۔

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر کابل

حضرت شیخ الہند نے حجاز روانگی سے قبل مولانا عبید اللہ سندھی کو..... جو اس وقت دہلی کے مرکز میں مصروف تھے..... کہا کہ وہ کابل چلے جائیں۔ آپ کے ذمے دو بنیادی کام تفویض ہوئے؛ اول: افغانستان کی مسلم حکومت کو آزادئ ہند کے لیے قائم تحریکِ جہاد کی پشتیبانی کے لیے تیار کیا جائے، دوم: یاغستان کی تحریکِ جہاد کے لیے جنگی کیمپ بنایا جائے۔ [3] مولانا عبید اللہ سندھی اگست ۱۹۱۵ء میں افغانستان میں داخل ہوئے۔ [4] خاصی محنت سے آپ نے وہاں کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ تاہم امیر حبیب اللہ برطانیہ سے خائف تھا اور اس کی طرفداری بھی کر رہا تھا۔ اس لیے وہ خاص حمایت پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ نائب السلطنت امیر امان اللہ حمایت کرتے رہے۔ انھی کی حمایت سے مولانا عبید اللہ سندھی نے 'جنود اللہ' کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس میں ہندوستانیوں کو شامل رکھا۔ جب تک امیر حبیب اللہ حاکم رہا، تحریکِ آزادی کو کچھ خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ برطانیہ اور امیر کی مشترکہ سازش سے یاغستان کا جہاد بھی کمزور پڑ گیا۔ کیونکہ برطانیہ نے وہاں یہ پروپیگنڈا کیا کہ امیر کے بغیر جہاد نہیں، اور مسلمانوں کا امیر تو امیر حبیب اللہ ہے۔ دوسری طرف یہ امیر حبیب اللہ اپنی بیعت کے لیے وکیل بھجواتا رہا کہ یاغستان کے تمام لوگ اس کی بیعت کریں، اور جب وہ اعلانِ جہاد کرے تو جہاد شروع کیا جائے۔ برطانیہ سے ساز باز کے سبب امیر حبیب اللہ نے اعلانِ جہاد نہ کیا اور وہاں کے مخلص مجاہدین کا عملی جہاد بھی رک گیا۔ [5]

البتہ ہندوستان کی آزادی کی کچھ سیاسی حمایت ہو سکی۔ وہ اس طرح کہ امیر نے راجہ مہندر پرتاب کی قائم کردہ حکومتِ موقتہ ہند کی رسمیت مان لی تھی۔ مولانا عبید اللہ نے یہی بات ریشمی رومال پر لکھ کر حضرت شیخ الہند کی طرف بھجوائی تھی جو پکڑی گئی۔ حضرت شیخ الہند اس صورتحال سے بے خبر تھے، اور حکومتِ موقتہ کی تجویز اور اس میں شمولیت نہ حضرت شیخ الہند

---

[1] حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سفر حجاز کی جملہ تفصیلات مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی 'سفر نامہ اسیر مالٹا' اور 'نقشِ حیات'، اور مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی 'تحریکِ شیخ الہند' میں موجود ہیں۔ انھی کا خلاصہ یہاں بیان ہوا ہے۔ واقعات کی تصدیق کے لیے ان مصادر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

[2] یہاں عبرت کے لیے یہ درج کرتے چلیں کہ گاندھی صاحب نے تو پہلی جنگِ عظیم کے دوران ۱۹۱۷ء میں برطانوی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تحریضی مہم چلائی تھی، اور برطانیہ کے دفاع کو ہندوستان کی بھلائی کے لیے ناگزیر بتلایا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے؛ گاندھی صاحب کے سیکرٹری مہادیو ڈیسائی کی Day to day with Gandhi کی پہلی جلد۔ یقیناً اللہ والوں کی سیاست کی تو اخلاقیات ہی الگ ہوتی ہیں اور وہ شریعت کے اصول کے مطابق ہی ہوتی ہے، سیاست برائے سیاست نہیں ہوتی۔

[3] یہ درست ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے آغاز میں کابل جانے سے تردد ظاہر کیا اور اس کا سبب واضح منصوبے کا نہ ہونا تھا۔ ہم اس کی یہی تعبیر سمجھتے ہیں کہ منصوبے کی کامیابی کے لیے موجود وسائل ناکافی تھے، نہ کہ منصوبہ ہی کوئی نہ تھا۔ منصوبہ تو واضح تھا، لیکن نہ معتمد روابط تھے اور نہ ہی کابل کے سربراہوں کا دقیق مطالعہ، کہ جن کی بنیاد پر منصوبے کی کامیابی کے امکانات جانچے جاسکیں۔ بس توکلاً علی اللہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوادیا تھا۔

[4] کابل کے واقعات بہت ہیں، مگر ہم یہاں صرف سرسری انداز میں انھی واقعات کا ذکر کریں گے جو براہِ راست حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے وابستہ ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے؛ مولانا عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی ڈائری۔ یہاں بیان کردہ واقعات کا مصدر بھی یہی ہے۔

[5] مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "انگریزوں نے کافی روپیہ امیر کو دیا کہ یاغستان میں تقسیم کرے اور اپنی سلطنت کے نام قبائلِ افغانیہ سے بیعت نامہ حاصل کرے۔ اور پشاور میں افغانوں کو کہا جاتا کہ امیر کابل جہاد کرے تو اس وقت بے شک جہاد میں شریک ہو جاؤ، لیکن بغیر بادشاہ کے جہاد ناجائز ہے، اس لیے عام بدنظمی سے پرہیز کرو۔ اس طرح حاجی ترنگ زئی اور دوسرے مجاہدین کا کام رک گیا۔ بلکہ حاجی ترنگ زئی کے آدمی اور ہندوستانی مجاہدین کے کارندے سب اسی کام پر مامور ہو گئے کہ وہ امیر کابل کے نام بیعت نامے حاصل کریں۔ یہ انگریزی روپیہ انھی لوگوں کے ہاتھ یاغستان میں تقسیم ہوا"۔ [ذاتی ڈائری؛ ص ۱۲۶] جماعتِ مجاہدین کے وکیل مولانا محمد بشیر صاحب بھی یہ بیعت ناموں والی خدمت انجام دیتے رہے، جیسا کہ مولانا غلام رسول مہر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "چنانچہ وہ یاغستان چلے گئے اور تھوڑی ہی مدت میں وہاں کے اکثر ملاؤں اور سرداروں سے امیر صاحب کے نام بیعت کے خطوط حاصل کر لائے"۔ [سرگزشتِ مجاہدین؛ ص ۵۴۵]

کے مشورے سے تھی اور نہ ان کا مطمح نظر۔ یہاں تک کہ جب ریشمی رومال پکڑا گیا تو برطانیہ کے دباؤ پر مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر حضرات کو بھی حکامِ افغانستان نے گرفتار کر لیا۔

یوں جو حضرت شیخ الہند کا جو منصوبہ تھا کہ افغانستان کی زمین سے آزادی ہند کی تحریک کو زمینی وسیاسی تائید میسر آئے گی، وہ پورا نہ ہو سکا۔ الٹا تحریکِ جہادِ یاغستان کو نقصان پہنچا۔ گویا سفر کابل اس تحریک میں خاطر خواہ فائدہ نہ دے سکا۔

حجاز میں بغاوت اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری

دوسری طرف جنگِ عظیم میں بھی صورتحال خلافتِ عثمانیہ اور ترکوں کے حق میں نہ رہی اور وہ شکست سے دوچار ہونے لگے۔ دریں اثناء اتحادی حکومتوں کے زیرِ اثر شریفِ مکہ نے عثمانیوں کے خلاف حجاز میں بغاوت کر دی، اور حجاز پر قابض ہو گیا۔ اس نے برطانیہ کے کہنے پر حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ یہ ۱۹۱۶ء کے اواخر میں ہوا۔ حضرت شیخ الہند کو اپنے تین رفقاء کے ساتھ مالٹا کے جزیرے میں لے کر قید کر دیا گیا، جہاں آپ نے قریباً ساڑے تین سال قید گزاری۔ اور جون ۱۹۲۰ء میں رہا ہو کر واپس ہندوستان پہنچے۔

مولانا عبید اللہ سندھی کے ریشمی رومال کے پکڑے جانے سے ہندوستان بھر میں کارپردازانِ تحریک کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی اور اکثر زیرِ حراست آ گئے، دوسری طرف قائدِ اعلیٰ حضرت شیخ الہند بھی گرفتار کر لیے گئے، تیسری طرف مولانا عبید اللہ سندھی کو بھی نظر بند کر دیا گیا۔ اب کوئی دوسرا فرد ایسا باقی محفوظ نہ بچا تھا کہ دوبارہ سے تنظیم بندی کرتا اور قائد کی گرفتاری میں تحریک کو آگے بڑھاتا۔ یوں عملی تحریکِ جہاد رک گئی۔ مگر اس کے باوجود تحریک یکسر ختم نہ ہو سکی۔ حضرت شیخ الہند کے پایۂ استقلال میں اب بھی لغزش نہ آئی، آپ کا عزم پیرانہ سالی کی قید ومشقت سے بھی کمزور نہ پڑا۔ آپ جب رہا ہوئے تو پھر آگے بڑھے، اور اگلہ مرحلہ شروع ہوا۔

تاہم اگلے مرحلے پر بات کرنے سے قبل یہاں ٹھہر کر چند نکات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تحریکِ جہاد کی ناکامی کے اسباب پر طویل کلام ہو سکتا ہے اور اس کے کئی جوانب پر بحث ہو سکتی ہے۔ عسکری زاویوں سے کسی بھی عسکری تحریک کی کارکردگی کو بخوبی جانچا جا سکتا ہے، اور ناکام نتائج کی بابت عملی پہلوؤں میں خامی وکوتاہی کی کئی بنیادیں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ اس تحریک کا عسکری تجزیہ ہماری تحریر کی وسعت سے باہر ہے۔ ہمیں یہاں عمومی اسباق سے غرض ہے، اور اس میں بھی خوبیوں [ایجابی پہلوؤں] کی طرف نشاندہی اور ان کی ترغیب ہمارا مطمح نظر ہے، جبکہ مختصراً سلبی پہلوؤں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ چنانچہ ہم عرض گزار ہیں کہ:

اول: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہند کی تحریکِ آزادی میں جہاد وقتال کا مقام بنیادی اور مسلّم تھا۔ یہ سبق آپ نے اپنے استاذ الامام الکبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ہی سیکھا تھا، اور آغاز سے ہی آپ اس کی تیاری میں مصروف تھے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ غاصب قوت کا مقابلہ قوت سے ہی ہو سکتا ہے، اور اس کی فراہمی کا سب سے اونچا درجہ جہاد وقتال ہے۔ اقامتِ دین کی تحریک کے سامنے اگر باطل اس طرح کھڑا ہو کہ کفر کی بالادستی ہو، تو ایک وقت آتا ہے کہ اس سے تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور جب تک باطل کا سر جہاد [مسلح تصادم] کے ذریعے نہ کچلا جائے، اسلام اور مسلمانوں کے حق میں کما حقہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ جہاد کے بغیر تحریکات کے ذریعے باطل کے مقابلے میں جزوی نتائج ضرور حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن کفر کی مکمل زوال پذیری اور اسلام کا کامل غلبہ نہیں ہو پاتا، باطل اپنی باقیات بچانے میں کامیاب رہتا ہے، اور مسلمان کامل آزادی اور کامل عزت سے محروم رہتے ہیں، جیسا کہ آئندہ آنے والے سالوں میں برصغیر کی تاریخ نے ظاہر کیا۔

اس کا ایک مزید پہلو بھی تھا جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظر آتا ہے، اور وہ یہ کہ جس دین کے اقامت کی تحریک چلائی جاتی ہے، اس دین کا ذروۃ سنام اور اعلیٰ ترین فرض جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اگر اسی کو دین سے نکال دیا جائے تو وہ دین ہی ناقص ہو جائے گا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس اسلام کی بیعت ہی قبول نہ کی جس میں جہاد نہ ہو۔

پس حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ نکتہ واضح تھا، آپ اسی بنیاد پر مسلمانوں سے بیعتِ جہاد لیتے رہے، اور زندگی کے آخری لمحات میں بھی یہی کہتے ہوئے ہم سے رخصت ہوئے کہ:

> ”مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں، مگر افسوس ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں، تمنا تو یہ تھی کہ میں میدانِ جہاد میں ہوتا اور اعلائے کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کیے جاتے“۔[1]

[جاری ہے، ان شاء اللہ]

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ جب مالٹا میں اسیر تھے تو ان کو سخت تکلیفیں دی گئیں۔ حتیٰ کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا: حضرت! کچھ ایسے الفاظ بول دیجیے کہ فرنگی آپ کو تکلیف دینا بند کر دے۔ فرماتے ہیں جب میں نے یہ بات کہی تو شیخ الہندؒ نے میری طرف دیکھ کر کہا: حسین احمد! تم کیا سمجھتے ہو؟ میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلالؓ کا، امام ابو حنیفہؒ کا، امام احمد بن حنبلؒ کا، میں روحانی فرزند ہوں مجدد الف ثانیؒ کا، شاہ محدث دہلویؒ کا، یہ لوگ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں لیکن میرے دل سے ایمان کو نہیں نکال سکتے!

[1] مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقشِ حیات میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ [ص ۶۸۷]

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہٗ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہل باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو الفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یاربّ العالمین! (ادارہ)

نصرانیت (Christianity)

نصرانیت وہ مذہب ہے جو گزشتہ چودہ صدیوں سے اسلام کے خلاف کھلم کھلا لڑ رہا ہے۔ یہ جنگ عسکری میدان میں بھی ہوتی آ رہی ہے اور فکری و نظریاتی محاذ پر بھی۔

نصرانیت کی تعریف:

نصرانیت کی تعریف انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں یوں کی گئی ہے:

"وہ مذہب جو اپنی اصلیت کی نسبت ناصرہ کے باشندے 'یسوع' کی طرف کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب مسیح مانتا ہے۔" (ج ۵، ص ۶۹۳)

عیسائیت کے بنیادی عقائد:

عیسائیوں کے بنیادی عقائد درج ذیل ہیں:

۱۔ عقیدۂ تثلیث
۲۔ عقیدۂ ابنیتِ مسیح
۳۔ عقیدۂ حلول
۴۔ مصلوبیتِ مسیح
۵۔ عقیدۂ حیاتِ ثانیۂ مسیح
۶۔ عقیدۂ رجوعِ مسیح
۷۔ عقیدۂ کفارہ

۱۔ عقیدۂ تثلیث (Trinatarian Doctrine):

عقیدۂ تثلیث سے مراد یہ ہے کہ خدا اقانیم ثلاثہ کا مجموعہ ہے: باپ (خدا)، بیٹا (عیسیٰ) اور روح القدس (مقدس حیات) کا۔

رومی عیسائیوں کے قدامت پرست اور غالب فرقے کیتھولک چرچ کا عقیدہ ہے کہ یہ تین شخصیتیں مل کر ایک حقیقت تشکیل دیتی ہیں۔ بعض فرقے روح القدس (حیات) کی جگہ حضرت مریمؑ کو تیسرا اُقنوم کہتے ہیں۔

۲۔ عقیدۂ ابنیتِ مسیح:

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ خدا بھی ہے۔ یعنی عیسیٰؑ خدا بھی ہیں اور بیٹا بھی۔ کچھ عرصے کے لیے خدا بیٹے کا روپ دھار کر انسان بنے پھر دوبارہ خدا بن گئے، اب مستقل طور پر وہ انسان اور خدا دونوں ہیں۔

۳۔ عقیدۂ حلول (Incarnation):

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفتِ کلام انسانوں کی بھلائی کے لیے حضرت مسیح کے انسانی جسم میں حلول کر گئی تھی۔

۴۔ عقیدۂ مصلوبیتِ مسیح (Crucifixion):

ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کے بیٹے کرائسٹ کو یہودیوں نے حاکم پیلاطس کے حکم سے صلیب پر چڑھا کے قتل کر دیا تھا۔

۵۔ عقیدۂ حیاتِ ثانیہ (Resurrection):

ان کا عقیدہ ہے کہ سولی پر لٹکائے جانے اور قبر میں دفن کیے جانے کے تین دن بعد عیسیٰؑ پھر زندہ ہو گئے اور آسمانوں میں چلے گئے۔ وہاں وہ اللہ کے دائیں ہاتھ پر بیٹھے ہیں۔ قربِ قیامت میں پھر ظاہر ہوں گے۔

۶۔ عقیدۂ کفارہ(Atonement/Redemption):

عقیدۂ کفارہ کا فلسفہ یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دانۂ گندم کھایا تو 'اصلِ گناہ' (The original sin) صادر ہوا جس سے نوعِ انسانی میں اللہ کی نافرمانی کا عنصر پیدا ہو گیا اور نیکی کی قوتِ ارادی کمزور پڑ گئی، اس صورتحال میں بنی نوعِ آدم اللہ کے ہاں سزائے موت کی حقدار بن گئی مگر خدا نے بندوں کو سزا دینے کی جگہ خود اپنے بیٹے کی شکل میں زمین پہ آکر یہ سزا خود جاری کر دی، اس طرح ہر وہ انسان پیدائشی گناہ سے پاک ہو گیا جو یسوع کو خدا مانے اور اس کی قربانی پر یقین کرے۔ (نعوذ باللہ منہا)

اکثر افراد جو اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرتے ہیں وہ کفارے کے عقیدے سے متاثر ہو کر ادھر مائل ہوتے ہیں تاکہ پیدائشی گناہ مٹ جائے۔

نصرانیت کے مآخذ

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے جس کے دو حصے ہیں:

۱۔ عہد نامۂ قدیم

۲۔ عہد نامۂ جدید

۱۔ عہد نامۂ قدیم:(The Old Testament)

عہد نامۂ قدیم یا عہدِ عتیق تورات، زبور اور ان کے ملحقات پر مشتمل ہے۔ یہ صرف برکت کے لیے ہے اس پر عمل نہیں ہو گا۔

۲۔ عہد نامۂ جدید:(The New Testament)

عہد نامۂ جدید یا انجیل عیسائی مذہب کا اصل ماخذ ہے۔ عیسائیوں کے پاس موجود انجیل وہ ہے جو رفعِ مسیح ک ۳۲۵ سال بعد پادریوں کے مشہور اجتماع 'میقاوی کونسل' میں منتخب کی گئی تھی۔ حالانکہ اس کے اصل انجیل ہونے کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں تھا۔ عہد نامۂ جدید ۲۷ کتب کا مجموعہ ہے جن میں سے چار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ انھیں کو 'اناجیل اربعہ' کہا جاتا ہے۔ ان کے نام انجیل متیٰ، انجیل مرقس، انجیل لوقا اور انجیل یوحنا ہیں۔

موجودہ اناجیل اربعہ کی حیثیت:

اناجیل اربعہ سمیت بائبل میں شامل کسی بھی انجیل کی حیثیت ایسی نہیں ہے کہ وہ کسی بھی لحاظ سے اللہ کا کلام ثابت ہو یا اسے وہ انجیل قرار دیا جاسکے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ قریبی دور میں کئی عیسائی محققین کا بھی یہ موقف ہے کہ بائبل اور انجیل اللہ کا کلام نہیں، بلکہ یہ حواریوں کے مکتوبات ہیں جن میں انھوں نے یسوع سے اپنی ملاقاتوں کی روداد بیان کی ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا میں ہے:

"یہ بات متنازعہ ہے کہ کتب مقدسہ میں درج ہر بات الہامی ہے یا نہیں۔" (ج ۱۱، ص ۲۴۷)

نصرانیت کی عبادات اور رسومات

نصرانیت میں عبادت کا یہ اصول ہے کہ عبادت چرچ میں اجتماعی طور پر ہی ہو سکتی ہے۔ سب سے مشہور عبادت 'حمد خوانی' ہے جس کی ادائیگی کے لئے صبح و شام چرچ میں جمع ہوتے ہیں۔ بائبل سے زبور کے گیت پڑھے جاتے ہیں۔

جب کوئی شخص عیسائیت قبول کرتا ہے تو اس سے عیسائی عقائد کا اقرار لینے کے بعد اس کے جسم پر ایک خاص تیل کا مساج کیا جاتا ہے اور ایک نیا لباس پہنایا جاتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ پرانا لباس اتارتے ہی وہ پیدائشی گناہ سے پاک ہو گیا ہے، یہ عمل بپتسمہ کہلاتا ہے۔

ہر اتوار کو چرچ میں دعائیہ اور حمدیہ مجلس ہوتی ہے جس کے بعد روٹی اور شراب سامنے رکھ کر پادری باپ، بیٹے اور مقدس روح سے برکت کی دعا کرتا ہے، حاضرین میں روٹی اور شراب تقسیم کی جاتی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق روٹی مسیح کا بدن اور شراب ان کا خون بن جاتی ہے۔

ہر سال ۳ مئی کو 'بازیافتِ صلیب' کا تہوار، ۲۵ دسمبر کو ولادتِ مسیح کا تہوار کرسمس، ۲۲ سے ۲۵ مارچ تک حضرت مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کی خوشی کا تہوار ایسٹر، اور ایسٹر سے قبل آنے والے جمعہ کو مسیح کو سولی دیے جانے کا تہوار گُڈ فرائیڈے منایا جاتا ہے۔

موجودہ عیسائیت کی بنیاد

موجودہ عیسائیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے ایک شاگرد پولس نے رکھی جسے سینٹ پال بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں کی صحبت نہیں پائی تھی بلکہ ان کا دشمن رہا تھا مگر بعد میں ایمان کا اظہار کر کے عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بگاڑنے کے لیے مسیحی بزرگ کا روپ دھارا تھا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو موجودہ انجیل عہد نامۂ جدید سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ پولس کی تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے متضاد ہیں۔

مثلاً:

☆ عیسیٰ علیہ السلام نے توحید پیش کی: 'مرقس' باب ۱۲، نمبر ۲۹ میں ہے: "خداوند ہمارا ایک ہی خدا ہے"۔ اس کے مقابلے میں پولس نے تثلیث کا عقیدہ پیش کیا۔

☆ عہد نامۂ جدید میں ساٹھ کے لگ بھگ مقامات پر عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو ابن آدم کہا ہے، مگر پولس نے مسیح میں خدا کے حلول کر جانے کا عقیدہ پیش کیا اور انہیں خدا کا حقیقی بیٹا قرار دیا۔ وہ کہتا ہے:

"الوہیت کی ساری معماری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔" (کلسیّون، ب ۲، نمبر ۹)

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کی تصدیق کرتے تھے، بائبل میں ان کا ارشاد مذکور ہے: "یہ نہ سمجھو میں تورات کو منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" (متّی، باب ۵، نمبر ۱۷)

مگر پولس نے تورات کی تردید کی اور کہا: "مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا، اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھٹکارا دلایا۔" (گلتیون باب ۳، نمبر ۱۳)

بائبل میں جب بھی The Law (شریعت) کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد تورات ہوتی ہے۔

☆ بڑے بڑے حواریوں جیسے یوحنّا، پطرس، برنباس کا پولس سے اختلاف کرنا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ پولس لوگوں کو انجیل کے نام پر گمراہ کر رہا تھا۔

تاریخ نصرانیت

عیسائیت کی تاریخ، بنی اسرائیل کی تاریخ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بنی اسرائیل کئی مذہبی فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بیت المقدس کے قریب بیت اللحم کی بستی میں مریم بنت عمران نامی ایک نیک سیرت کنواری خاتون کے ہاں معجزانہ طور پر ہوئی۔ آپؑ نے شیر خوارگی کی حالت میں لوگوں سے کلام کیا اور بتایا کہ اللہ مجھے کتاب عطا کرے گا اور نبوت سے سرفراز کرے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے مگر یہودی عمومی طور پر آپ پر ایمان نہیں لائے، ان میں دو گروہ بن گئے تھے۔ اکثریت نے یہ کہہ کر کہ تورات کے سوا کوئی چیز قابل عمل نہیں ہے، انجیل کو مسترد کر دیا۔ یہ لوگ یہودی کہلائے۔ جن لوگوں نے آپ کی اتباع کی وہ نصاریٰ کہلائے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگانے اور آپؑ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حواریوں کی آنکھوں کے سامنے آپ کو آسمان پر لے گئے۔ یہودیوں نے آپ کی جگہ مخبر کو آپ کے مشابہ پاکر گرفتار کر لیا اور اسی کو صلیب پر لٹکا دیا۔ بعد میں جب پولس نے نئے لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دی تو اس نے بھی یہود کے عقیدے کے مطابق لوگوں میں مشہور کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھایا گیا تھا۔

عیسائیت کی تاریخ کے تین ادوار

پہلا دور – تبلیغ و ابتلاء:

یہ دور پہلی صدی عیسوی سے تیسری صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں پولس نے تورات کے احکام کو بالکل ساقط قرار دے کر عیسائیت کو نیا مفہوم دیا۔ اکثر لوگ اس کے جھانسے میں آ گئے تھے۔ اس دور کو دور ابتلاء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اپنے عقائد کی اشاعت کے لیے عیسائیوں کو رومیوں کی طرف سے تکالیف سہنی پڑ رہی تھیں کیونکہ رومی کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان رکھتے تھے وہ اس دور میں رفتہ رفتہ ختم ہو گئے یا گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے رہے۔

دوسرا دور – دور مجالس (Age of Councils)

چوتھی صدی عیسوی کو دور مجالس کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں تبلیغ عیسائیت کے اثرات رومی بادشاہوں تک جا پہنچے، اور رومی بادشاہ 'قُسطُنطین' نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس دور میں عیسائی علماء اور پادری مل بیٹھ کر بائبل کی تدوین اور مذہبی عقائد و رسوم کی تعیین کے بارے میں مباحثے اور مذاکرات کیا کرتے تھے تاکہ اپنے مذہب کے اصول و ضوابط مقرر کریں۔ ان نشستوں کو مجالس "Councils" کہا جاتا تھا۔

دور مجالس کی سب سے اہم بات ۳۲۵ء میں نیقیہ (Nicaea) میں منعقد ہونے والی 'نیقاوی' کونسل ہے، جس میں تثلیث کو مذہب کا جزو خاص مان لیا گیا۔

تیسرا دور – انتشار کا دور:

یہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔ اس دور میں بازنطینی رومی سلطنت ایشیائی اور یورپی دو حصوں میں بٹ گئی۔ مشرقی مرکز 'قسطنطنیہ' تھا اور مرکز 'روم'۔ ساتھ ساتھ کلیسا بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ قسطنطنیہ کا کلیسا 'آرتھوڈکس چرچ' کہلایا۔ اس کے پیشوا کو 'بطریق' (Patrick) کہا جاتا تھا۔ روم کا کلیسا 'کیتھولک چرچ' کے نام سے موسوم ہوا جس کے پیشوا کو پوپ کہا جاتا تھا۔ اسی دور میں رہبانیت کا آغاز ہوا، بہت سے عیسائی دنیا سے قطع تعلق اختیار کر کے جنگلوں میں جا بسے۔

قرون اولیٰ، تاریک دور کا پہلا حصہ: (1st Period of Darkness)

عیسائیت کی تاریخ میں ۵۹۰ء سے ۸۰۰ء تک کا زمانہ قرون اولیٰ کہلاتا ہے۔ اس دور کو تاریکی کا دور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں اسلام کے عروج کی وجہ سے عیسائیت کو پورے ایشیا اور افریقہ سے پسپا ہونا پڑا۔

قرون وسطیٰ، تاریکی کا دوسرا دور: (2nd Period of Darkness)

یہ زمانہ ۸۰۰ء (۱۸۴ھ) سے ۱۵۲۱ء (۹۲۸ھ) تک ہے۔ اس دور میں پوپ کے لامحدود اختیارات نے بادشاہوں کو پوپ کا حریف بنا دیا اور مذہب و سیاست میں کشمکش شروع ہو گئی جو تقریباً سات سو سال تک چلتی رہی۔ پادریوں کی اشتعال انگیزی ہی کی وجہ سے اس دور میں صلیبی جنگیں برپا ہوئیں۔ پادریوں کے اس کردار سے متنفر ہو کر یورپی امراء اور حکام میں کلیسا

سے بغاوت کا ذہن عام ہوا اور بادشاہوں نے پوپ کے اختیارات کم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جان ہس اور جیروم کی اصلاحی کوششیں:

اس دوران کئی پادری کلیسا کا نظام بدلنے اور مذہب کو نئے اصولوں پر تشکیل دینے کی تدبیریں سوچنے لگے تھے۔ ان میں جان وائیکلف، جان ہس اور جیروم کے نام نمایاں ہیں۔ جان وائیکلف نے پہلی بار بائبل کا لاطینی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا، جان ہس اور جیروم نے بھی کیتھولک چرچ کے کئی اصولوں کا انکار کیا اور نئی تعلیمات پیش کیں۔ مگر ان کی کوششیں ان کی زندگی میں بارآور نہ ہو سکیں۔

تحریک اصلاح مذہب:(Reformation)

تحریک اصلاح مذہب کا سب سے بڑا قائد مارٹن لوتھر تھا جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بانی بھی ہے، اس نے روایتی مذہبی معتقدات کے خلاف بغاوت کر دی اور تحریک اصلاح مذہب کا آغاز کیا جسے 'ریفارمیشن' کہا جاتا ہے۔ اس کے لغوی معنی 'اصلاح' کے ہیں۔ لوتھر نے پادریوں کی جانب سے معافی ناموں کی فروخت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ معافی کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ اس نے عوام کو حق دیا کہ وہ خود بائبل پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ انھیں پادریوں کی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ لوتھر کے حامیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر ۱۵۲۹ء میں پوپ نے ہار مان لی اور طے پایا کہ ہر حکمران اپنے ملک میں اپنی پسند کے مذہب کو فروغ دے سکتا ہے۔ اس کے بعد یورپ میں 'رومن چرچ' کے مقابلے میں 'پروٹسٹنٹ چرچ' قائم ہو گیا۔

عقلیت پسندی کا دور:

مارٹن لوتھر نے پہلی بار بائبل کی تفہیم میں اپنے پیشروؤں سے اختلاف کی جرأت کی تھی جو بظاہر ایک مثبت کوشش تھی مگر اس نے بائبل پڑھنے اور سمجھنے کا حق عوام کو دے کر آزادی و خودرائی کا ایک دروازہ کھول دیا تھا کیونکہ اس طرح حلال و حرام کا فیصلہ کرنے کا اختیار اہل علم کی جگہ عام آدمی کی عقل کو مل گیا اور یوں عقل کو مذہبی علم پر فوقیت حاصل ہو گئی اور عقلیت پسندی کا دور شروع ہوا جو حقیقت میں الحاد کا دور تھا۔

ولیم شلنگ ورتھ، لارڈ ہربرٹ اور وولٹائر جیسے آزاد خیال مفکرین نے سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں عقلیت پسندی کو یورپ کا مقبول ترین نظریۂ حیات بنا دیا اور مذہب پس پشت چلا گیا۔

تحریکِ تجدد:(Modernism)

'عقلیت پسندی' کے مضمرات دیکھتے ہوئے بعض دانشوروں نے ایک درمیانی راستہ اختیار کیا اور مذہب کو پس پشت ڈالنے کے بجائے اس میں جدت پر زور دیا۔ ان کا خیال تھا کہ بائبل کو ترک کرنے کے بجائے اسے جدید علوم کی روشنی میں پڑھایا جائے اور اس کے معانی کو جدید تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔

جوابی تحریک:(Counter Reformation)

کیتھولک چرچ کی جڑیں کھوکھلی ہوتے دیکھ کر پوپ پال چہارم نے ریفارمیشن تحریک کا جواب دینے اور کیتھولک چرچ کی اصلاح اور تنظیمِ نو کی مہم شروع کی۔ اس کوشش کو 'جوابی تحریک' کا نام دیا جاتا ہے۔

یسوعی تحریک:

اسپین کا ایک جنگجو نواب 'اگنائیش لائیلا' کیتھولک چرچ کی خاطر کچھ کرنے کا جذبہ رکھتا تھا۔ اس جذبے کے تحت اس نے اپنے چند ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ ۱۵۳۴ء میں 'یسوعی فرقے' کی بنیاد رکھی جس کا مقصد زہد و فقر کے اظہار کے ساتھ عیسائیت کی تعلیم اور تبلیغ کا کام کرنا تھا۔ اسی سے 'التنصیر' کی تحریک کا آغاز ہوا۔

تحریک احیائے مذہبِ قدیم:

عقلیت پسندی اور تجدد کی تحریکوں کے رد عمل میں انیسویں صدی میں بہت سے پادریوں نے خالص قدیم مذہبی عقائد و اقدار کی حمایت شروع کی۔ اسے 'احیائے مذہب قدیم کی تحریک' کہا جاتا ہے۔

اکیسویں صدی میں عیسوی کلیسا:

اس وقت دنیائے نصرانیت میں عقلیت پسند، جدت پسند اور قدامت پسند تینوں ہی میدان میں موجود ہیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر تینوں ہنوز سچائی سے بہت دور ہیں۔ سچائی اور حقیقت انھیں صرف اسلام کے دروازے پر آنے سے مل سکتی ہے جو دنیا کا واحد سچا مذہب ہے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

مع الأُستاذ فاروق

معین الدین شامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں، بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ اللہ جو ہمارا ربّ ہے، ہمارا ہے، ہمارا اللہ ہے! اسی نے ہمیں پیدا کیا اور وہی ہمیں موت دیتا ہے اور بلاشبہ اس نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ دیکھے کہ ہم میں سے کون ہے جو بہترین عمل کرتا ہے۔

مع الأستاذ فاروق، استاد احمد فاروق کے ساتھ چند ملاقاتیں، ان کی چند یادیں، ان کی قیمتی باتیں، ان کی بعض ایسی باتیں جو مجھے خاص طور پر اچھی لگیں۔ حضرت استاذ سے آج تک جتنی ملاقاتیں رہیں، سب کا احوال اور سب کی سب تو یاد نہیں، لیکن جتنی ذہن میں تازہ ہیں سب ہی لکھنے کا ارادہ ہے کہ یہ ان شاء اللہ توشۂ آخرت ہوں گی، مجھ سمیت حضرتِ استاذ کے محبّین کے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات، صحیح نیت اور صحیح طریقے سے کہنے والوں میں شامل فرمالے۔ نوٹ: اس سلسلہ ہائے مضامین میں جہاں بھی 'استاذ' کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد شہید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق (رحمہ اللہ) ہوں گے۔

خدایا! 'اُن کا' نورِ بصیرت عام کر دے!

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء.

اللّٰهم وفقني كما تحب وترضى والطف بنا في تيسير كل عسير فإن تيسير كل عسير عليك يسير، آمين!

یہ ۲۰۱۱ء کے اواخر کا زمانہ تھا۔ سردی تھی، بلکہ بہت سردی تھی، زمین پر آسمان سے برف پڑ رہی تھی اور ہم زیرِ زمین رہتے تھے، اپنے کہف میں۔ استاذ کی اہلیہ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ گئی ہوئی تھیں، لہٰذا استاذ ہمیں ہفتے کے ساتوں دن اور دن کے چوبیس گھنٹے دستیاب تھے، زیارت کو بھی اور کچھ کچھ ان سے سیکھنے کو بھی۔ میری میز استاذ کی میز سے بالکل متصل تھی اور ہم اس انداز سے بیٹھتے تھے جیسے مکاتب و مدارس میں طالبِ علم صفوں (rows) میں بیٹھتے ہیں۔ بیٹھنے کا انداز تو طالبِ علموں والا تھا لیکن ایک طرف استاذ تھے اور دوسری طرف ان کا نالائق ترین شاگرد، بہر کیف یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے، وللہ الحمد اور اصل بات تو یہ ہے کہ جنت میں مسندیں محض اللہ کے فضل سے یوں جڑ جائیں جیسے دنیا میں تھیں۔ سبھی کوشش کرتے تھے کہ استاذ کی میز پر رکھے لیپ ٹاپ کی سکرین پر نظر نہ ہی پڑے کہ استاذ کا کمپیوٹر رازوں کا مرکز تھا۔ بہر حال کبھی کبھار نظر پڑ ہی جاتی تھی۔ ایک دن، کہف کے ہمارے اِگلو نما کمرے میں داود بھائی داخل ہوئے تو ان کی بھی نظر پڑ گئی اور داود بھائی کے استاذ سے سوال کے بعد میری نظر بھی پڑ گئی۔ مائیکروسافٹ کمپنی کا ایک سافٹ ویئر ہوتا تھا خاکے (diagrams) بنانے کے لیے Microsoft Visio کی طرح کا جس کا نام اب مجھے بھول گیا ہے۔ اس پر استاذ اپنے مجموعے (جہادی گروپ) کے تنظیمی ڈھانچے کا خاکہ بنا رہے تھے اور عنوان تھا 'کتیبۂ سیّد احمد شہید' ('کتیبہ' جس کا ترجمہ ہم بٹالین کے طور پر کر سکتے ہیں)۔ یہ دیکھ کر داود بھائی نے سوال کیا کہ کیا ہمارے مجموعے کا نام 'کتیبۂ سیّد احمد شہید' ہے؟ جواباً استاذ نے کہا کہ یہ میری تجویز ہے، میں یہ نام شوریٰ کے سامنے پیش کروں گا، اگر شوریٰ نے منظور کر دیا تو ہو گا۔

استاذ کو سیّد احمد شہید سے بہت نسبت تھی۔ گاہے سیّد صاحب کی مثالیں بھی دیتے اور واقعات بھی سناتے۔ استاذ نے سیّد صاحب کے متعلق جو کتابی ذخیرہ تھا سبھی کھنگال رکھا تھا، بلکہ ان کی فکر کو ہضم کر رکھا تھا۔ ساتھیوں کو ان کی تاریخ 'سیرتِ سیّد احمد شہید' مؤلفہ مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ، جو بعداً تاریخِ دعوت و عزیمت کی چھٹی جلد قرار پائی، پڑھواتے تھے اور اس کے علاوہ کوئی ذوق و شوق کا مظاہرہ کرے تو وقائعِ احمدی اور مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ کی 'سیّد احمد شہید'، 'سرگزشتِ مجاہدین' اور 'تحریکِ مجاہدین' بھی پڑھنے کو کہتے۔

ابھی کہف مکمل آباد نہیں ہوا تھا، تب کی بات ہے، میں یہ بات پہلے لکھنا بھول گیا۔ استاذ کے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ (keyboard) کا ڈبلیو 'W' والا بٹن صحیح سے دب نہیں رہا تھا۔ میں نے استادی دکھاتے ہوئے اس کو ٹھیک کرنا چاہا تو بٹن کے نیچے جو باریک سی دھاتی سیخ ہوتی ہے وہ خراب ہو گئی اور بٹن سرے سے ہی کی بورڈ سے جدا ہو گیا۔ اب اس بات کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے روز و شب پڑھنے اور لکھنے کے لیے کمپیوٹر پر گزرتے ہوں۔ استاذ نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ پھر جب مجھے شرمندہ دیکھا اور میں نے جب کئی بار معافی مانگی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، ابھی تو میں ناراض نہیں ہوں، لیکن اس چھوٹے سے واقعے کا دوبارہ ذکر کیا تو ناراض ہو جاؤں گا بس یہ موضوع بند کریں۔ پھر وہ کہف سے اپنے گھر چلے گئے، ان دنوں ڈرون نہیں تھا۔ رات کو میں بہت ہی شرمندہ رہا۔ پھر صبح سویرے اٹھا اور اللہ سے دعا مانگی کہ یا اللہ استاذ تیرے قریبی بندے ہیں، میں پھر کوشش کرتا ہوں، تو یہ بٹن بالکل ٹھیک کروا دے۔ پھر میں اٹھا، دوبارہ بٹن کے نیچے والی سیخ نکالی جو غالباً ٹوٹ چکی تھی۔ پھر ایک پلاس لیا اور اسی چھوٹے سیخ کے ٹکڑے کو کسی نہ کسی طرح موڑ تروڑ کے برابر کر دیا، بٹن کی بورڈ پر بٹھایا تو ٹک کر کے بالکل ٹھیک بیٹھ گیا۔ اس بٹن کے جڑنے سے مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ پھر میں نے خاموشی سے استاذ کا لیپ ٹاپ وہیں رکھ دیا جہاں وہ چھوڑ کر رات کو گئے تھے۔ جب استاذ صبح آئے تو اس واقعے کا بالکل ان پر اثر نہ تھا۔ جب انہوں نے کمپیوٹر کھولا اور ڈبلیو کا بٹن دبایا تو مڑ کر گھور کے مجھے دیکھا اور وہی ان کا خاص انداز سر کو حرکت دینے والا جو میں کبھی حدودِ تحریر میں

نہیں لا سکتا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے پوچھا یہ کیا؟ اس پر میری ہنسی نکل گئی۔ انہوں نے پاس بلایا، پیار کیا اور کہا کہ میں نے رات کو کہا تھا کہ بس اس معاملے کو چھوڑ دیں تو کیوں نہیں چھوڑا۔ بہر حال شاباش دی اور خوش ہوئے۔ بعد میں نجانے کتنا زمانہ یہی کمپیوٹر الحمدللہ چلتا رہا۔

دوبارہ انہی دنوں کی طرف جاتا ہوں جن سے محفلِ ہٰذا کا آغاز کیا تھا۔ ان دنوں ہمارے شعبے میں یہ تحریک شروع ہوئی کہ ہمیں کاموں کو منظم کرنا چاہیے۔ منصوبہ بندی ہو اور کاموں کے لیے وقت کا دورانیہ طے کیا جائے، اہداف مقرر کیے جائیں، شاید راقم ہی اس سب کا بڑھ چڑھ کر وکیل تھا۔ ان دنوں ایک اعلامی دستاویزی فلم کا منصوبہ میرے سپرد کیا گیا تھا۔ دستاویزی فلم بنانا ایک جان جوکھوں کا کام ہے۔ اس پر اتنی ہی محنت لگتی ہے جتنی کتاب لکھنے پر، بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔ بعض دفعہ تعلیق یعنی commentary کے ایک ایک لفظ پر ایک نیا منظر بٹھانا یا set کرنا ہوتا ہے۔ پھر یہ تھا بھی اس بڑے درجے پر میرا پہلا کام۔ اور اگر کوئی جہادی اعلام سے وابستہ ساتھیوں کے 'وسائل' جانتا ہو تو وہ خود ہی سوچ لے کہ یہ کس قدر مشکل کام ہے، جوئے شیر لانا اسی کو کہتے ہیں۔ پھر اگر بندہ ہو بھی میری طرح ضعیف تو اس کا تو کباڑا ہو جاتا ہے۔ اب مجھ سے پوچھ کر، جس منصوبے میں راقم لگا تھا کے لیے ایک ڈیڈ لائن طے کی گئی۔ ڈیڈ لائن آ گئی اور کام آدھے سے زیادہ رہتا تھا۔ میں نے استاذ سے کہا حضرت کام اتنا رہتا ہے اور ڈیڈ لائن سر پر ہے کیا کروں؟ حضرت نے مزاحاً سر ہلایا ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ **'ڈیڈ** لائن!'۔ اب جانتا تو میں تھا کہ یہ مذاق ہے لیکن میرا 'تراہ' نکل گیا کہ کام پورا نہ ہوا تو استاذ ناراض ہوں گے۔ پھر یہ ہوا کہ ٹپ ٹپ آنکھیں بہنے لگیں۔ استاذ نے کہا 'یہ کیا؟ کام کریں بھئی، اللہ مالک ہے! جتنا کام ہوتا ہے کریں، پوری محنت کریں۔ پوری محنت کے بعد بھی اگر یہ وقت پر پورا نہیں ہوتا تو پھر غم نہ کریں، اللہ خیر کرے گا'۔ یوں تسلی ہوئی اور یہ کام ہو بھی گیا۔

اسی کام کے دوران ایک جگہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر تھا اور اس کے لیے میں منظر ڈھونڈ رہا تھا۔ استاذ نے ایک ویڈیو دی اور کہا کہ فلاں مقام پر اس میں مسجدِ اقصیٰ کا ایک منظر ہے وہ ڈال دیں۔ میں نے دیکھا تو مجھے مناسب لگا، لیکن بہت اچھا نہیں۔ اور اسی دوران ایک زیادہ اچھا منظر مجھے مل چکا تھا۔ اب میں اس سوچ میں تھا کہ کیا کروں؟ استاذ کو کہوں کہ نہ کہوں۔ پھر بحمد اللہ یہی فیصلہ کیا کہ بظاہر تکنیکی یا ہمارے ہشام بھائی شہید کی اکثر استعمال کردہ اصطلاح میں جمالیاتی حس کے اعتبار سے شاید یہ منظر میری ناقص نظر میں اچھا نہ ہو لیکن امیر کی خواہش یہی ہے تو اسی کو ڈال دینا چاہیے۔ اگر میں نے کوئی خیر کا کام کیا تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں اور نہ ہی اپنی تعریف یہاں مقصود ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اس میں میرے لیے ایک سبق ہے اور وہ یہ کہ بڑوں کی بات کے سامنے جہاں مناسب ہو تو عرض بھی کر دینا چاہیے لیکن ہمیشہ اپنی ہی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، اس کا نقصان ہوتا ہے، چاہے ہماری اپنی رائے بہتر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کوئی آفاقی اصول نہیں ہے، ظاہر ہے۔ پھر وہی منظر ڈالا تو تب سے اب تک ایک دہائی سے زیادہ کے بعد یہ خیال ذہن میں پختہ ہے کہ اگر کوئی برکت اس کام میں ہوئی تو بس استاذ کی یہی بظاہر چھوٹی سی بات ماننے کے سبب ہوئی۔ اللہ پاک مجھے اور سبھی مامورین کو اپنے امرا کی بات ماننے والا بنائے!

انہی دنوں دیگر متوازی منصوبوں پر بھی کام چل رہا تھا اور یوں استاذ کبھی کبھی ان متعلقہ ویڈیوز کے لیے دیگر ویڈیوز کے مناظر کا انتخاب کر کے دیتے تھے۔ اس عنوان کے ذیل میں شاید چند باتیں مزید آ جائیں۔

پہلی بات۔ ایک دن میں نے استاذ سے کہا کہ جب آپ ان مناظر کا انتخاب کر کے وقت یعنی گھنٹہ، منٹ اور سیکنڈ کے حساب سے نوٹ کرتے ہیں تو ایسے سافٹ ویئر موجود ہیں جن پر آپ ویڈیو دیکھ بھی سکتے ہیں اور ساتھ میں چھوٹے چھوٹ مناظر (clips) کاٹ بھی سکتے ہیں۔ اس پر استاذ نے کہا کہ 'پھر آپ کیا کریں گے؟ اگر میں خود اس کام میں لگ جاؤں گا تو جو کام میرا ہے وہ کون کرے گا؟'۔ بفیضِ استاذ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ لکل فنٍ رجال، ہر کام کے لیے مخصوص افراد ہوتے ہیں۔ کام چھوٹے اور بڑے، حقیر اور اعلیٰ نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک کا اپنا وظیفہ اور اپنی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ چھوٹا کام کرنے والے کا اجر بڑا کام کرنے والے سے زیادہ ہو۔ لیکن اگر نگرانی کرنے والا خود عملی کاموں میں اترے گا تو نگرانی کون کرے گا؟

اسی پر مجھے ایک اور واقعہ یاد آ گیا۔ یہ وزیرستان میں ہمارے آخری سال کی بات ہے، امریکی ایما پر جب آپریشن ضربِ عضب شروع کیا گیا تو اس سے دو ایک ماہ پہلے کی بات۔ ہمارے ایک افغانی بلوچ استاد تھے اور جن لوگوں نے ان سے پڑھا ہے اور جو ان کے ساتھ رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ بڑے ہی بلند استعداد والی علمی شخصیت ہیں۔ وہ وزیرستان تشریف لائے اور وہ کچھ عملی جہادی کام کرنا چاہتے تھے۔ عملی سے ابھی مراد ہے عسکری کام اور اس کے لیے شعبۂ بارود بنانا چاہتے تھے، ویسے وہ خود بارود کے استاد بھی تھے۔ اسی سلسلے میں ان کی القاعدہ کی مرکزی قیادت کے رکن اور القاعدہ کے مسئولِ عام برائے خراسان شیخ ابو دجانہ پاشا سے ملاقات ہوئی، بلوچ مفتی صاحب نے ان کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ میں خود یہ عملی عسکری کام کرنا چاہتا ہوں اور یہ واقعہ مجھے خود بلوچ مفتی صاحب نے سنایا۔ اس پر شیخ ابو دجانہ پاشا رحمہ اللہ، جو امیر نا الکریم، حکیم الامت شیخ ایمن الظواہری (مدّ ظلہ العالی) کے داماد بھی تھے اور بعد میں ایک امریکی ڈرون حملے میں شہید ہوئے نے فرمایا کہ 'میرے محترم شیخ! یہ (عملی) کام تو آپ کے بیٹوں یعنی نوجوان مجاہدین کے کرنے کا ہے، آپ تو ایک عالمِ دین ہیں اور میدانِ جہاد کے مسائل کی نزاکتوں سے واقف ہیں، آپ کا کام تو ان نوجوانوں کی تربیت اور رہنمائی کرنا ہے (التربیة والترشید)!'۔

دوسری بات۔ استاذ کا ذکر چونکہ میں کر رہا ہوں اور میرا میدان دعوت و اعلام ہے، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ استاذ بس اعلام / میڈیا ہی سے وابستہ تھے اور اس بات کی وضاحت میں گاہے بگاہے کرتا رہتا ہوں۔ خیر دوسری بات یہ ہے کہ القاعدہ کے امرا و مشائخ خصوصاً اور ان کے مامورین

عموماً اس بات کا اہتمام کرتے ہیں جب وہ اعلامی کام کریں تو نظر کو بے راہ نہ ہونے دیں کہ سامنے جو آئے اسے دیکھتے رہیں۔ مراد ہے کہ غیر محرم عورتوں کی تصویر کو دیکھنے کا مسئلہ۔ اعلام سے براہِ راست وابستہ دو مشائخ، ایک استاذ اور دوسرے میرے مرشد جنابِ اسامہ ابراہیم غوری اس معاملے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اور یہ احتیاط خاص کر انہوں نے القاعدہ کی مرکزی قیادت کے ایک رکن شیخ ابو عبد الرحمٰن المغربی (حفظہ اللہ ورعاہ) جن کا ایک پچھلی نشست میں راقم شیخ مختار المغربی کے نام سے ذکر کر چکا ہے، سے سیکھی۔ شیخ ابو عبد الرحمٰن المغربی کو اگر کام کی غرض سے ایسی ویڈیوز دیکھنی پڑتیں جن میں غیر محرم عورتوں کی تصویر ہوتی تو اس کے لیے انہوں نے یہ اصول بنا رکھا تھا کہ ویڈیو کے اصل سائز سے اس کو نوّے فیصد کم کر کے یعنی صرف دس فیصد کر کے دیکھتے (یہ دس فیصد والا اصول 4K سائز کے لیے نہیں بلکہ 1K سے بھی کم کے لیے تھا)، مجھے مرشد نے جب شیخ ابو عبد الرحمٰن کی احتیاط کا بتایا تو اپنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے پوروں کو قریب کر کے بتایا کہ اتنے سائز میں اور انگلی اور انگوٹھے کے اس منظر کو جب میں یاد کرتا ہوں اور اپنی انگلی اور انگوٹھا اسی طرح رکھتا ہوں تو ان کے درمیان تقریباً اعشاریہ چھ (0.6) انچ کا فاصلہ تھا۔ یہ تو عمومی اصول ہوا اور مرشد نے بتایا کہ 'شیخ ابو عبد الرحمٰن ایسی ویڈیوز کو بوقتِ ضرورت جب خود دیکھتے تو عام ویڈیو پلیئر کے بجائے ویڈیو ایڈیٹنگ کے ایک سافٹ وئیر ایڈوبی پریمیئر (Adobe Premiere) میں دیکھتے ہیں'، پھر مرشد نے اضافہ کیا کہ 'پریمیئر میں تو ویڈیو دیکھنے کا مزہ ویسے ہی خراب ہو جاتا ہے'۔

اسی سے متصل آخری بات یہ ہے کہ اس طرح کی ویڈیوز دیکھنے کا اختیار بھی ہر کسی کو نہیں دیا جاتا۔ بلکہ اس کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں۔ ایک بار ہمارے ایک محبوب ساتھی جو اس وقت عالمی وار آن ٹیرر (جو افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد ہنوز ہمارے خطے میں جاری ہے) کے کھاتے میں آئی ایس آئی کے زندان میں بند ہیں نے استاذ سے کہا کہ 'یہ عمومی ڈیٹا (جس میں نامحرم عورتیں اور موسیقی ہوتی اور ہمارے یہاں جسے خام مواد یا raw data کہا جاتا ہے) کو اعلام سے وابستہ ہر ساتھی کے لیے کیوں نہیں کھول دیتے تاکہ ساتھی اس سے آئیڈیاز لے سکیں اور دیگر تکنیکی امور وغیرہ میں استفادہ کر سکیں؟'۔ اس پر استاذ نے فرمایا کہ 'یہ دیگر ساتھی جو اعلام کا کام کر رہے ہیں، اس میں کیا **حرام** ہے؟'۔ اس پر یہ ساتھی چونکے اور بولے 'حرام؟!'۔ استاذ نے کہا 'جی..... حرام! نامحرم کی تصویر وغیرہ یہ حرام امور ہیں اور آپ جیسے بعض ساتھیوں کو جو یہ کام دیا گیا ہے کہ اس ڈیٹا کی چھانٹی کریں تو یہ یونہی ہے جیسے کانٹے دار جھاڑیوں سے مفید پھول چننا۔ اصل حکم تو اس کا حرام کا ہی ہے'۔

پچھلی درج بات میں ایک اصول بیان ہو گیا۔ دوسرا اصول ہے کہ غیر شادی شدہ افراد ایسا ڈیٹا ہر گز نہ دیکھیں یعنی یہ کام ان کے حوالے نہ کیا جائے کہ مجردین کے قلب و نفس پر نامحرم کی تصویر کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

تیسرا ہمارے شیخ مکرم استاد اسامہ محمود (حفظہ اللہ ورعاہ) فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ساتھی ایک بار نامحرم کی تصویر دیکھ کر دوبارہ اس کو ریوائنڈ (rewind) کر کے دیکھے تو بس سمجھ جائیں کہ وہ اس کام کا اہل نہیں ہے۔

چوتھا میرے شہید مرشد جنابِ اسامہ ابراہیم غوری کہتے تھے کہ 'ایسا ڈیٹا کسی اور متعلقہ ساتھی کے ساتھ دیکھا جائے، کہ انسان دوسرے انسان کی موجودگی میں فطری طور پر زیادہ حیا کرتا ہے (گو کہ سب سے زیادہ حیا کرنے کے لیے حق دار ذات اللہ پاک کی ہے)'۔

پانچواں ہمارے مرشد کہتے تھے کہ 'استغفار بہت کرنی چاہیے اور یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہر بار نامحرم کی تصویر دیکھ کر قلب پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ جو استغفار کرے اور مزید نہ دیکھے تو یہ مٹ جاتا ہے اور جو دیکھتا جائے اور احتیاط نہ کرے تو یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے۔' اسی سے متصل شیخ اسامہ محمود حفظہ اللہ کی ایک اور بات یاد آ گئی۔ ایک بار کچھ ساتھی امریکی فوج کے سوات میں جاری کچھ پراجیکٹس کی تصاویر صاف کر رہے تھے یعنی ان تصاویر میں عورتوں کی تصویریں تھیں تو ایسے میں شیخ مکرم نے کہا کہ 'نامحرم عورت کی تصویر دیکھ کر نماز تین دن تک مزہ نہیں دیتی'۔[1]

ایک دن میں اسی انداز و ترتیب سے استاذ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ کوئی قاصد استاذ کے لیے کوئی پیغام کسی میموری کارڈ یا یو ایس بی فلیش میں لے کر آیا۔ استاذ نے خط کھولا، پھر ان کی طبیعت پر ایک بوجھ آ گیا اور حالت بدل گئی۔ پیچھے استاذ کے چھوٹے بھائی بیٹھے تھے، وہ بولے 'لگتا ہے کوئی بم پھٹ گیا ہے، خیریت ہے؟'۔

استاذ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، لیکن انہوں نے بتایا کچھ نہیں۔ پھر یونہی کافی عرصہ گزر گیا، بلکہ دو تین ماہ گزر گئے اور میری استاذ کے پاس سے تشکیل بدل کر مرشد کے پاس ہو گئی، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہمارے ایک بڑے قیمتی ساتھی اور عسکری قائد فائز بھائی، جن کا اصل نام شاہد خان تھا کراچی میں 'راؤ انوار گینگ' کے ایک چھاپے میں شہید ہو گئے ہیں اور ان کی اہلیہ اندھیرے زندانوں میں دھکیل دی گئی ہیں۔ اس پر میرے ذہن میں وہ منظر چلنے لگا جب استاذ پریشان تھے اور شدتِ غم سے رو پڑے تھے۔

---

[1] یہاں سوات میں امریکی فوج کے منصوبے کا ذکر آیا ہے تو اس کی وضاحت لازمی ہے۔ راقم جس وقت یہ سطور لکھ رہا ہے تو اس وقت بھی ہمارے پاس وہ تصاویر موجود ہیں جو اسی منصوبے کا جائزہ لیتے اس وقت کے امریکی فوجی چیف جنرل مائیک مولن کے دورۂ سوات کی جھلکیاں ہیں۔ یہ ڈیٹا ہمیں پاکستانی فوج اور پاکستانی انٹیلی جنس اداروں سے وابستہ ساتھیوں نے بھیجا تھا۔ سوات میں امریکی ایما پر پاک فوج نے (کم از کم) دو ادارے قائم کیے ایک سباؤون کے نام سے جس میں نوجوان مجاہدین کی برین واشنگ کی جاتی تھی اور دوسرا 'اسلامک یونیورسٹی آف سوات'۔ ان دونوں اداروں کو امریکی برانڈڈ، رینڈ کارپوریشن کے اسلام کی ترویج کے لیے قائم کیا گیا اور ان اداروں کا دورہ ذاتی طور پر امریکی افواج کا چیف مائیک مولن اور دیگر سہ ستارہ امریکی فوجی افسر، جنرل اشفاق پرویز کیانی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

فائز بھائی سے راقم کی ایک ہی ملاقات ہے، لیکن ان کے بارے میں کافی کچھ سن رکھا ہے۔ ارادہ ہے کہ کسی اور محفلِ استاذ میں اصحابِ استاذ کے ذکر میں ان پر بھی کچھ لکھوں کہ شہیدوں کا ذکر ایک بڑی سعادت ہے۔

ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ استاذ اپنی کرسی پر بیٹھے تھے اور میں ان کے پیچھے نیچے۔ کچھ پریشان تھا۔ استاذ نے دیکھا تو پوچھا کہ کیوں پریشان ہو۔ میں نے کہا کہ میری ایک بہن ہے مجھ سے بڑی۔ لیکن میری والدہ سے نہیں ہے۔ برطانیہ میں رہتی ہے، وہیں ساری زندگی اس نے گزاری ہے اور میرا کبھی اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جب وہ مجھے دیکھے گی تو میری ہر بات مان لے گی۔ میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ اس سے رابطے کی کوئی سبیل پیدا کر سکوں۔ بس اسی کا خیال کبھی کبھی پریشان کر دیتا ہے۔

یہ سن کر استاذ نے ایک لمبی آہ بھری اور کہا کہ 'میری بھی ایک بہن ہے'۔ استاذ کو جو ساتھی جانتے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ استاذ چار بھائی ہیں، یعنی استاذ کے تین مزید بھائی ہیں۔ اس پر میں نے حیرت سے ان کو دیکھا۔ تو انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا، ہونٹوں کو تھوڑا سا بھینچا پھر کہا کہ 'ہاں میری بھی ایک بہن ہے، لیکن وہ میری ہی بہن ہے باقی بھائیوں کی نہیں ہے'۔

میں نے پوچھا رضاعی بہن ہے؟

کہا 'ہاں رضاعی بہن ہے اور مجھے بہت محبوب ہے۔ شادی شدہ ہے (غالباً کہا) اور اس کے بچے ہیں، وہ اپنے گھر میں رہتی ہے، بہت عرصہ ہو گیا کہ اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور ہر بات مانتی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب وہ مجھے ملے گی تو میں اس کے سامنے یہ ساری (جہاد کی) باتیں کروں گا اور وہ ساری مان جائے گی۔ لیکن رابطے کا کوئی وسیلہ نہیں'۔

ع خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

اس مصرع کے ظاہری الفاظ پر کوئی نہ جائے۔ پھر استاذ اور نالائق شاگرد کافی دیر تک بہن بھائیوں، بچپن، رشتے داروں وغیرہ کی باتیں کرتے رہے۔ استاذ نے گپ شپ کے آخر میں کہا کہ 'ایک کام ہم دونوں اپنی بہنوں کے لیے بہر حال و کیفیت کر سکتے ہیں اور وہ ہے دعا اور دعا کو کوئی چھوٹی چیز نہ سمجھے'۔ غمگین تو میں تھا، استاذ کے دل کے تار بھی یوں چھیڑ دیے اور یوں کچھ ان کے دل کا حال معلوم ہو رہا اور ہم غریب الدیار، مہاجروں مسافروں، بے چاروں ولاچاروں کے لیے حل بھی۔

انہی دنوں ایک شام استاذ نے مجھے ایک خاکی لفافہ اور کچھ دیگر خطوط و دستاویزات دیے کہ ان کو جلا دوں۔ استاذ اپنے خطوط وغیرہ یوں جلانے کو اپنے ساتھ موجود ساتھیوں کو دیتے رہتے تھے استاذ نے کبھی کوئی خاص ہدایت نہیں کی کہ ان کو کیسے جلانا ہے اور پڑھنا نہیں ہے۔ سبھی ساتھی پہلے سے اس امر کا خیال رکھتے تھے کہ یہ حکمِ شرعی ہے کہ کسی کے خطوط پڑھے نہ جائیں بلکہ بلا اجازت کسی کے خطوط پڑھنے کے بارے میں غالباً حدیث میں وعید آئی ہے کہ یوں کسی کے خط وغیرہ میں بلا اجازت جھانکنا ایسا ہے گویا جہنم کے کسی گڑھے میں جھانکنا، اللہ ہمیں ایسے گناہوں سے بچائے۔ یہ بہر حال اصولی حکم ہے اور علمائے کرام سے سنا ہے کہ استثناءات یہاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ثانیاً یہ خطوط راز کی باتوں پر مبنی ہوتے ہیں لہٰذا ان کی حساسیت و حرمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ بہر کیف اس طرح کے کام میں یعنی خط تلف کرنے یا مراسل وغیرہ کی نادانستہ نظر اگر خط وغیرہ پر پڑ جائے تو وہ تو خطا ہے اور معاف ہے لیکن قصداً آگے پڑھتے جانا یا پھر اگر کوئی راز ہو تو اس کو فاش کر دینا، بہر حال خیانت ہی ہو گی۔ میں نے سب کاغذات لکڑی جلانے کے لیے استعمال ہونے والے مٹی کے چولہے میں ڈال دیے، اب جب میں نے وہ خاکی لفافہ رکھا تو اس پر جو مخاطب کے لیے نام یا پتے وغیرہ کی جگہ ہوتی ہے وہاں لکھا تھا

أحمد سراقة
عضو مجلس الشورى

اس سے ظاہر ہوا کہ استاذ مرکزی القاعدہ کی شوریٰ کے رکن بھی تھے، عرب ساتھیوں کے یہاں استاذ کا رمزی نام سراقہ معروف تھا اور استاذ جب میدانِ جہاد میں پہنچے تو انہوں نے یہی نام اپنے لیے تجویز کیا تھا۔ بہر کیف میں نے جلدی سے سر جھٹکا اور اس خیال کو بھی 'تقریباً' اس لفافے کے ساتھ جلا دیا اور کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ پھر بہت عرصے بعد ایک دفعہ میں نے مرشد سے پوچھا کہ کیا فاروق بھائی القاعدہ کی مرکزی شوریٰ کے رکن ہیں؟ مرشد نے جواباً کہا کہ 'ایک بار شیخ ابو یحییٰ (اللیبی) نے کہا تھا کہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فاروق بھائی کو بھی مرکزی جماعت کے بعض مشوروں میں شامل کیا جائے۔ فاروق بھائی شوریٰ کے رکن نہیں'۔ اس پر میں خاموش ہو گیا اور پھر واقعتاً اس خیال کو میں نے جلا دیا، یہاں تک کے استاذ شہید ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ یا تو ہمارے مرشد کو بھی واقعتاً اس وقت استاذ کے رکنِ شوریٰ ہونے کی خبر نہیں تھی یا راز کی حفاظت میں انہوں نے بات پھیر دی۔ بہر کیف بعد میں تو بالیقین مرشد کو اس کا علم تھا۔ استاذ کی شہادت کے بعد میں نے اس واقعے کا ذکر مرشد سے کیا اور پوچھا کہ 'جماعت القاعدہ برِّ صغیر کی تشکیل کے بعد بھی کیا فاروق بھائی القاعدہ کی مرکزی شوریٰ کے رکن تھے؟'، تو مرشد کا جواب خزانے سے پُر تھا۔ مرشد نے کہا 'القاعدہ برِّ صغیر کے قیام کے بعد ایک بار مشائخ جماعت الأم (یعنی مرکزی القاعدہ) نے فاروق بھائی کو مجلسِ شوریٰ میں بلایا، لیکن فاروق بھائی نے جواب بھجوایا کہ میں آپ حضرات کا مامور تو ہوں ہی، لیکن اب میں آپ حضرات کا مامور مولانا عاصم عمر کے واسطے سے بھی ہوں، لہٰذا اچھا ہو گا کہ مولانا امیر صاحب کے واسطے سے بھی مجھے پیغام بھیج دیا جائے تا کہ مولانا امیر صاحب خدانخواستہ اس بات کو محسوس نہ کریں، اور ہم میں سے کسی کے دل میں کوئی نامناسب خیال پیدا نہ ہو'۔

(باقی صفحہ نمبر 57 پر)

امیر المومنین کا دورہ اور مسئولین و مجاہدین کو ہدایات

محمد یحییٰ ہلمندی

عالی قدر امیر المومنین شیخ الحدیث و التفسیر مولوی ہبۃ اللہ اخندزادہ نصرہ اللہ نے افغانستان کے مختلف صوبوں کا دورہ کیا اور ذمہ داران، مسئولین اور متعدد مجاہدین سے ملاقاتیں کیں۔

تفصیلات کے مطابق امیر المومنین نے صوبہ قندھار، نمروز، فراہ، ہرات اور ہلمند کا دورہ کیا اور مختلف سطح کے ذمہ داران و مسئولین اور مجاہدین سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ہدایات دیں۔

صوبہ ہلمند کے دورہ کے دوران امیر المومنین اپنے شہید بیٹے کی قبر پر بھی گئے اور دعائے مغفرت کی۔ ان کا بیٹا ان فدائی نوجوانوں میں شامل تھا جنہوں نے صوبہ ہلمند میں قائم امریکی فوجی اڈے 'شوراب' میں فدائی حملہ کیا تھا اور امریکی اور کٹھ پتلی افغان فوج کو زبردست نقصان سے دوچار کیا تھا۔

مجاہدین و مسئولین سے ملاقات کے دوران امیر المومنین نے سب سے پہلے افغانستان میں مجاہدین کی عظیم فتح اور اللہ کی مدد و نصرت سے امریکہ کو تاریخی شکست دینے پر تمام عوام کو مبارکباد دی اور کہا کہ یہ اسلامی نظام بڑی قربانیوں کے بعد حاصل ہوا ہے، اور ہم ہرگز اپنے شہداء کے لہو کو نہ بھلائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ جنگ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے لڑی ہے اور اب جیسا کہ افغانستان میں اسلامی نظام قائم ہو گیا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بیس سالہ جنگ میں قربانی دینے والی مسلمان عوام کی فلاح و بہبود کے لیے دن رات محنت کی جائے۔

امیر المومنین نے تمام انتظامی اور عسکری ذمہ داران کو مندرجہ ذیل ہدایات کیں:

1. گزشتہ نظام میں کام کرنے والے اہلکاروں کو ان کے گزشتہ جرائم پر سزا نہ دی جائے۔
2. اس ملک کا ہر باشندہ ہمارے لیے قابل احترام ہے۔ افغانوں کی قدر و عزت افغانستان سے زیادہ کسی اور ملک میں نہیں ہے، اس لیے کوئی افغانی بھی اس ملک سے نہ جائے بلکہ یہیں رہے۔ مسئولین، علمائے کرام، قومی عمائدین، والیوں (گورنروں) اور ضلعی ذمہ داران سے گزارش ہے کہ ایسے افراد..... جو ملک سے باہر جانا چاہتے ہوں..... کو تحریض دلائیں کہ وہ اس ملک میں ہی رہیں، یہاں ان کی عزت اور قدر کی جائے گی۔
3. تمام افغان عوام اب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں اور ہم سے پر امید بھی ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ ان کے امن و سلامتی اور ان کی عزت کا بھرپور اہتمام کریں۔
4. خود سے مسئولیت یا ذمہ داری کی چاہت نہ کریں اور نہ ہی مانگیں۔ اگر امیر کی طرف سے کوئی ذمہ داری ملتی ہے تو امیر کی اطاعت کریں اور ذمہ داری کو احسن انداز سے نبھائیں۔
5. مرکزی ذمہ داران کی جانب سے مسئولیت ملنے کی صورت میں دیے جانے والے اصول و ضوابط، طرز العمل اور لائحہ پر سختی سے عمل کریں۔
6. اپنی ذمہ داری اس طرح نبھائیں کہ کل عوام کا سامنا کر سکیں۔
7. ذمہ داری کو احسن انداز سے نبھانے کے لیے علمائے کرام سے مشورے لیجیے۔
8. تمام عوام کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھیے۔
9. مجھے عوام کی زیادہ فکر ہے۔ ان پر کبھی ظلم نہ کریں اور نہ کسی کو ماریں، ظلم کا ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔
10. تمام اسباب اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے آپ کے ہاتھ میں دیے ہیں۔ اپنا ذاتی فائدہ اٹھانے سے گریز کریں اور ہر قسم کی مسئولیت پر عاجزی سے عمل کریں۔
11. انصاف کی فراہمی پر توجہ دیں اور ہر کسی کو اس کا حق پہنچائیں۔
12. مسئولیت میں زور زبردستی نہ کریں، اقربا پروری سے بچیں، زبان اور قومیت کی بنیاد پر کسی کو کام نہ دیں بلکہ صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام دیں۔
13. اپنے بڑوں کا احترام کریں، ان سے شکایت نہ کریں، ان کی عزت کریں اور کوئی کام بڑوں کی اجازت کے بغیر نہ کریں۔
14. اپنی صفوں میں ہم آہنگی پیدا کریں اور ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت نہ کریں۔
15. لوگوں کی حفاظت و سلامتی کے لیے دن رات متوجہ رہیں۔ گشت اور تلاشی کے دوران لوگوں کے لیے مشکل نہ بنائیں۔
16. جسے بھی تلاشی کے لیے روکیں، اس سے اچھے اخلاق و رویے سے پیش آئیں۔ عام لوگوں کے ساتھ تلاشی کے دوران اچھا سلوک کریں۔
17. اسلامی نظام کے ساتھ کھڑے رہیں اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ امارت کو مستحکم بنائیں۔
18. ہم ایک بڑے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ آیئے! اس امتحان میں اچھی طرح کامیاب ہوں۔ آیئے! ایک نئی تاریخ رقم کریں۔

پیکیج ایک ہے!(۱۴فروری کے تناظر میں)

شیخ حامد کمال الدین حفظہ اللہ

وہ دن گئے جب ہم مغرب سے کہتے تھے، تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی۔

اب معلوم ہوا کہ وہ ہمیں ساتھ لیے بغیر مرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور ہم ان کے بغیر جینے کے روادار نہیں!

یہ موت کب سے ہمارے دروازوں پر دستک دے رہی ہے۔ 'کلچرل گلوبلائزیشن' کی حالیہ رفتار سے اگر آپ واقف ہیں، تو ہرگز بعید مت جانتے کہ ہم جنس پرست سؤر اور بجو کل آپ کی ان گلیوں میں پھٹی ہوئی جینوں کے ساتھ جلوس نکالتے پھریں اور بدفعلی پہ ناک چڑھانے پر آپ کو اور آپ کے آباؤ اجداد کو بدتہذیبی کے طعنے دیں، بلکہ "تہذیب" کا یہ آخری گھونٹ بھی زبردستی آپ کے حلق سے اتارنے کی کوشش کریں!

باؤلا جس کو کاٹ لے، باؤلا کر دے۔ ایک نہایت کالی، باؤلی آندھی اب ہر ملک کے دروازے کھٹکھٹا رہی ہے۔ لبرلسٹ، سیکولرماڈرنسٹ سب اپنا اپنا کام کریں گے اور تاریخ کے اس فساد عظیم کا راستہ صاف کر کے رخصت ہوں گے۔

پیکیج ایک ہے؛ اور ہر کسی کو یہ پورے کا پورا لینا ہو گا۔

اس پیکیج کے حصے کرنا ممکن نہیں!!!

'سرخ سویرا' بیت چکا، اب وہ سب بھاڑے کے لکھاری، ادیب، دانشور، اینکر، گویے، بھانڈ، ڈھولچی اس 'کالے سویرے' کے بگل بردار ہیں۔

حضرات! اس کالی آندھی کے مقابلے پر نہیں اٹھیں گے، تو بجو اور سؤر آپ کے مال روڈ، لبرٹی اور آپ کے سوک سینٹرز کے آس پاس نکلا ہی چاہتے ہیں۔

اس جدید بدبودار مخلوق کی ذات کیا ہے؟ سید قطب کے الفاظ میں ..... دن کے وقت مشین، رات کے وقت حیوان۔ اور حیوان بھی ایسا ویسا نہیں۔

آج ہم ایک سماجی جنگ کے گھمسان میں ہیں، جبکہ ہمارے صالحین اپنی نیکی کے نشے میں مست۔

آپ کی شریف زادیوں کے سر کی چادر تو کب کی فسانہ ہوئی، اور خدا بخشے وہ اپنے ساتھ نہ جانے اور کیا کچھ لے گئی..... بس یہ دیکھیے اتنا سا لباس بھی آپ کی اس آبرو کے تن پر کب تک سلامت رہتا ہے۔ 'تعلیم' کا عفریت اور 'ابلاغ' کا بھیڑیا کس فنکاری اور مشاقی کے ساتھ ہم نمازیوں، روزہ داروں، حاجیوں، عبادت گزاروں اور علماء وفضلاء و مبلغین کے زیرِ تماشا ہماری بچی کا (ستر نوچتا) چلا جا رہا ہے[1]۔ کیا ہوا، ہماری بیٹی سر بازار ہر سال 'لباس' اور 'روایات' کے بوجھ سے مسلسل ہلکی ہی تو کی جا رہی ہے.....! ہر سال اس فیبرک کے کچھ ہی تند نکالے جاتے ہیں! ہوتے ہوتے بہت اترا پھر بھی 'مغرب جتنا' نہیں! آپ خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں؛ وہاں تو آپ کو پتہ ہے.....

خاطر جمع رکھیے: سب ادھر ہی کو جا رہے ہیں۔ ایک دم برہنہ تو نہیں ہوئی ہماری لخت جگر، جتنا ہمیں ہضم ہوا اتنا ہوئی! ہاں اب ہمارا 'ہاضمہ' تیز کرنے کی وہ زود اثر خوراکیں جو انفارمیشن ریوولیوشن کی پڑیوں میں ڈال کر ہمیں بیچی جا رہی ہیں اپنا جادو دکھانے لگیں..... نہ جانے فری میسن اس بار اتنی مطمئن کیوں ہے..... اپنی شریف زادیوں کی ایک برہنگی ہی کیا اب تو ویلنٹائن، شوقیہ قحبہ گری، فریڈم آف چوائس، لزبینز اینڈ گیز، ناجائز اولاد، کنواری ماؤں کو قبول کروانے کی انسانی ہمدردی کی تحریکیں اور نہ جانے کیا کیا ہمیں "ہضم" ہو جانے والا ہے۔ فکر مت کیجیے؛ پیکیج ایک ہے۔ بس یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے صاحب! یہ سب متلی جو کنواری ماؤں کا لفظ سن کر فوراً آپ کے حلق کو آ پہنچتی ہے، پڑی کے اثر سے زائل ہو جانے والی ہے! آپ کوئی پہلے مریض تھوڑی ہیں، اس سے پہلے بڑی بڑی قوموں کا کامیاب علاج کیا جا چکا ہے۔ معالج کی مہارت پر شک کرنے والا کوئی احمق جاہل ہی ہو سکتا ہے اور اس پر پردہ ڈالنے والا زندیق منافق..... بلکہ ابلیس!

حضرات خاموشی کب تک؟

اٹھیے!

بولیے!

چیخیے.....

یہ چودہ (۱۴) فروری آپ کی تہذیب کا لٹمس ٹیسٹ ہے۔

رونا اس بدکار میڈیا کا نہیں..... رونا اس بات کا ہے کہ آج ہماری محفلوں، بیٹھکوں، مسجدوں، منبروں اور محرابوں کو سانپ سونگھ گیا ہے!

---

[1] مجلہ نوائے غزوۂ ہند کی مجلس ادارت کو شیخ حامد کمال الدین صاحب کے اس مضمون کی بعض عبارتیں اور جملے مبہم انداز میں موصول ہوئی تھیں، لہٰذا بعض جملوں کو ہم نے اپنے فہم کے مطابق معمولی بدل دیا ہے۔ مجلس ادارت اس بلا اجازت تغییر پر شیخ سے معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق.....

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

اخبارات کی شہ سرخیوں میں مسلسل حکومتی کارناموں اور اپوزیشن کے گرما گرم تنقیدی بیانات کی دھوم مچی رہتی ہے۔ عوام سبھی کو سہہ، چکھ چکے ہیں۔ ایک رولر کوسٹر پر عوام بیٹھے بدترین حالات کے تھپیڑے کھاتے، چیختے چلّاتے وقت گزارتے ہیں، بہتر دنوں کے وعدوں پر یہ کہتے ہوئے:

تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے گر اعتبار ہوتا

ایک کھوکھلا نظام سر تا پا بدعنوانیوں سے گلا سڑا، جس پر تحریکِ انصاف نے بلند و بانگ دعووں سے اقتدار سنبھالا۔ قوم دودھ و شہد کی نہروں کی توقع لگا بیٹھی مگر:

طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی!

سوشل میڈیائی انجینئرنگ تھی ساری۔ گزشتہ ۷۴ سال سے جو کچھ ہوتا رہا، اسی کا جدید ہیرا پھیری ماڈل سوا تین سالوں میں کھُل کر سامنے آگیا۔ قلعی اُتر گئی۔ حکومت جھکولے کھا رہی تھی کہ تابوت میں ایک کیل اور ٹھونکا گیا، مری کے اذیت ناک سانحے سے۔

سنا تھا باصلاحیت، اعلیٰ تعلیم یافتگان کی یہ پارٹی ہے۔ انتظامی عدم صلاحیت کی انتہا اس سانحے میں دیکھی جاسکتی ہے۔ سیاحت کے چڑھے شوق نے بلا روک ٹوک دشوار پہاڑی راستوں پر برفباری کے موسم میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب گاڑیاں جانے دیں۔ جسے وزیر اطلاعات نے غربت میں کمی اور خوشحالی کا پیمانہ قرار دے کر حکومتی کامیابی کے ڈنکے بجائے۔ اور پھر لینے کے دینے پڑ گئے۔ وزیر صاحب جو چاند کی خبر لانے کی شہرت کے حامل ہیں، مری کے جغرافیے اور موسم سے کلیتاً بے بہرہ ثابت ہوئے۔

باوجودیکہ محکمہ موسمیات برفباری اور موسمی شدت کی تنبیہ جاری کر چکا تھا۔ ٹریفک کنٹرول کا نظام یکسر فیل تھا۔ جو حادثہ پیش آیا وہ ناگہانی نہ تھا۔ برفباری اس سے زیادہ پہلے بھی ہو چکی۔ مقامی آبادی فکرمند ہو کر نکل آئی مدد کو۔ جبکہ انتظامیہ، اس کی مدد کے ذمہ دار ادارے جو سب مری میں دفاتر، مراکز رکھتے ہیں، مگر غائب رہے۔ بائیس گھنٹے سڑکوں پر دھنسی، برف میں دبی گاڑیاں بے یارومددگار کسی ویرانے یا صحرا میں نہ تھیں کہ حکومت لاعلم رہتی۔ تیز رفتار مواصلاتی ذرائع، ہر ہاتھ میں کارفرما واٹس ایپ، سوشل میڈیا تک رسائی، مدد کی اپیلیں۔ کسی ایک گاڑی سے بھی پکار نہ سنی گئی؟ جبکہ عمران خان کے چہیتے سوشل میڈیا پر ہمہ وقت پہرہ دیتے، جھپٹنے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ مقامی لوگوں نے جو مدد فراہم کی، سو کی، مگر انہی عوام کے ٹیکسوں پر پلنے والی سرکار کہیں موجود نہ تھی۔ یہ سانحہ نئے پاکستان کی حقیقت کا ایکسرے ہے۔

ہفتے کو جو کارکردگی لاشیں اٹھانے اور سڑکیں صاف کرنے، ریسٹ ہاؤس کھولنے میں دکھائی گئی، وہ جمعہ کے دن اور رات کہاں تھی؟ کسی سیانے، کسی ڈاکٹرنے گاڑیوں میں سونے، شیشے بند رکھ کر گاڑی کا ہیٹر چلانے پر کاربن مونو آکسائڈ کے خطرے میں پھنسے ہوؤں کو آگاہ نہ کیا؟ گویا آفت زدگان کے چہار جانب ایک سرکاری قبرستان تھا جس پر ہو کا عالم طاری تھا، پھر یکایک سوئے ہوئے سبھی جاگ اٹھے، جب ۲۳ جیتے جاگتے مدد کو پکارتے تھک ہار کر ہمیشہ کی نیند سو گئے! اتنی جانوں کی قربانی نے مری کا مقدر کھلنے اور باقی برف زدہ علاقوں کی طرف حکومت کو متوجہ کرنے کا سامان کر دیا، لہٰذا دو سالوں سے مرمت طلب سڑکوں کی یکایک اب حکومت کو خبر ہو گئی۔ مری کو ضلع بنانے کا اعلان ہو گیا۔ برف ہٹانے کی مشینری کا ناکافی ہونا اور بروقت فراہمی ممکن نہ ہونا کھل گیا۔ نمک برف پر استعمال کرنے کی بجائے عوام کے زخموں پر چھڑکنے کے لیے سنبھال رکھا۔ حال یہ ہے کہ ملک کی آزاد کشمیر سے جاملنے والی مرکزی شاہراہ بند ہو جائے تو برف ہٹانے کی مشینری لاموجود ہو! برف تین دن سے پڑ رہی تھی۔ مہینہ مئی جون کا تو نہ تھا کہ انتظامیہ لسی پی کر سو گئی تھی۔

حادثہ ہو جانے کے تمام تر سہولت دینے کے بعد مرنے والوں کو ۸ لاکھ فی کس دینے کا اعلان ہو جائے، ذمہ داران کے تعین کا کمیشن بن جائے، ہوٹلوں کی انکوائری کی دھمکی دی جائے، سدا سے جن کی لوٹ مار مشہور ہے۔ چار دن بعد شور تھم جائے گا تو ٹائیں ٹائیں فش۔ گستاخی نہ ہو تو عرض کریں کہ ایک کروڑ ۷۶ لاکھ جو لواحقین کو دیا جائے گا وہ سرکاری انتظامیہ کی ذاتی جیب، تنخواہوں میں سے کاٹ کر دیا جائے، جن کی غفلت نے اتنا بھاری نقصان کیا۔ حکومت ایسے مواقع پر پھٹی جیب والے عوام (جن پر منی بجٹ کا بم گرائے چند دن ہوئے ہیں) ہی پر مزید مالی بوجھ لادتی ہے۔ ذمہ داران پھر جا کر (خدانخواستہ) اگلے حادثے کے شور شرابے تک سو رہتے ہیں۔ یہ دیت انہیں ہی دینی چاہیے۔

کچھ توجہ ہماری قوم کی ہلڑبازی، ہاؤ ہو والے مزاج کی طرف بھی دینی ضروری ہے۔ حکومتیں گزشتہ ۲۰ سالوں میں شتر بے مہار آزادی پروان چڑھانے میں پوری طرح ملوث رہی ہیں۔ سال کے بارہ مہینے سیر و تفریح، ایونٹ، میلے، فیسٹیول، کھیل ہی جاری رکھے جاتے ہیں۔ عوام کو یہ دیکھنے کی فرصت ہی نہ ملے کہ حکومتیں بیانات کی دھوم دھام کے پس پردہ کس طرح قومی اثاثوں پر ہاتھ صاف کرتی ہیں۔ بلا استثناء کرسمس، نیو ائیر اور برفباری چونکہ لندن، نیویارک و دیگر میں منائی جاتی ہے، سو رشکِ برطانیہ امریکہ ہونے کو ہمارے نوجوان نئے سال کا قومی جشن منانے مری جا پہنچے۔ ویڈیوز میں دیوانہ ہجوم مری کی سڑکوں پر چیخیں، سیٹیاں، ہلڑبازی، آتش بازی، پھیپھڑے پھاڑ چلّاتے ولولوں کا اظہار دیکھا جا سکتا ہے۔ اس پورے طوفانِ

بدتمیزی میں پولیس یا قانون نافذ کرنے والے اس دن بھی موجود نہ تھے کہیں بھی۔ اس خدشے کا اظہار ہوا کہ خدانخواستہ اس ماحول میں فیملیز آجائیں تو کیا ہو۔ الامان! یہ قومی کردار ہے جو پرویز مشرف سے لے کر عمرانی دھرنوں تک مسلسل پروان چڑھا ہے۔ سارے ولولے موسیقی، سیٹیوں، ہنگامے کے ساتھ ظاہر کرنے کا۔ بے حسی کا یہ عالم تھا کہ باوجود یکہ اتنا بھاری جانی نقصان اور اس کی ہولناکی سامنے آچکی تھی، مگر لوگ مری جانے پر بضد تھے۔ شیخ رشید نے بتایا کہ ریجنرز طلب کر کے لوگوں کو مری کا رخ کرنے سے بزور روکا گیا۔ ان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی تھی!

بے دلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

یہ ہمارے نوجوانوں کی کسمپرسی ہے۔ بڑی محنت سے دین ناآشنائی بوئی گئی ہے۔ یہ قساوتِ قلبی، کھالے پی لے جی لے کی پھیلائی تہذیب اور بے مقصد زندگی کا نتیجہ ہے۔

لباس، خوراک، گاڑیاں، ہلّا گلّا۔ جہاں سے مل سکے، یہی فکر و نظر کا حاصل اور مبلغ علم ہے۔ ساری دوڑ اسفل ترین مادیت کی ہے۔ قوموں کے زوال کی یہ علامتیں بدرجہ اتم ہم میں موجود ہیں، جن پر فخر و ناز ہے! ہمارے ہاں ایک لمبا چوڑا محکمہ وفاق صوبائی سطح پر 'ڈیزاسٹر مینجمنٹ' (قدرتی آفات سے نمٹنے) کے نام سے زلزلہ ۲۰۰۵ء سے قائم چلا آرہا ہے۔ بھاری بھر کم تنخواہوں اور مراعات والی یہ سرکار کہاں تھی، ایک معمہ ہے! اس کا ذکر تک نہ ہوا۔ شاید کچھ پردہ نشینوں کے ناموں کی بنا پر۔ جانیں نہیں بچائیں اب انتظامیہ کو بچانے کی ساری کوشش ہے۔

انکوائری کا ڈرامہ نہ ہی رچائیں تو بہتر ہے۔ اس سانحے کے پس پردہ سیاحت سے معیشت کو تقویت دینے کا نووارد فلسفہ (جو سعودی عرب اور دبئی سے سیکھا جارہا ہے) بھی ہے۔ ٹول پلازہ پر ڈیڑھ لاکھ گاڑیوں کے جانے سے ہونے والی کمائی اور خوشحالی پر نظر رہی، آگے انتظامیہ کی کوئی فکر، خبر ہی نہ تھی! المیہ یہ بھی ہے کہ اب ہر معاملے میں اپنی ثقافتی صلاحیت بروئے کار لاتے قوم کو راہ دکھانے پر اداکار، موسیقار، گلوکار، میزبان از خود مامور رہتے ہیں۔ جنہیں سیلی بریٹیوں (بھانڈ مراثی) کا لقب دے کر نوجوان کے لیے نمونۂ عمل بنا دیا گیا ہے۔ ایسے ہی دو ستاروں نے مع ایک خاتون کے موہنجوڈرو میں نیم یورپی تصویر کے ہمراہ یہ بیان جاری فرمایا کہ "اگر ہم موہنجوڈرو جیسے تاریخی تہذیبی شہر بناتے تو یورپی سیاح یہاں بھی آتے۔" (آپ کے ہوتے یورپی سیاحوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔) ہم اپنی تہذیب اور کتابِ الٰہی کی تعلیمات سے کس درجہ نابلد ہیں۔ وہ تمام مقامات جو آسمانی آفات، زلزلوں، زمین میں دھنسنے کی طرح عذابِ الٰہی کا شکار ہو کر زمین دوز ہو جاتے ہیں، مقام عبرت ہوتے ہیں۔ یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے۔ نبوی تعلیمات میں مدائنِ صالح، بحر مردار (قوم لوط پر عذاب کا نتیجہ) جیسے مقامات سے تیزی سے استغفار کرتے ہوئے گزر جانے کا حکم ہے۔ ان قوموں کے مفصل تذکرے اور نبوی تعلیمات واضح ہیں۔ جہاں بستیاں و آبادیاں مقبروں میں تبدیل ہو جائیں وہ مقامات فیسٹیول یا فوڈ اسٹریٹ بنانے کے نہیں! ایسے کھنڈرات کو ورثہ قرار دینا مرکزِ سیاحت بنانا جاہلی تہذیبوں کا شعار ہے، انبیاء کی امتوں کا نہیں۔

عبرت کی ایک چھٹانک برآمد نہ ہو سکی
کلچر نکل پڑا ہے منوں کے حساب سے

سعودی عرب یا امارات کا یہ چلن لائق تقلید نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اب سعودی عرب میں جازان میں برازیلی 'سامبا' رقص کرتی حسینائیں کم ترین لباس میں سڑکوں پر دکھائی گئیں۔ مہذب سعودی سرپیٹ کر رہ گئے۔ سو آپ پاکستان پر مہربانی فرمائیں۔ ایسی سیاحتوں کے ڈول نہ ڈالیں۔ حقیقی ترقی پر توجہ دیں۔ چینی کے بعد یوریا (کھاد) کا بحران لا کھڑا کیا ہے۔ ملک پر رحم کریں!

[روزنامہ نئی بات، ۱۶ جنوری ۲۰۲۲ء]

☆☆☆☆☆

بقیہ: مع الأستاذ فاروق

اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ مرشد نے مزید کچھ بتایا یا نہیں۔ البتہ استاذ کے اس عمل میں جیسا کہ پہلے لکھا بہت سے خزانے چھپے ہیں۔ خزانے تلاشنے والے تو بہت سا کچھ تلاش اس سے کر لیں گے، لیکن مجھ جیسے ظاہر بین کے سامنے بھی ایک تو استاذ کی تواضع، قلب کا اجلا پن آتا ہے۔ پھر ساتھ ہی جاہ و منصب سے دوری اور اطاعتِ امیر کہ مولانا میرے امیر ہیں تو کوئی کام میں ان کے نظم سے باہر نہ کروں۔

ابھی کی محفلِ استاذ یہیں روکتا ہوں کہ وقت کا دامن تنگ ہے۔ اللہ پاک مجھے خیر کے کاموں کی توفیق عنایت فرمائیں، استاذ کا اجر تا قیامت جاری فرمائیں اور فیض و فکر اور نور و نظر استاذ عام فرمائیں۔

خدایا! آرزو میری یہی ہے
مِرا نورِ بصیرت عام کر دے

وما توفيقي إلّا بالله. وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.
وصلى الله على نبينا وقرة أعيننا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

کرگس کا جہاں اور ہے، شاہیں کا جہاں اور...

طیب جھنگوی

بھارت میں ہندو دھرم کے پرچارک اپنا اصل دکھائے جا رہے ہیں اور ہمارے ملک پاکستان میں بے غیرت بھی اس سے دوگنی رفتار سے اپنی بے غیرتی آشکار کیے چلے جا رہے ہیں۔ گائے ماتا کے رَکھشک مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مارتے رہے، لہولہان کرتے رہے۔ چلیے ہم ملک کے غداروں نے تو جہاد کا مطلب غلط سمجھ لیا۔ ہم تو دہشت گرد ہیں۔ غامدیت کے پجاریوں کے بقول جہاد تو ریاست کا کام ہے، تو مجھ گستاخ کا سوال ہے کہ ریاست پر وہ جہاد آخر کب فرض ہو گا؟ کیا اب ہمارا فرض صرف سوشل میڈیا پر مسکان نامی خاتون کی نعرے لگاتی ویڈیو کے نیچے لمبی لمبی چھوڑنے تک محدود ہے؟ کیا نعرے لگاتی اس خاتون کی ویڈیو کے نیچے تبصرہ آرائی کرنے والے بقراط، ڈاکٹر عافیہ کی گرفتاری اور امریکیوں کے زندانوں میں آہ وبکا پر بھی نظر ڈالنا پسند فرمائیں گے؟ کیا ان دلہنوں کے سہاگ پر کوئی رائے زنی کریں گے جو جعلی پولیس مقابلوں میں مار ڈالے گئے۔ ان بہنوں کے زخموں کی مرہم جوئی کریں گے جن کے بھائی زندانوں کے اندھیروں میں لاپتہ کر دیے گئے۔

اس قومی بے غیرتی کا سب سے بڑا مظہر ہیں پاکستان کی نام نہاد افواج۔ لال خان نامی ایک ملحد جو اب وفات پا چکا ہے، بہت ماہ پہلے اس کی ایک تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ اس نے کہا کہ پاکستانی فوج اب لڑنے کے قابل نہیں رہی کیونکہ پراپرٹی ڈیلر کب جنگ لڑا کرتے ہیں۔ تاریخ اٹھا لیجیے جہاد فی سبیل اللہ کو بدنام کرنے والی یہ فوج سوائے دم دبا کر بھاگنے کے کچھ نہیں کر پاتی۔ حال ہی میں تربت اور پنجگور میں علیحدگی پسند بلوچوں نے ان کو تگنی کا ناچ نچوایا۔ بے غیرتی کا اس سے بڑا اظہار کیا ہو گا کہ جس کشمیر کے نام پر ستّر سال سے اس قوم کو لوٹ رہے ہیں، اس کا سودا اس حکومت کے دور میں ہوا جس میں وزیر اعظم کی اوقات فوج کی کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہے۔ اب اس امر میں کوئی شک باقی نہ بچا ہے کہ ہند میں کشمیر کا جدید الحاق پاکستانی فوج کی ملی بھگت سے ہوا ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ جس وقت قمر سنگھ باجوہ اپنے آباؤاجداد کی سادھیوں کی راہداریاں بنوا رہا تھا عین اس وقت ہندوستان کشمیریوں کی آزادی کے تمام راستے مسدود کر رہا تھا۔

اکثر میں سوچتا تھا کہ بچپن سے ہم بزرگوں سے غزوۂ ہند کی احادیثِ مبارکہ سنتے چلے آ رہے ہیں اور پاکستان میں اکثر سادہ لوح حضرات پاکستانی فوج کو غزوۂ ہند میں شامل سمجھتے ہیں۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ ہراول دَستہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ فوج وہ ہے جس کے لیے غزوۂ ہند کی بشارت دی گئی ہے۔ مگر جب اس فوج کے کرتوتوں پر نظر ڈالتے تو لگتا تھا کہ یہ غزوۂ ہند میں شامل تو ضرور ہوں گے مگر دوسری سائیڈ سے۔ جہادِ کشمیر کے نام پر جس طرح فوج نے اپنے درباری مولویوں کو کروڑ پتی بنایا ہے اس نے بھارتیوں کو جہاد کو بدنام کرنے کا موقع فراہم کرنے اور پڑھے لکھے مسلمان نوجوانوں کو اس سے متنفر کرنے کا کام بخوبی کیا ہے۔ کچھ ایسے نوجوان بھی نظر سے گزرے جو مجاہدین کے امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر بے مثال حملے سے متاثر ہوئے۔ یورپ کی عیاشیوں بھری زندگیوں کو ترک کیا اور مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کی پکار پر لبیک کہنے، پاکستان آ پہنچے۔ مگر بدقسمتی سے یہاں بعض ٹھگوں کے ہاتھ لگ گئے اور یا تو مایوس ہو کر کچھ عرصہ بعد واپس چلے گئے اور اپنے طور پر کوئی کام کرنے کی کوشش کی یا ترتیب و تربیت کی کمی کے سبب پکڑے گئے اور کال کوٹھڑیوں کی نذر ہوئے۔ گنتی کے چند خوش قسمت ہی ایسے ہوں گے جنہوں نے ان جعلسازوں کو پہچان لیا، ان سے علیحدہ ہوئے اور مجاہدین سے آخر کار جا ملے۔

لیکن اللہ کے گھر میں دیر ہے، اندھیر نہیں ہے۔ ان ٹھگوں اور اس پلاٹ فی سبیل اللہ کے داعیوں کے اصلی گندے چہرے بے نقاب ہو گئے۔ مکر و فریب کے ان گھناؤنے کرداروں کی ایک مثال دیکھیے کہ طالبان کے پیچھے نماز ادا کرنے والا، جنرل فیض اب خیبر پختونخوا میں مجاہدین پر حملے کروانے کا ذمہ دار ہے۔ کیا اس کروڑ کمانڈر کو اپنا پروپیگنڈا بھول گیا ہے جو اس کے پالتو بھانڈوں نے اس کو فاتحِ افغانستان بنا کر پیش کرنے کی خاطر کیا۔ جیسے اس نے اپنے مداری پن سے امریکہ کو بے وقوف بنا کر افغانستان سے نکالا ہو۔ ان شاء اللہ، وہ دن دور نہیں ہیں جب مجاہدینِ اسلام اس کو دکھائیں گے کہ تم نے مکر کیا لیکن اللہ کا مکر تم سب پر بھاری ہے۔ امریکہ بھی بے وقوف بنا اور یہ تو بے وقوفی سے بھی کسی اگلی سطح پر پہنچے اور الحمدللہ کیا ہی خوبصورت منظر تھا جب مجاہدینِ اسلام فتح یاب ہو کر کابل میں داخل ہوئے۔

کالے جھنڈے والوں کا یہ لشکر ان شاء اللہ رسول پاک ﷺ کی بشارت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جلد ہی مسکان کے پیچھے بھونکتے سگوں کے تعاقب میں پہنچے گا۔

طرفہ تماشا یہ کہ کاکول اکیڈمی کی سڑکوں پر لڑکوں کے ساتھ ساتھ اب لڑکیوں سے بھی وہی گھٹیا مذاق کروا کر اپنا تماشا بنوا رہے ہیں۔ اس پر مستزاد، نامحرم مردوں کو اچھل کود کر کے دکھاتی، بے غیرتی کی تصویرِ مجسم بنی ان خواتین کو صنفِ آہن کا خطاب دیا جا رہا ہے۔ آج تک پاک فوج نے خود تو کبھی کسی میدان میں مردانگی کا ثبوت دیا نہیں، شاید اسی لیے (صنفِ آہن سے نسبت کے ساتھ) قوم کی (نور جہاں اور جنرل رانی قسم کی) 'بیٹیوں' نے سوچا کہ اگر ملک و قوم کی حفاظت کا یہ کام ناچ گانے اور ڈرامے بنا کر ہی کرنا ہے، تو یہ کام ہم بہتر طور پر کر سکتی ہیں۔

(باقی صفحہ نمبر 35 پر)

آپ کے اور ہمارے درمیان صرف ایک باڑ ہے!

اشفاق گریزی[1]

ایک بار پھر فروری کا مہینہ آیا، اور گزر گیا۔ کشمیر لہولہان ہے، ہندو جیت کا جشن مناتے نہیں تھک رہا اور ایسے میں ۵ فروری، یومِ کشمیر کا دن بھی روایتی طور پر منایا گیا۔ ٹوئٹر پر بھارت کے خلاف کچھ 'storms' ہوئے، انڈین 'twitterjati' نے جوابی ردّعمل دیا اور پرو کشمیر (pro Kashmir) لوگوں کے دل کو تسلی ہوگئی اور دن گزر گیا۔ اسی دن کشمیر کے شہر سرینگر میں فجر سے پہلے قافلۂ شریعت یا شہادت سے وابستہ دو مجاہدین ہندو فوج سے ایک جھڑپ میں شہید ہوگئے۔ عادل نثار ڈار اور اخلاق حجام، یہ دو مجاہدین ایک ایسی فکر سے وابستہ تھے جس نے کشمیر کے ہر ایک فرد، خصوصاً جوانوں کے دل و دماغ میں حق پرستی اور introspection (خود نگری) کی شمع جلائی ہے اور جو امّتِ مسلمہ اور بالخصوص پاکستان کے اپنے بھائیوں اور بہنوں سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ کے سوشل میڈیا پر پوسٹس (posts)، جلوسوں، نعروں وغیرہ سے کتنے ہندو فوجی جہنم واصل ہوئے اور جہادِ کشمیر کتنا قوی ہوا ہے؟

سوال یہ ہے کہ گلگت سے لے کر مظفر آباد اور کوٹلی تک آپ نے کشمیر میں سپلائی پہنچانے کے لیے کتنے سپلائی روٹ بنائے اور کھلوائے؟ دریائے نیلم اور جہلم پر آپ نے اپنے خون سے ہمارا خون روکنے کے لیے کتنے پل بنائے؟ یا پھر کیا آپ نے ملکوں کی لگائی باڑ اور حدود کے اندر ہی اپنے جذبات مقید کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ وہ حدود اور سرحدیں جو ایغور مسلمانوں کو مسلمان نہیں، بلکہ ایغور چینی باشندوں میں تبدیل کر دیتی ہیں، ہندوستانی مسلمان کو انڈین سٹیزن (بھارتی شہری) بنا دیتی ہیں اور کشمیری مسلمان کو محض پاکستان و بھارت کے درمیان تنازع کا باعث ایک کشمیری کی حیثیت دیتی ہیں۔ یہ سرحدیں ہی ہیں جو ان مسلمانوں کو امّتِ مسلمہ کا مسئلہ بنانے کے بجائے محض ایک قومی مسئلہ بنا دیتی ہیں، مختلف ممالک کا اندرونی و ذاتی معاملہ قرار دے دیتی ہیں۔

میر پور کے شیخ احسن عزیز، ڈڈیال کے الیاس کشمیری، گلگت کے ابو دجانہ، عبّاس پور کے مفتی وقاص و ابو حماس، بہاول پور کے غازی بابا اور ان جیسے کئی عظیم مجاہدین نے جہادِ کشمیر کی آبیاری کسی ملک کے اشارے یا مفاد کے لیے نہیں کی اور نہ ہی کسی ملک کی پابندی کی پروا کی بلکہ صرف اللہ کے حکم کی پیروی کی اور مظلوم کشمیری مسلمانوں کی مدد و نصرت کی۔ آخر یہ جذبہ کہاں چلا گیا؟

آزاد کشمیر میں جس زمین پر مجاہدین کے معسکر ہونے چاہیے تھے اس کی جگہ کرکٹ لیگ کے گراؤنڈ تیار ہو رہے ہیں، جہاں فدائی مجاہدین کی لمبی قطاریں ہونی چاہیے تھیں وہاں کرکٹ کے کھلاڑیوں کے شائقین کی لمبی قطاریں ہیں، جس سرزمین کو امّت کے مختلف محاذوں کے عرب و عجم کے مجاہد کمانڈروں کی بستیٔ انصار بن کر کشمیر کی طرف جانے میں مدد کرنی تھی، وہاں کشمیری کرکٹ ٹیموں کی 't-shirts' پہنے انٹرنیشنل کرکٹ پلیئرز کے 'خصوصی' پرو کشمیر انٹرویو چل رہے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں بھارتی محاصرے میں محصور کشمیریوں کے دن کیسے گزرتے ہیں؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ کشمیر میں نابالغ بچوں سے لے کر عمر رسیدہ بزرگوں تک، کسی کی جان اور عزت محفوظ نہیں؟ بھارتی فوج جب گھر گھر چھاپے مارتی ہے تو کشمیر کے بچّے اپنی جان بچانے کی خاطر کیسے گھروں سے نکل کر بھاگتے ہیں؟ کبھی کھیتوں میں چھپتے ہیں تو کہیں یخ بستہ دریاؤں اور نہروں میں چھلانگیں لگا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود بھارتی فوج ان کا پیچھا کرتی ہے اور انہیں نشانہ بناتی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ وہ موسیٰ ہیں جو جلد ہی بڑے ہو کر ہندو فرعون کو للکارنے والے بن جائیں گے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ کشمیر کا ایک نوجوان جب لاپتہ کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ کہیں جسم میں پٹرول انڈیل کے انتڑیاں جلا دی جاتی ہیں تو کبھی اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کے لیے ہاتھوں سے باندھ کر چھت سے لٹکا دیا جاتا ہے۔ کشمیر کے یہ بے کس نوجوان لٹکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کلائی کے جوڑ ٹوٹ جاتے ہیں اور ہاتھ بیکار ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ان ماؤں اور بہنوں کا بھی سوچا ہے جن پر پیلٹ گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جاتی ہے، سینکڑوں گولیاں لگنے کے بعد جسم کی حالت ایسی ہوتی ہے گویا مار مار کے ہڈیوں کا چورا کر دیا گیا ہو۔ کیا ان محصور بہنوں کا خیال بھی کبھی آپ کو آیا جو اپنے ارد گرد روزانہ اپنے جیسی کسی عفیفہ کے ساتھ بھارتی فوج کی درندگی و زیادتی کا قصّہ سنتی ہیں اور خوف سے منجمد دل کے ساتھ یہ سوچنے پر مجبور ہوتی ہیں کہ کہیں کل کو میں بھی اس بھگوا دہشت گردی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ وہ اس خوف سے چھٹکارا نہیں پا سکتیں، وہ موہوم ہوتی امید کو روز زندہ کرتی ہیں کہ مدد کرنے والے اور حفاظت کرنے والے مسلمان بھائی جلد ہی آئیں گے، اور روز ہی بھارتی فوج کی درندگی کے قصّے ان کی امید کا قتل کرتے ہیں۔

کشمیر میں فدائی جوانوں اور مجاہدین پر اپنا تن من دھن لٹانے والی عوام کی کمی نہیں ہے، کمی ہے تو مستقل جنگی سپلائی کی۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کراچی سے طور خم اور چمن و غلام خان تک کتنے

[1] نوجوان مجاہد فی سبیل اللہ، اشفاق گریزی کا تعلق وادیٔ کشمیر کے علاقے 'گریز' سے ہے اور انہوں نے یہ تحریر وہیں قلم بند کی ہے۔

روٹ ہیں جو گزشتہ بیس سالوں سے افغانستان میں مصروف امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادیوں کو جنگی سامان اور رسد سپلائی کرتے رہے ہیں؟ بیس سال تک مسلسل جاری رہنے والی اس سپلائی کی وجہ سے سڑکوں میں ایسے ٹریک بن گئے گویا ریل کی پٹڑیاں ہوں، جن پر چل کر کنٹینر سامانِ رسد افغانستان تک پہنچاتے تھے۔ ان سڑکوں کی مرمت و بحالی کا سب کام اور ان پہ آنے والا خرچہ پاکستانی حکومت و عوام نے اپنی جیب سے ادا کیا۔ مگر کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ سنہ ۲۰۰۳ء سے عالمی طاغوت کے حکم پر پاکستان و بھارت کی حکومتوں نے اپنی سرحدوں پر باڑ لگا دی ہے اور اتنے سالوں میں کشمیری مجاہدین کو اپنے پاکستانی بھائیوں کی جانب سے جنگی سامان اور کمک کے نام پر جو امداد ملی ہے اس پر یا ہنسا جاسکتا ہے یا رویا جاسکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہادِ کشمیر سے وابستہ مہاجر مجاہدین میں سے سب سے زیادہ حصہ پاکستان کے رہنے والے مجاہدین کا ہے۔ مگر حیرت ہے ان خاندانوں اور ان ورثاء پہ..... جن کے بچے کٹ مرے اپنے کشمیری بھائیوں کی خاطر، مگر آج وہ اپنے ہی خون کی اس قربانی کو بھلا کر، حکومتی و فوجی پالیسیوں کے تابع فرمان بنے ہوئے ہیں اور پاکستانی فوج کی طرح شاید وہ بھی کشمیریوں کو "abandon" کر چکے ہیں!

فلسطین اور کشمیر، امّت مسلمہ کے دو ایسے زخم ہیں جن کو مذمتی بیانات، یوم النکبہ، یوم کشمیر وغیرہ تک محدود کر دیا گیا ہے، جب کہ ان محاذوں کو عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ کشمیری مسلمان پوری دنیا میں اپنے کلمہ گو مسلمانوں سے سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا کبھی باتوں سے بھی جنگیں جیتی گئی ہیں؟ کیا کبھی ظالم کا ہاتھ تقریروں اور تحریروں سے، مردہ الفاظ اور کاغذ کے ٹکڑوں سے بھی روکا گیا ہے؟ آخر آپ کب تک صرف زبان و قلم سے ہمیں سپورٹ کرنے پر اکتفا کرتے رہیں گے اور اپنے دل کو یوم کشمیر منانے سے تسلی و بہلاوا دیتے رہیں گے؟ کشمیری مسلمانوں کو آپ کے جان، مال اور اسلحہ کی ضرورت ہے۔

یومِ کشمیر روایتی جوش و خروش سے منایا گیا، لیکن کارگل سے لے کر گریز اور کپواڑہ سے لے کر بارامولا اور پونچھ سے لے کر سانبھا تک مجاہدین کی سپلائی لائن بند رہی۔ پاکستان کے 'امیر' کا کہنا ہے کہ جو کوئی ریاستی پالیسیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اپنے طور پہ کشمیریوں کی امداد کرنے کی کوشش کرے گا، وہ پاکستان کا بھی دشمن ہے اور کشمیر کا بھی۔ کیونکہ ریاستِ پاکستان اور افواجِ پاکستان کے پاس کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لیے ہمیشہ کی طرح بہترین حکمتِ عملی موجود ہے۔ یہ وہ حکمتِ عملی ہے کہ جس کے نتیجے میں آج نوجوان کشمیری مجاہدین ایک پستول اور محض دس گولیوں کے ساتھ ہندو فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

کشمیری مجاہدین کو عسکری تربیت کے نام پر محض پستول یا کلاشن کوف کو کھولنا جوڑنا سکھایا جاتا ہے اور اس تربیت کے ساتھ ان سے آٹھ لاکھ ہندو فوج، ہزاروں کی تعداد میں پولیس اور کئی خفیہ اداروں سے جنگ کرنے اور جنگ جیتنے کی توقع کی جاتی ہے۔ لیکن امّت کے وسائل، اسلحے، اور مہاجر مجاہدین کو کشمیر کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ اس کے باوجود پاکستان میں ہمارے بھائی یوم کشمیر کے دن ریلیوں اور بڑے بڑے جلسوں میں شریک ہو کر، ہمارے حق میں نعرے لگا کر خود کو تسلی دے لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم کشمیر کے ساتھ ہیں۔

آج بھارت نے کشمیر کا عسکری، معاشرتی اور اقتصادی محاصرہ بہت مضبوط کر لیا ہے۔ فلسطین کی طرز پہ کشمیر میں بھی مسلمانوں کی زمین پر ہندوؤں کو آباد کیا جارہا ہے اور کشمیری مسلمانوں کے حقوق غصب کیے جارہے ہیں۔ مگر کشمیر کے دوسرے سرے پر آزاد کشمیر کی سمت سے ایک دوسرا محاصرہ ہے، جو کشمیر کے مسلمانوں تک عسکری کمک پہنچنے نہیں دے رہا۔

آپ کے اور ہمارے درمیان صرف ایک باڑ ہے۔ ایک خونیں باڑ جو کشمیر کے مظلوم و مجبور مسلمانوں کو کشمیر ہی میں قید و محدود رکھنے کا کام کرتی ہے۔ ایک ہی خدا اور ایک رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں، ایک ہی کلمہ پڑھنے والوں کو وطن کے نام پر ۸۵ لاکھ کشمیریوں اور ۲۰ کروڑ پاکستانیوں میں بانٹنے والی تفریق کرتی باڑ۔ رسد، کمک اور امداد کے ہر راستے اور ذریعے کو روکنے والی ایک بے رحم باڑ۔ یہ وہ باڑ ہے جس نے کشمیر کو آج دنیا کا سب سے بڑا زندان بنا رکھا ہے۔ جو اپنے مسلمان بھائی کی نصرت و اعانت کا فریضہ ادا کرنے، اس پر ظلم و بربریّت کا خاتمہ کرنے میں مدد کرانے سے روکتی ہے۔ آخر کب وہ وقت آئے گا جب یہ باڑیں اٹھا کر پھینک دی جائیں اور پنجاب و سندھ اور خیبر کے مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد و کمک کرنے کشمیر جا پہنچیں گے؟ آخر کب کشمیر میں سسکتے نہتے مسلمانوں کو اس باڑ کے پار سے گولیاں، بارود اور اسلحہ ملے گا؟ آخر کب ایسی حکمتِ عملی وضع کی جائے گی کہ جس کا مقصد کشمیری مسلمانوں کے خون سے سیاست چمکانا نہیں، بلکہ ان کے غموں کا مداوا کرنا ہو گا؟

یاد رکھیے..... ہمارے درمیان صرف ایک باڑ ہے۔ یہ جب تک قائم رہے گی سرینگر میں اسلام سرنگوں رہے گا۔ یہ جب تک باقی ہے، کشمیری نوجوان نہتے ہی بھارتیوں سے لڑنے، کٹنے اور اپنی جانوں کی قربانیاں دینے پر مجبور رہیں گے..... کشمیر کی بیٹیوں کی عزتیں لٹتی رہیں گی۔ اور کیا باقی سب لوگ باڑ کے اس پار کشمیری مسلمانوں کی لاشوں اور عزتوں کا جنازہ خاموشی سے بیٹھے تکتے رہیں گے؟!!

☆☆☆☆☆

لا تحزن إنّ الله معنا...

قاری صہیب انصاری

اے وہ مجاہد جس نے وادیٔ کشمیر میں بستے اہلِ ایمان کو عزت بخشی!

دیکھنا مایوسی و سستی کا شکار نہ ہو جانا!!!

کیا تمہیں معلوم ہے کہ چودہ سو سال بعد تم اس مجاہد و غیرت مند پیغمبرؐ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو جس نے دن و رات ایک ایسے غار میں گزارے جو زندگی کی ہر نعمت اور راحت سے خالی تھا، لیکن عشق، رضا، غیرت، ایثار اور تاریخ رقم کرنے والی بہادری سے پُر تھا؟

کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اس بڑے اجر و برکت والے غزوے میں برسرِ پیکار ہو جس کی بشارت و فضیلت ہمارے مجاہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال قبل بیان فرمائی تھی

اے بہادر جوان!

کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں ایک ایسے قیمتی کام میں تکلیف پہنچ رہی ہے، جس کام کو دیکھ کر حسن و جمال کا پیکر، ربِّ ذوالجلال جو دنیا جہاں کا مالک و بادشاہ ہے دیکھ کر تبسم فرماتا ہے، سبحان اللہ!

اے تاریخ رقم کرتے مجاہد!

اگر تمہاری نصرت و مدد سے کروڑوں مسلمان غافل ہیں، پریشان نہ ہونا! کہ تمہارے عظیم، اور وعدے کو نبھانے والی ذات مدد و نصرت فرمائے گی، وہ ذات تم پر سکینت اور اطمینان نازل فرمائے گی اور تمہاری نصرت کے لیے ایسے غیبی لشکر اتارے گی جنہیں دیکھ کر تمہارا دشمن بھی حیران رہ جائے گا۔

اے بہادر جوان میں جانتا ہوں کہ تمہارا دل وادیٔ کشمیر میں ہندوؤں کے ہاتھوں مظلوم بہنوں، ماؤں، بچوں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتا دیکھ خون کے آنسو روتا ہے، ان پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے لیکن میری اُمت مظلومہ کے نوجوان غفلت میں پڑے ہیں۔ آج ہند میں اُمتِ محمدی (علی صاحبہا صلاۃ وسلام) کی باعفت خواتین کی عزتوں پر ہاتھ ڈالا جا رہا ہے، لیکن اُمتِ کے نوجوان سوئے پڑے ہیں!

لیکن اے میرے محبوب بھائی! اگر یہ غافل ہے تو کائنات کا مالک تو تمہارے ساتھ ہے، اگرچہ وقت اور قربانیاں زیادہ لگیں گی، لیکن آخر میں اس کے عوض تمہیں نجات اور آزادی کا راستہ ملے گا، ظلم و وحشت کے اس غار سے ایسی حالت میں نکلو گے کہ تمہارا دشمن ذلیل و رسوا ہو گا، اور اس مظلوم امت کے ساتھ وفا نہ نبھانے والے نوجوان پچھتائیں گے کہ کاش ہم بھی تاریخ رقم کرنے اور رب کی رضا حاصل کرنے والے غزوۂ ہند کے معرکوں میں شریک ہو جاتے۔

اے بہادر نوجوان! تمہارے علم میں ہو گا جب سرزمینِ افغانستان کو اللہ تعالیٰ نے طالبانِ عالیشان کے ہاتھوں فتح دے دی، تو فتح کی پُر نور فضا میں مجاہدین اور مجاہدین کی نصرت کرنے والے فخر، عزت اور سربلندی سے ہمکنار ہوئے۔ ایک طرف ہر مجاہد کے دل پر غیرت و ایمان کی پُر نور فضا میں مسرت و خوشی کے جھنڈے لہرا رہے تھے تو دوسری طرف فتح کے دستر خوان پر بیٹھے کم ہمت لوگ اور بوقتِ ندائے جہاد گھروں سے قدم نہ نکالنے والے خجالت، شرمندگی اور عار محسوس کر رہے تھے؟

عجیب و غریب حالت تھی، ہر کوئی اپنے آپ کو مجاہد اور آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے والا کہتا تھا۔ لیکن حقیقت اس کے الٹ تھی، زمین و آسمان قربانی اور فداکاری کرنے والے اشخاص کو جانتی تھی، خواتین اور بچے بھی مجاہدین کی تعریف کر رہے تھے اور نہیں داد دے رہے تھے۔ مجاہدین بھی عزت و عروج کے اونچے شملے سروں پر سجائے آزاد ملک میں شریعت کو نافذ ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اسیر بہنیں اور زندانوں میں جکڑے مجاہد نوجوان بھی بہادروں کی قربانیوں کی برکت سے آزاد زندگی پا گئے تھے۔

ایک دن ان شاء اللہ آئے گا کہ آپ کی راہوں میں بھی اقصیٰ کے فاتح صلاح الدین ایوبیؒ کی مانند مظلوم بہنیں اپنی چادریں بچھائیں گی اور تمہارے اوپر پھول نچھاور کریں گی۔

اے اللہ کے راستے کے عظیم مجاہد اپنے آپ کو کمزور نہ سمجھنا! تمہارا رب تمہارے ساتھ ہے، تمہارے غم میں غمگین تمہارے بھائی اور بہنوں کے دلوں سے نکلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

اگرچہ تمہارے دشمن ہندو بنیے کے غرور کا سینگ فرعونیت کے آسمان کو چھو رہا ہے، لیکن تمہیں چاہیے کہ اپنا خون اور پسینہ بہا کر ان فرعونوں کے لیے وہ بحر قلزم تیار کرو جو ان فرعونوں کو اس میں ڈبو کر غرق کر دے۔

میرے کشمیری مجاہد! سستی اور مایوسی کا مظاہرہ نہ کرنا، ورنہ یہ گائے کے پجاری تمہارے بہنوں کے حجاب اور عزت کو اپنے جھوٹے خداؤں (گائے) کے پاؤں تلے روند ڈالیں گے۔

غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے.....لا تحزن إنّ الله معنا.....

☆☆☆☆☆

اے دین کے مجاہد، تُو کہاں چلا گیا ہے؟!

خولہ بنتِ عمران

فروری کے مہینے کی ۵ تاریخ کو یومِ یکجہتیٔ کشمیر منایا جاتا ہے۔ اس دن نعرے لگائے جاتے ہیں کشمیریوں کے حق میں جلسے، جلوس اور ریلیاں نکالی جاتی ہیں، نئے نغمے اور ترانے نشر ہوتے ہیں.....اور اس سب کے بعد اس دن کی شام ہوتے ہی سب کچھ واپس معمول پہ آ جاتا ہے۔ زندگی واپس گھر اور دفتر، کاروبار اور تعلیم کے مدار کی طرف لوٹ جاتی ہے کیونکہ سال بھر کے لیے کشمیر اور اہلِ کشمیر سے محبت جتانے کا قرض اتارا جا چکا ہوتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ دن منانے کا مقصد کشمیریوں کو یہ بتانا ہے کہ 'ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہیں'، لیکن مجھے یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ہم اتنے عرصے سے کھڑے ہی کیوں ہیں؟ آگے کیوں نہیں بڑھتے؟ اب تک تو کشمیری بھی ہمیں اپنے ساتھ کھڑے دیکھ دیکھ کر اکتا چکے ہوں گے۔

اس مضمون کا قلم سے ظاہر ہونے کی وجہ کملجیت سندھو کا مضمون ہے جو ۳۰ جنوری، ۲۰۲۲ء کو اِنڈیا ٹوڈے میں شائع ہوا۔ اس مضمون کے مطابق ہندوستانی فوج کا دعویٰ ہے کہ اس وقت کشمیر میں مجاہدین کی تعداد دو سو سے کم ہے، اور آنے والے دنوں میں وہ اس کو مزید کم کر کے سو تک لے آئیں گے۔ اگرچہ ہندو ایک جھوٹی قوم ہے، لیکن اگر یہ خبر سچی نہیں تو حقیقت سے بہت دور بھی نہیں کیونکہ گزشتہ چند برسوں میں کشمیری مجاہدین کی تعداد دن بدن کم سے کمتر ہوتی چلی گئی ہے۔

یہ خبر ہر اس شخص کے لیے تکلیف دہ ہے جو کشمیر اور جہادِ کشمیر سے محبت رکھتا ہے، کیونکہ آج سے پہلے کبھی کشمیر میں ایسی صورتحال پیدا نہیں ہوئی۔ پاکستانی صحافی سید سلیم شہزاد اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'Inside Al Qaeda and the Taliban' میں لکھتے ہیں کہ نو گیارہ کے وقت، کشمیر میں مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔

آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اتنی بڑی تعداد گھٹ کر سو دو سو تک محدود ہو جائے، اور ان میں بھی اکثریت ان کشمیری نوجوانوں کی ہے جو تازہ تازہ میدانِ عمل میں اترے ہیں اور جن کی تربیت کا یہ عالم ہے کہ بندوق چلانے کا طریقہ بھی ویڈیوز میں دیکھ کر سیکھتے ہیں اور اپنا قلیل اسلحہ لے کر بھارتی فوج کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔

جہادِ کشمیر کو اس حال تک پہنچانے کا ذمّہ دار کون ہے؟ شاید آپ کہیں کہ پاکستان کی حکومت و فوج، جو مسلمانانِ کشمیر کے نام پر سیاست تو کرتی ہے، لیکن خود ان کے دکھ درد کے مداوے کے لیے کبھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتی.....وہ بے ڈھنگی پالیسیاں جن کا مقصد ہمیشہ جہادِ کشمیر کو کنٹرول کرنا، اپنے ذاتی مقاصد و مفادات کے لیے استعمال کرنا رہا ہے نا کہ کشمیر کے مسلمانوں کو بھارتی ظلم سے آزادی و نجات دلانا۔ لیکن اگر مجھ سے پوچھیں تو میں کہوں گی کہ جہادِ کشمیر کی اس زبوں حالی اور کسمپرسی کی وجہ ہم خود ہیں۔ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں دین عبادات کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنی ذاتی زندگی میں عابد و زاہد بن کر، ہم جنت کا ٹکٹ پکّا کر لیں گے۔ رہے ہمارے پڑوس میں مرتے سسکتے ہمارے مسلمان بہن اور بھائی.....تو ان کے لیے ہم دعائیں تو کرتے ہیں ناں.....اس سے زیادہ ہمارے بس میں ہے ہی کیا؟

اور اپنے آپ کو یہ تسلّیاں اور بہلاوے دیتے ہوئے ہم نبی پاک ﷺ کا وہ فرمان بھول جاتے ہیں جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں، جب جسم کا کوئی ایک عضو تکلیف کا شکار ہوتا ہے، تو اسکی تکلیف پورا بدن محسوس کرتا ہے" (مفہوم حدیث)۔ وہن کی بیماری ہمارے اندر سرایت کر چکی ہے اور اس کی وجہ سے بزدلی اور کم ہمتی خون کی طرح ہماری رگوں میں دوڑتی ہے۔ غم اور افسوس مجاہدین کے ختم ہو جانے پر نہیں ہے، کہ وہ تو شہادت پا کر ابدی حیات، اور حیات بھی ایسی حسین و پر تعیش جو دنیا میں کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آ سکتی، کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ "حی علی الجہاد" کی صدا لگانے والے نہیں رہے۔ وہ علما، وہ داعی، امّت کے غم کا ادراک کرنے والے، اپنے دل میں اس مظلوم امّت کی تڑپ رکھنے والے، وہ خطیب، وہ مصلح، وہ ہمدرد و غمگسار نہیں رہے جن کی درد بھری پکار غافلوں کو جھنجوڑتی اور بیدار کرتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب جہاد اس امّت کی واحد لائف لائن (life line) کی حیثیت اختیار کر چکا ہے، جہاد کی تلقین کرنے والا، اس کا حکم دینے والا کوئی نہیں رہا۔ بقول اقبال

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر
تیغ و تفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں
ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر
کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر
تعلیم اس کو چاہیے ترکِ جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجۂ خونیں سے ہو خطر

مسلمان وہ امّت ہیں جس کے علما کو رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے انبیاء کے مصداق فرمایا۔ ہر دور میں حق گو اور نڈر علمائے کرام نے اس امّت کی رہنمائی کا فریضہ بہترین طریقے

سے انجام دیا ہے۔ ہمارے علما تو وہ تھے جن کے شاگرد و مریدین، معتقدین و محبّین لاکھوں کی تعداد میں ہوتے تھے، جن کے حلقۂ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی کے بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی۔ لیکن ان کے جنازے زندانوں سے نکلتے۔ ان پر کوڑوں کی بارش کر دی جاتی، اس بری طرح کہ ہاتھی کی پیٹھ پر کی جاتی تو وہ بلبلا اٹھتا اور بھاگ جاتا، مگر یہ اولیا حق کی خاطر ڈٹے رہتے۔ جو کسی سلطان یا امیر کے خوف سے مداہنت اختیار نہ کرتے۔ جن کے علم نے انہیں جہاں قلم لے کر کتابیں تصنیف کرنے پر لگایا، وہیں تلوار لے کر اس امّت اور دین کا دفاع کرنے والا بھی بنایا۔ ابنِ تیمیہؒ کے زمانے میں جبکہ آپؒ منگولوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر چکے تھے، اس وقت کے بادشاہ ناصر الدین نے اپنے تخت و تاج کے چھن جانے کے خوف سے منگولوں کے ساتھ صلح و الحاق کر لیا۔ ابنِ تیمیہؒ نے اسے خبر دار کیا اور فرمایا کہ اگر تم ان منگولوں کا ساتھ دینے سے باز نہ آئے تو میں پہلے تمہارے خلاف جنگ کروں گا اور پھر منگولوں کے خلاف۔

یہ غلط فہمی ہمیں فراموش کر دینی چاہیے کہ ہماری مدد کے بغیر جہادِ کشمیر ختم ہو جائے گا یا مجاہدین فنا ہو جائیں گے۔ کشمیر دارالاسلام بن کر رہے گا، یہ بات اٹل ہے۔ اللہ کی رحمت اور فضل سے کشمیر میں مجاہدین سرگرم رہیں گے یہاں تک کہ بھارت کو مار بھگائیں گے۔ ہاں مگر..... مجاہدین سے ہاتھ کھینچ لینے، ان کی نصرت کرنے سے خود کو اور دوسروں کو روکے رکھنے سے اگر کچھ ہو گا تو یہ کہ ہم اللہ کی رحمت و فضل کو اپنی ذات سے دور کر دیں گے۔ الٹا اس کے غیظ و غضب کو دعوت دینے والے بن جائیں گے۔ عجیب معاملہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جہاد کو ہماری ضرورت ہے۔ اگر ہم جہاد کو اپنی جان و مال کی قربانیاں نہیں دیں گے تو جہاد جاری نہیں رہے گا۔ اور جان و مال کس کو پیارا نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ جہاد کو ہماری نہیں، بلکہ ہمیں جہاد کی ضرورت ہے۔ تاکہ جہاد ہمارے دلوں پر لگے حبّ الدنیا اور کراہیۃ الموت کا زنگ اتار دے۔ ہمیں اس دنیا کی غلامی سے نکالے، ہمارے دل و ذہن کو آزاد کر کے وہ روشنی عطا کرے، جس کی مدد سے ہم اپنا ماضی و مستقبل صاف دیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو سکیں۔

تاکہ ہم جان سکیں کہ ہم وہ قوم، وہ امّت ہیں جسے اللہ نے دنیا پر حکمرانی کے لیے پیدا کیا۔ اپنا خلیفہ بنایا اور انسانوں کی رہنمائی کا عظیم فریضہ ہمارے سپرد کیا۔ صرف تب ہی ہم یہود و ہنود کے کسے شکنجے سے نکل سکتے ہیں، صرف تب ہی ہم اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں، جب پہلے ہم اپنے دل و دماغ کو آزاد کریں اور دنیا کی محبت سے پیدا ہونے والی بزدلانہ روش پر چلنا چھوڑ دیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، و ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ.

بقیہ سوشل میڈیا کی دنیا سے

فراڈوں میں سب سے اونچا نام | ساجد ناموس نے لکھا

قوم کو دیے گئے بڑے بڑے دھوکوں اور فراڈ میں

"کشمیر بنے گا پاکستان"

بدستور پہلے نمبر پر ہے۔

مقبوضہ پاکستان | شوکت صدیقی نے لکھا

کشمیر آزاد کروانے شائد اس لیے بھی نہیں جاتے کہ کہیں پیچھے سے پاکستان ہی آزاد نہ ہو جائے۔

بونے اور قد آور | ابو بکر قدوسی نے لکھا

"امیر المومنین" رجب طیب اردگان نے پچھلے دنوں کہا کہ ہم اسرائیل سے تعلقات میں مزید بہتری لائیں گے۔ دوسری طرف کویت کے ایک چھوٹے سے لڑکے نے دبئی میں جاری ٹورنامنٹ میں اسرائیلی کھلاڑی سے میچ کھیلنے سے انکار کر دیا۔

تیسری طرف اسرائیلی سربراہ نے دبئی کا دورہ کیا.....

ان تینوں واقعات میں چھوٹا بچہ ایک بڑا انسان رہا جبکہ ترک اور عرب حاکم بہت چھوٹے افراد ثابت ہوئے۔

اللہ بخشے | کریم الزواوي نے لکھا

ہمیں اس قسم کے نابغوں سے واسطہ پڑا ہے کہ اگر ابلیس بھی مر جائے تو یہ کہیں گے:

"اللہ اپنے بندے ابلیس پر رحمت کرے، ہماری تنہائیوں کا کتنا بہترین ساتھی تھا!!"

#لتا_منگیشکر

مالکوں کے وفادار | ہاشم یزمانی نے لکھا

خبر ہے کہ

عدل کے بے تاج بادشاہ، سابق چیف جسٹس گلزار احمد، ملک و قوم کی سلامتی اور وسیع تر ملکی مفاد کے لیے اپنے اہل و عیال اور مال مویشی سمیت امریکہ منتقل ہو چکے ہیں۔

★★★★★

بھارتی مسلمانوں کے سروں پر رقصاں موت

اوریا مقبول جان

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت... بھارت، ایسی جمہوریت جس کے نظام میں کبھی فوج یا اسٹیبلشمنٹ نے مداخلت نہیں کی، جس کا جمہوری پہیہ گذشتہ پچھتر سال سے مسلسل رواں ہے، وہ آج ایک ایسے مقام پر آ کھڑی ہے کہ اس وقت پوری دنیا چیخ رہی ہے کہ یہ جمہوریت اپنے اندر بسنے والی پندرہ فیصد اقلیت، یعنی بائیس کروڑ مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے مکمل طور پر تیار اور کمربستہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ نسل کشی یا گروہ کا قتلِ عام جسے عمومی انگریزی محاورے میں جینوسائڈ (Genocide) کہتے ہی یہ ظلم بھی انسانی تہذیب کو جدید جمہوری، سیکولر اور لبرل دور کا تحفہ ہے۔

گزشتہ صدی میں جس قوم کی نسل کشی نے بہت شہرت حاصل کی وہ جرمنی میں جمہوری الیکشن سے ووٹ لے کر جیتنے والے ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کا گروہی قتلِ عام تھا۔ اس شاندار قتلِ عام (Land Slide) کے دوران، ایک بارہ سالہ یہودی لڑکی ریوا کا لپزک (Rywka Lipszyc) نے ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل ڈائری تحریر کی، جسے روس کی کمیونسٹ افواج نے جون ۱۹۴۵ء میں ایک یہودی گھیٹو (Ghetto) سے برآمد کیا۔ اس گھیٹو بلکہ اذیت دے کر مارنیوالے کیمپ کا نام آشوٹزبرکینو (Auschwitz Birkenau) تھا۔ یہ ڈائری ایک روسی لیڈی ڈاکٹر زینیڈا برزوسکا (Zinaida Berezovskaya) کے ہاتھ آئی اور وہ اسے لے کر روس چلی گئی، جہاں اس نے اسے سنبھال کر رکھا۔ اس کے مرنے کے بعد یہ ڈائری اس کے بیٹے کے پاس آئی، جس نے اسے جنگ عظیم دوئم کے دیگر نوادرات کے ساتھ محفوظ رکھا۔ وہ بھی ۱۹۹۲ء میں فوت ہو گیا۔ کئی سالوں بعد اس کی بیٹی امریکہ سے روس اپنے خاندان سے ملنے آئی تو اس نے اپنے باپ کے ترکے میں اس ڈائری کو دیکھا اور وہ اسے اپنے ساتھ امریکہ لے گئی۔

ان ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ڈائری میں اس بچی نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء تک کے چھ ماہ کے عرصے کے واقعات اور احساسات درج کیے ہیں۔ وہ چار بہن بھائی تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو اس کے باپ کو سامنے گلی میں جرمن لوگوں نے مار مار کر قتل کر دیا تھا۔ باپ کے بعد چاروں بہن بھائیوں کو ان کی ماں نے پالا، جو ایک سال بعد بھوک اور بیماری کی وجہ سے مر گئی۔ وہ اور اس کے بہن بھائی جولائی ۱۹۴۵ء میں آزاد ہوئے تو وہ اس قدر لاغر اور بیمار تھے کہ انہیں ہسپتال منتقل کرنا پڑا۔ یہ ڈائری ۲۰۱۴ء میں چھپ کر سامنے آئی تو اس کے مندرجات کی بنیاد پر جارج میسن (George Mason) یونیورسٹی میں "قتلِ عام کی نگرانی" (Genocide Watch) کے ادارے کے صدر اور تحقیقی پروفیسر گیریگوری سٹینٹن (Gregory Stanton) نے نسل کشی اور قتلِ عام کے دس مراحل (Stages) ترتیب دیے اور ان کی بنیاد پر دنیا بھر میں ہونے والی تمام نسل کشیوں کا جائزہ لیا۔ پروفیسر سٹینٹن نے نسل کشی کی وارداتوں کو جن دس مراحل میں تقسیم کیا ہے، ان کے حوالے سے آج دنیا بھر کے ماہرین یہ کہہ رہے ہیں کہ بھارت میں اس کے پہلے آٹھ مراحل پورے ہو چکے ہیں اور اب صرف دو مراحل باقی رہ گئے ہیں اور وہ ہیں، مکمل قتلِ عام اور ریاستی سطح پر اس قتلِ عام کا انکار۔

1. پہلا مرحلہ: قسم بندی یا تقسیم (Classification)

پروفیسر سٹینٹن کے مطابق، بنائے گئے مراحل میں پہلا مرحلا قسم بندی یا تقسیم (Classification) ہے۔ یعنی کسی قوم کو اس کے رنگ، نسل اور زبان کی وجہ سے علیحدہ تصور کیا جائے۔ لیکن بھارتی مسلمانوں کو مذہب کی بنیاد پر ایک مخصوص طریقے سے علیحدہ کیا گیا، اور اس کے لیے آخری ہتھیار یعنی ان سے مستقل شہریت NRC کے ثبوت طلب کرنے کو استعمال کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھارت کے ۲۲ کروڑ مسلمان وہاں دوسرے درجے کے شہری تصور ہوتے ہیں۔

2. دوسرا مرحلہ: علامتی شناخت (Symbolization)

یعنی جس قوم کی نسل کشی مقصود ہو، اس کے لباس اور حلیے سے انہیں شناخت کیا جائے، جیسے بھارت میں مسلمانوں کو داڑھی، ٹوپی اور حجاب سے اور پھر ان کے ناموں کی وجہ سے انہیں نفرت کی علامت بنایا گیا۔ نریندر مودی اپنے جلسوں میں کہتا تھا، "ہم اپنے دشمنوں کو ان کے کپڑوں سے پہچانتے ہیں"۔ یہ وہ مرحلہ تھا کہ جس میں مسلمان عورتیں گھروں میں کام کرنے کے لیے ہندوؤں کے نام رکھتی رہیں اور مسلمان مرد اپنی وضع قطع ہندوؤں جیسی بناتے تھے تاکہ آسانی سے کاروبار کر سکیں۔

3. تیسرا مرحلہ: امتیازی سلوک (Discrimination)

اس مرحلے کے تحت بھارت میں مسلمانوں کو نوکریوں سے نکالا گیا، ان سے تجارت اور کاروبار ختم کیا گیا اور انہیں مکمل طور پر ریاستی اور حکومتی سرپرستی سے دور کر دیا گیا۔ ان تینوں مراحل کے بعد ایسے مرحلے شروع ہوتے ہیں جہاں سے عملی طور پر نسل کشی کا آغاز ہوتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 88 پر)

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

شریعہ بارڈر کراس کرتے ہی نور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہی شاہراہیں جہاں بے پردہ عورتیں بن سنور کر گھوم رہی ہوتی تھیں، میوزک کی آواز ہر وقت سنائی دیتی تھی..... اب وہاں کوئی عورت پردے کے بغیر نظر نہیں آرہی تھی، مردوں کی داڑھیاں تھیں، دکانوں میں یا تو جہادی ترانے لگے ہوئے تھے یا دروس، ٹریفک لائٹس پر کوئی مانگنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔

شہر کراس کرنے کے بعد گاڑی مضافاتی علاقے کی طرف بڑھ گئی۔ عبادہ نے گاڑی ایک خوبصورت سے گھر کے سامنے روک دی اور نور کو اندر بھیج دیا۔ گھر کی خواتین نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا۔ اور جب نور نے بتایا کہ وہ مجاہد کی بیوی ہے تو وہ باقاعدہ اس کے ہاتھ چومنے لگیں۔ اس کے پوچھنے پر ان میں سے ایک خاتون نے مجاہدین کی تعریفوں کے پل باندھنے شروع کر دیے۔

"خدایا!..... ان مجاہدین نے تو ہماری زندگیاں بدل کر رکھ دی ہیں!..... میں ان کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟..... ہماری زندگیوں میں اسلام آگیا..... جس سے ہماری آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور گئی!....."، وہ خاتون مسکرا مسکرا کر نور کو ساری بات بتا رہی تھیں۔ نور حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دلی طور پر مجاہدین سے مرعوب ہو رہی تھی۔

"اور؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"انہوں نے ہر جگہ اعلان کروادیا ہے کہ نمازیں ہر علاقے میں ہر وقت ادا کی جائیں، منشیات کا خاتمہ ہو گیا، جوے کا خاتمہ کر دیا..... غرض کیا کچھ بتاؤں جو ان لوگوں نے ہم پر احسان کیے ہیں؟..... چوری، ڈاکہ، فحاشی و عریانی، قتل صرف ایک دو حدود نافذ ہونے کے بعد ہی ختم ہو گئے!..... اور دیکھیں ناں میڈیکل کے شعبے کے بارے میں کیا ہدایات ہیں؟" وہ خاتون جوش و خروش سے بتا رہی تھیں۔ "عورتوں کو ہدایت ہے کہ علاج و معالجہ کے لیے صرف عورتوں کے پاس جائیں، اگر کسی مرد معالج کی ضرورت پڑے تو اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ جائیں..... مریضہ کے طبّی معائنے کے دوران مریضہ اور معالج دونوں شرعی حجاب پہنے رہیں..... بیمار خواتین کی انتظار گاہیں محفوظ اور باپردہ ہوں..... رات کے ہسپتال کے جن کمروں میں عورتیں ہوں، ان میں کوئی مرد ڈاکٹر بلائے بغیر داخل نہیں ہو سکتا..... ڈاکٹر مرد اور خواتین کے مل بیٹھنے اور باہم گفتگو کی اجازت نہیں..... اگر کسی مسئلہ پر تبادلہ خیال کرنا ہو تو حجاب کے ساتھ کیا جائے..... خاتون ڈاکٹر اور نرسیں مردوں کے وارڈ میں نہیں جا سکتیں..... مقررہ وقت پر نمازیں ادا ہوں گی..... غرض ہر طرف خوشی، امن و امان ہے..... ہم سے زکوٰۃ لے کر غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں..... عصر کے بعد روزانہ مسجد میں دروس کے حلقہ جات منعقد کیے جاتے ہیں..... سالوں کے پھنسے ہوئے مقدمات انصاف کے مطابق حل ہو گئے ہیں!" ان خاتون کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"کیا مجاہدین خواتین کی تعلیم کے خلاف ہیں؟" نور نے عرصے سے سنا ہوا اعتراض پوچھا۔

"بالکل بھی نہیں!..... جو اسکول تو پہلے سے صرف لڑکیوں کے لیے تھے، وہ تو ابھی بھی کھلے ہیں البتہ جن میں مخلوط تعلیم تھی، وہ بند کر دیے گئے ہیں اور ہم سے اپیل کی ہے کہ بس کچھ عرصہ انتظار کریں، ہم مکمل نظام تعلیم بنانے کی کوشش کر رہے ہیں جس میں لڑکیوں اور لڑکوں کو شرعی نقطہ نظر سے تعلیم دی جائے گی!" انہوں نے جواب دیا۔ "میں نے جب تک مجاہدین کو نہیں دیکھا تھا اور مغربی میڈیا کی وجہ سے میں بھی انہیں دہشت گرد، ظالم اور وحشی درندہ سمجھتی تھی!..... مگر جب میں نے ان کو قریب سے دیکھا..... نور بیٹا! میں کیا بتاؤں آپ کو؟" ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "میں امت کو کیسے بتاؤں کہ وہ ان ہیرے موتی جیسے مجاہدین کو نظر انداز کر رہی ہے جو اپنی امت کے غم میں گھلے جا رہے ہیں۔ ان کی دعائیں صرف اپنی امت کے لیے ہیں!..... ان کے روز و شب اپنی امت کی سربلندی کی کوشش میں گزرتے ہیں..... نور بیٹا! یہ مجاہد اپنی امت کی سربلندی کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کر رہے ہیں، مگر..... ہائے افسوس!..... امت میں سے کسی کو بھی احساس نہیں!" انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر میں گھر والے کھانا لگانے لگے۔ اس کے لیے کافی اہتمام کیا گیا تھا۔ مغرب کی اذانیں ہوئیں اور ان سب نے روزہ کھول لیا۔

☆☆☆☆☆

ایک ہفتہ شریعہ بارڈر کے پار گزار کر عبادہ اور نور کی واپسی کا سفر شروع تھا۔ عید میں صرف دو دن باقی تھے اور وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہ رہے تھے۔ عبادہ نے راستے میں بازار سے امینہ خالہ اور جویریہ کے لیے عید کے تحفے لے لیے۔ نور بھی بے چینی سے گھر پہنچنے اور جویریہ کو پورے سفر کی روداد سنانے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔

"عبادہ!" نور بور ہونے لگی تھی۔ "ایک بات تو بتائیں؟"

"ہوں پوچھو!"

”جب خلافت قائم ہو جائے یا شریعت نافذ ہو جائے تو علاقے کے امیر کا کیا کام ہوتا ہے؟“

”تم سوال بہت اچھے کرتی ہو!“ عبادہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ ”دیکھو!..... سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لو کہ خلافت قائم کرنے کے بہت سے مقاصد ہیں، جن کے مطابق خلیفہ عمل کرے گا..... خلافت قائم کرنے کا سب سے پہلا مقصد ہے: اللہ کا نظام اللہ کی زمین پر قائم کرنا۔ خلافت و حکومت مقصود اصلی نہیں بلکہ اصل مقصد کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہے..... اور مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا ہے..... حکومت الٰہی سے مقصود ہر اچھے کام کو عام کرنا اور ہر برے کام کا شریعت کی روشنی میں خاتمہ کرنا، اللہ کے دین کی سربلندی اور شر و فساد کی بیخ کنی کرنا ہے۔ اسی مقصد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں، اور برائی سے روکیں، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔﴾“ عبادہ سانس لینے کے لیے رکا۔ نور کی نظریں سامنے وِنڈ سکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ گزرتے مناظر پر ڈالی۔ درخت، پودے، سڑک، پتھر، سب کچھ بہت تیزی سے دوڑ رہا تھا۔

”شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اسلامی حکومتوں کا اصل مقصد اور بنیادی ہدف امر بالمعروف یعنی اچھائیوں کا حکم اور منکرات سے منع کرنا ہے..... بس ان حکومتوں پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے دین کی اصلاح کریں، جس کے بغیر مخلوقِ خدا واضح خسارے اور کھلے نقصان اور بڑی تباہی میں جا گرے گی۔ ایسی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ دین کی روشنی میں وہ لوگوں کی دنیا کی بھی اصلاح کریں..... ابنِ ہمام فرماتے ہیں کہ خلافت کا سب سے پہلا مقصد اقامت دین ہے۔ شریعت کو قائم کرنا کہ تمام عبادات، طاعات قائم ہو جائیں، سنت زندہ ہو جائے اور بدعات کا قلع قمع ہو جائے، تاکہ لوگ اللہ کی عبادت پر زیادہ اکٹھے ہو جائیں..... حفاظت دین کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں:

نمبر ۱: دعوت و تبلیغ..... یہ دو طریقوں پر ہوتی ہے۔ اول زبان کے ذریعے اور دوم تلوار کے ذریعے۔

نمبر ۲: حفاظت دین کی دوسری صورت اپنی مملکت میں شبہات و بدعات اور باطل نظریات کا مقابلہ کریں۔

نمبر ۳: تیسرا یہ کہ مرکز اور اسلامی سرحدات کی حفاظت..... یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یہاں سرحدات سے مراد یہ نام نہاد تقسیم پر قائم ممالک کی سرحدات نہیں بلکہ تمام مسلمان دنیا کی سرحدات کی حفاظت امیر المؤمنین کے ذمے ہے۔

نمبر ۴: حفاظت دین کی چوتھی صورت احکام اسلام اور حدود و قصاص کا نفاذ ہے..... چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ مسلم حکمران پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی حدود کو نافذ کرے اور اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ واجب چھوڑنے اور حرام کا ارتکاب کرنے پر عوام الناس کو شرعی سزائیں دی جائیں گی!..... مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے کہ ”زمین میں ایک حد نافذ کرنا چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے“..... یعنی چالیس دن کی نافع بارش سے اقتصادی طور پر ملک کو اتنا فائدہ نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ ایک حد نافذ کرنے سے ملک کو اقتصادی اور معاشی لحاظ سے فائدہ پہنچتا ہے..... خلافت کا پانچواں مقصد.....“ گاڑی کا انجن اچانک آوازیں نکالتا بند ہو گیا۔ عبادہ نے فوراً گاڑی سائڈ پر کی اور نیچے اتر گیا۔

”کیا ہوا ہے؟“ نور نے پریشانی سے کھڑکی سے سر باہر نکالا۔

”کچھ نہیں! شاید گاڑی گرم ہو گئی ہے.....“ اس نے گاڑی میں سے پانی کی بوتل نکالی، بونٹ اٹھا کر اس میں راڈ ٹکائی اور پانی انجن میں بنی جگہ میں انڈیل دیا۔ پھر واپس گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ تیسری دفعہ کی کوشش میں گاڑی چل پڑی۔

”الحمدللہ! میں تو سمجھا تھا کہ لمبا مسئلہ ہو گا!“ عبادہ سٹیرنگ پر ہاتھ جماتے ہوئے بولا۔ گاڑی پھر رواں دواں ہو گئی۔ جھنگ آنے میں دس کلو میٹر رہتے تھے۔ جھنگ کے نام پر نظر پڑتے ہی نور کو زور کا جھٹکا لگا۔

”اُف! خدایا! پہلے کیوں خیال نہ آیا؟“ وہ یک دم آگے ہو کر بیٹھ گئی۔ عبادہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا، گاڑی ذرا ڈگمگائی۔

”کیا ہوا؟“

”جھنگ میں بسام بھائی کی دکان ہے!..... عبادہ! پلیز مجھے لے چلیں!..... پلیز! پلیز! پلیز!“ وہ بری طرح مچلنے لگی۔

”اچھا اچھا ٹھیک ہے!“ عبادہ ہنس کر بولا۔

”عبادہ آپ جلدی بات مکمل کریں!“ نور اب بے چین سی ہو گئی تھی۔

”پکی بات ہے بولوں؟“ عبادہ نے ترچھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

”جی بولیں بولیں!“

”اچھا تو پھر سنو!..... خلافت کا پانچواں مقصد قیام عدل اور دفع ظلم ہے..... چھٹا مقصد عوام و خواص کو متحد رکھنا ہے..... اب آؤ ساتویں مقصد کی طرف..... ساتواں مقصد یہ ہے کہ خلیفہ کا لوگوں کی دینی حالت کے ساتھ ساتھ ان کی دنیا کی بھی فکر کرنا۔ کیونکہ انسان کو اس دنیا میں جتنا رہنا ہے اتنا تو وہ کھانے پینے کا محتاج ہے اور اگر اس کا انتظام نہ ہو تو انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت

کیسے کرے گا..... اس لیے خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ زمین کی آبادکاری کا انتظام کرے، راستوں، سڑکوں، پلوں اور پانی کا انتظام، محکمہ زراعت اور محکمہ صنعت کو فعال بنائے، آب پاشی اور آب رسانی کی طرف توجہ دے..... تاکہ زمین آباد ہو جائے، صنعتیں فعال ہو جائیں اور لوگ سکون کی زندگی گزار سکیں۔ اگر علاقے میں گیس اور بجلی ہے تو اس کو پہنچانے کا انتظام کرے اور ان چیزوں کو سمجھنے کے لیے جن ماہرین کی ضرورت پڑتی ہے، ان ماہرین کا انتظام کرے۔ فقہاء نے ان کو واجب کے درجے میں شمار کیا ہے.....

.....علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: جن صنعتوں کے مسلمان محتاج ہیں، ان کا قائم کرنا فرضِ کفایہ ہے یعنی یہ کہ اگر خلیفہ وقت اور عام مسلمانوں نے ضروری صنعتوں اور کارخانوں کو ترک کر دیا تو سب گناہ گار ہوں گے.....

.....علامہ ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں: خلیفہ کی ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ جن صنعتوں کے محتاج ہیں، ان کو قائم کرے..... مثلاً محکمہ زراعت، کپڑوں کے کارخانے اور تعمیراتی منصوبے۔ پس خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو یعنی تاجروں کو معاوضے دے کر مجبور کرے کہ وہ صنعتیں لگائیں کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شوافع و حنابلہ کے فقہائے کرام نے کہا ہے کہ ان صنعتوں اور کارخانوں کا فن سیکھنا فرض کفایہ ہے (فریق حکمیہ)..... اب بس آخری بات..... امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ معاشرے میں ہر فن کے اپنے ماہرین ہوں تاکہ مسلمان غیر مسلم اقوام کے محتاج نہ ہوں۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے اپنے ڈاکٹر، انجینئر، صنعت کار، تجار ہوں..... الغرض ہر چھوٹے بڑے پیشے کے ماہرین موجود ہوں۔ کیونکہ یہ دین کامل اور مکمل ہے، کسی اور کا محتاج نہیں!..... زمین کی آبادکاری میں راستوں، سڑکوں، کھیتی باڑی اور آب پاشی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے.....“

”اوہ جھنگ!“ نور کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

جھنگ: ایک کلو میٹر!

نور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ہاتھ پیروں پر کپکپی طاری ہو گئی۔

”تمہیں معلوم ہے کہ بسام بھائی کی دکان کون سی ہے؟“ عبادہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

”جی! جی! مجھے معلوم ہے! جی ٹی روڈ پر ہی ہے القریش کے نام سے.....“ نور کی اچانک بولتی بند ہو گئی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ عبادہ نے بھی اس کی نظروں کے مرکز کی جانب دیکھنا چاہا۔ ایک دکان پر ’القریش‘ کا بڑا سا بورڈ لگا ہوا تھا۔

”وہ رہی! وہ رہی! اوہ! الحمدللہ! یا اللہ تیرا شکر!“ نور خوشی سے بے قابو ہونے لگی۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عبادہ نے گاڑی فوراً اس طرف کو موڑ لی اور ’القریش‘ کے سامنے گاڑی روک کر نیچے اترا۔ نور اس سے پہلے ہی اتر چکی تھی۔ وہ دونوں ’القریش‘ کی طرف بڑھ گئے۔ مگر قریب پہنچنے پر فوراً ہی ٹھنڈے پڑ گئے۔ دکان کا شٹر گرا ہوا تھا۔

”السلام علیکم! بھائی صاحب!..... بسام صاحب کہاں گئے ہیں؟“ عبادہ نے ساتھ والے دکاندار سے پوچھا۔

”وہ جی..... اپنی شادی کے سلسلے میں دکان بند کر کے چلے گئے ہیں جی!“

”ان کی فیملی اب کہاں ہے!“ نور بھی آگے کو بڑھی۔ اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”جی؟ یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ مشکوک نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

”ہم پچھلے دس ماہ سے ان کو ڈھونڈ رہے ہیں..... میں ان کی کزن ہوں!“ نور نے بے تاب ہو کر کہا۔

”جی!..... میں کیسے یقین کروں جی؟ مجبور ہوں جی! وہ حالات تو آپ کو پتہ ہی ہیں جی!..... آج کل کیسے لوگ بہانے سے پوچھ کر جاسوسیاں کروا دیتے ہیں جی! آپ ایسا کریں اپنا نام، پتہ اور نمبر دے دیں! میں ان کو بتا دوں گا جی!“

عبادہ نے جیب سے کاغذ اور قلم نکالا۔

”میرا نام عبادہ ہے!..... یہ میری اہلیہ نور الہدیٰ قریشی بنت احمد قریشی ہیں..... بسام صاحب کی تایازاد بہن ہیں..... آج کل ہم ہری پور میں رہ رہے ہیں..... یہ میرا ایڈریس اور گھر کا نمبر ہے..... موبائل نہیں رکھتا..... اتنا کافی ہے یا کچھ اور؟“ عبادہ اپنے مخصوص انداز سے مسکرایا۔

”نہیں جی! کافی ہے!“ اس نے کہہ کر اس کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا۔ ”آپ مجاہد ہیں؟“

عبادہ کے سر اثبات میں ہلانے پر اس نے بے ساختہ اس کا ہاتھ چوم لیا۔

”اللہ آپ لوگوں کو بہت اجر دے!..... جی آپ لوگوں نے ہی ہمارا ساتھ دیا جب سب ہمارا ساتھ چھوڑ گئے!..... آپ لوگوں کی وجہ سے ہماری زندگیاں بدل گئی ہیں!“ اس کی آنکھوں میں فرطِ محبت سے آنسو آ گئے۔

عبادہ نے بھی مسکرا کر اس کا ہاتھ چوما پھر واپس مڑ گیا۔ نور بھی واپس مڑ گئی۔

دکاندار گاڑی کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا۔ آخر جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے اپنا موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تین بیلوں کے بعد کسی نے فون اٹھا لیا۔

”وعلیکم السلام! جی بسام بھائی! آپ کی کزن شاید مل گئی ہے جی!“

☆☆☆☆☆

ابو بکر نہا کر نکلا تو ایک بھائی کو اپنا منتظر پایا۔ ہاتھوں میں کپڑے اٹھائے وہ اس کے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

”محمد بھائی! خالد بھائی ناراض ہو رہے ہیں کہ جلدی کریں۔ عید تک یہ کام ہو جانا چاہیے!“ وہ بھائی کہہ کر خاموش ہو گیا۔ ”اور ذرا جلدی سے نکلیں!..... میں نے بھی نہانا ہے!“ وہ ہنس کر بولا۔

”اچھا جی!..... جو حکم عمر بھائی!“ ابو بکر نے مسکرا کر سر کو ذرا سا خم دیا اور دروازے کی چوکھٹ سے ہٹ گیا۔

آج وہ زکوٰۃ کی رقوم اور جانور تقسیم کرنے جا رہے تھے۔ عید میں چھ دن باقی تھے اور امیر صاحب چاہتے تھے کہ عید پر سب غریبوں کے پاس بھی رقم موجود ہو۔

آدھے گھنٹے میں سب تیار تھے۔ ابو بکر آج بہت تازہ دم لگ رہا تھا۔ ہلکے سے براؤن سادہ سی شلوار قمیص کے اوپر کالی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ کندھے پر کلاشن کوف لٹکائے ہوئے، اس نے ٹوپی سر پر رکھ کر کالا عمامہ باندھ لیا۔ جیب سے عطر کی بوتل نکالی اور آخری بار اچھی طرح سے اپنے کپڑوں پر عطر مل دیا۔ کمرے میں عطر کی تیز خوشبو پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆

کچی بستی میں داخل ہونے کے بعد پہلا گھر ابو بکر کے حصے میں آیا تھا۔ دو بکریاں ہاتھ میں پکڑے، وہ دو ساتھی گھر میں داخل ہو گئے۔ جانور گھر والوں کے حوالے کیے۔ دو سو ڈالر ہاتھ میں تھمائے اور سلام کر کے واپس مڑ گئے۔

”اللہ تم کو جنت نصیب کرے! ہماری عید سنوار دی! اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی دنیا سنوار دے!“ گھر کی خاتون ٹھیٹ سرائیکی میں ان کو دعائیں دے رہی تھیں۔ بوڑھے بزرگ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بچے خوشی خوشی جانوروں کو دیکھ رہے تھے۔

ابو بکر باہر نکلا تو ساتھی دس گھروں میں کام مکمل کر چکے تھے۔ ابو بکر ایک اور گھر میں خوشیاں تقسیم کرنے داخل ہو گیا۔ آدھے گھنٹے میں ایک محلے سے فارغ ہوئے۔

زکوٰۃ تقسیم کرتے، ایک شہر سے دوسرے شہر میں خوشیاں بکھیرتے عید آ گئی۔ عید بھی انہوں نے کچی بستی کے غریبوں کے ساتھ منائی تھی۔ یہ اس کی زندگی کی سب سے اچھی عید تھی۔ عید کے پانچویں دن جب وہ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ گھر پہنچا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ باقی سب بھائی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سو گئے۔ البتہ ابو بکر جاگتا رہا۔ کچھ دیر تلاوت کی، نوافل پڑھے اور پھر لیٹ کر کچھ دیر ذکر کرتا رہا۔ پھر لیپ ٹاپ کھول کر بے مقصد کرسر (cursor) گھمانے لگا۔ اچانک اس کی نظر انٹرنیٹ کے سگنلز پر پڑی۔ اس کو انٹرنیٹ پر اپنا کوئی کام یاد آ گیا۔ اس نے خبروں کا صفحہ کھولا اور خبریں پڑھنے لگا۔ مجاہدین نے راولپنڈی میں ایک خفیہ جیل توڑ کر اپنے ۲۰۰ ساتھی چھڑوا لیے تھے۔ ابو بکر نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر کام سے فارغ ہو کر نجانے کس خیال کے تحت اپنا فیس بک اکاونٹ کھول لیا۔ ۱۷ کا ہندسہ سکرین میں سب سے اوپر نظر آ رہا تھا۔ ۱۷ میسیجز!..... وہ چونکا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

مؤمنہ، منال، ماہم، موحد چچا اور بسام بھائی کے بیس کے قریب میسیجز آئے ہوئے تھے۔

ابو بکر کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس نے جلدی سے فیس بک چیٹ کھول لی۔

”ابو بکر! کہاں ہو؟“ بسام قریشی (پانچ منٹ پہلے)

”ابو بکر بھائی! نور کا میسیج دیکھا ہے؟ آپ کہاں ہیں؟“ مؤمنہ (دو دن پہلے)

”ابو بکر! جواب کیوں نہیں دیتے؟“

”ابو بکر! ہم پریشان ہیں!“ موحد چچا (۳ دن پہلے)

”ابو بکر!؟“

ابو بکر کی انگلیاں فوراً حرکت کرنے لگیں۔

”میں ذرا کام سے نکلا ہوں! گھر پہنچ کر فون کروں گا! نمبر بتائیں“ اسی لمحے جواب آ گیا۔

”کہاں ہو؟“

”کیسے ہو؟“

”نور کہاں ہے؟“

”خیریت سے ہو؟“

”موبائل ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں رہے تھے، سب ضائع ہو گئے تھے..... ابھی کچھ دن پہلے ہی نئے خریدے ہیں!“

”فون نمبر: 0350-6291131“

”ٹھیک ہے، پرسوں گھر جاؤں گا! والسلام!“

اس کے بعد اس نے انٹرنیٹ بند کیا اور لیپ ٹاپ سکرین فولڈ کر کے وہیں آنکھیں موندھ کر لیٹ گیا۔ دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ بہت بے ربط سا دھڑک رہا تھا۔ چہرے پر ایک پر سکون مسکراہٹ پھیل گئی۔ یک دم وہ اٹھ بیٹھا۔

"میں اپنے رب کا شکر تو ادا کر لوں!" اس نے سوچا، اور مصلیٰ بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی۔

☆☆☆☆☆

فون کی گھنٹی اونچی آواز سے بج رہی تھی۔ نور فوراً فون کی جانب لپکی۔ مگر امینہ خالہ پہلے ہی فون اٹھا چکی تھیں اور کسی سے مسکرا مسکرا کر بات کر رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر انہوں نے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

"السلام علیکم؟" نور نے حیرت سے فون میں کہا، مگر دوسری طرف سے جواب کے بجائے کچھ لوگوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔

'یا اللہ خیر!'

"نور! نور!" اچانک شناسا سی نسوانی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چیخ رہی تھی۔ نور نے فون کان سے دور کیا۔

"جی؟"

"نور! نور! تم؟" وہ لڑکی اب قہقہے لگانے لگی تھی۔ اتنے میں اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے جھڑک کر فون اپنے ہاتھ میں لیا ہو۔

"السلام علیکم! نور بیٹا! مؤمنہ کا تو دماغ ہی الٹ گیا ہے..... جلدی بولو! ہم لوگ ہری پور پہنچ گئے ہیں! گھر کہاں ہے؟" اس مرتبہ اس کو آواز پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ فون پر موحد چچا تھے۔ چیخنے کی باری اب نور کی تھی۔ وہ فون چھوڑ کر چیخے ہی گئی۔ فون نیچے جا گرا اور موحد چچا سنو سنو ہی کرتے رہ گئے۔ امینہ خالہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"عبادہ! آ کر اپنی بیوی کو سنبھالو!" وہ مسکرا کر بولیں۔

عبادہ بھی اس کی چیخ کی آواز سن کر آ گیا تھا اور سیڑھیوں پر کھڑا نور کو آپے سے باہر ہوتا دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ آخر خود ہی آگے بڑھا اور فون اٹھا لیا۔ نور اب امینہ خالہ کے گلے لگ کر رو رہی تھی۔

"السلام علیکم! جی! جی! میں عبادہ بول رہا ہوں! ایڈریس ہے....."

گھر کا راستہ سمجھا کر اس نے فون رکھ دیا۔ نور نے فوراً ہاتھ منہ دھویا۔ سر پر اچھی طرح سے سکارف لپیٹ لیا اور چادر ہاتھ میں لے لی۔

اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نور نے لپک کر اٹھا لیا۔ دوسری طرف ابو بکر تھا۔

"وعلیکم السلام! نور بوجھو تو کیا ہوا؟" وہ چہک کر بولا۔

"موحد چچا مل گئے!"

"کیا؟ تمہیں کیسے معلوم؟"

"ایسے کہ..... اِس وقت وہ ہمارے گھر پہنچنے والے ہیں!" اتنے میں باہر کی گھنٹی بجی۔ "لو! وہ آ بھی گئے! بعد میں بات کریں گے!"

وہ فون رکھ کر باہر کو لپکی۔

عبادہ سب کو بیٹھک میں بٹھا چکا تھا۔ نور نے چادر لپیٹ لی۔

"بسام بھائی نہیں آئے..... صرف سکارف لے لو!"

اس کے کہنے پر نور نے چادر اتار دی اور صرف سکارف لے لیا۔

بیٹھک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو سب ہی اس سے ملنے کو بڑھے۔ جس کے نتیجے میں اس کو زور کا دھکا لگا اور وہ لڑکھڑا گئی۔

"نور.....!" مؤمنہ اور منال چلائیں، اور ساتھ ہی اس سے لپٹ کر رونے لگیں۔ نور کی آنکھوں میں بھی نمی آئی۔ ان دونوں سے مل کر وہ عائشہ چچی سے لپٹ گئی۔ پھر موحد چچا نے بھی روتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ نور نے موحد چچا کو اس سے پہلے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ تائی جان اور ماہم بھی اس سے ملنے کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ لائبہ بھی آئی ہوئی تھی۔ سب سے مل کر نور صوفے پر بیٹھ گئی۔ اچانک باہر کا دروازہ کھلا اور عبادہ کے ساتھ مصعب کمرے میں داخل ہوا۔ مؤمنہ، منال اور لائبہ نے فوراً چہرے ڈھک لیے۔ نور خاموشی سے بیٹھی رہی۔

(خوشی کی شدت سے شاید میری آنکھوں کی بینائی متاثر ہو گئی ہے!)

"نور؟" مصعب کے تو ہونٹ بھی ہلے تھے۔

"نور! مصعب سے ملو!" عبادہ دھیرے سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

(اف! الوژن اس حد تک بڑھ گئی ہے..... اوہ نہیں! شاید یہ سچ ہی ہو)

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور مصعب کی طرف بڑھی۔ پھر اس کے بازو کو چھوا۔

(یہ تو کافی اصل لگتا ہے!)

پھر اس نے عجیب حرکت کی، اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ لی۔ آہ! ہلکی سی سسکی نکلی اور وہ چیخ کر مصعب سے لپٹ گئی۔

"یہ خواب نہیں ہے!" مصعب نے بھی ہنستے ہوئے اس کو سینے سے لگا لیا۔ نور نے آنکھیں مضبوطی سے بھینچ لیں۔ مگر آنسو بند آنکھوں سے بھی راستہ تلاش کر کے بہنے لگے۔ مصعب کی آنکھیں بھی چھلکنے کو بے تاب تھیں۔

تھوڑی دیر میں سب کے حواس بحال ہوئے تو سب نے اپنے اپنے حصے کی کہانی سنائی۔

"اف خدایا! اگر ہم صرف ایک دن اور ٹھہر جاتے، تمہارے انتظار میں..... مگر اصل میں ہم سمجھے تھے کہ تم گرفتار ہو گئی ہو۔ اس لیے خوفزدہ ہو کر ہم نے اگلے دن پہنچتے ہی شفٹنگ کر لی۔ ہم جھنگ میں شفٹ ہو گئے ہیں! کچھ دن پہلے اس دکاندار نے فون کیا تو مؤمنہ نے ایسے ہی فیس بک کھولا تو تمہارا میسیج نظر آیا۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ تم ہمیں ہی ڈھونڈ رہی ہو..... عید کے تیسرے دن بسام کی شادی تھی اس لیے ہم جلدی نہ آسکے!" عائشہ چچی نے تفصیل سنادی۔

"تم کیسے آ گئے؟" نور مصعب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تم نے کچھ دن پہلے کی خبریں نہیں سنیں؟..... مجھے مجاہدین نے چھڑوالیا، ہماری جیل پر حملہ کر کے ہمیں چھڑوالیا!" مصعب مسکرا کر بولا۔ "مگر شاید تم نے نوٹ نہیں کیا۔ قید کے دوران میری آنکھ ضائع ہو گئی ہے۔" نور نے بے اختیار اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ اس کی ایک آنکھ واقعی بے نور تھی۔

اب نور کی کہانی کی باری تھی۔ جب وہ سنا کر خاموش ہوئی تو سب بے ساختہ مسکرا دیے۔

"نور! تم اب شادی شدہ ہو!" مؤمنہ خوشی سے چہکی۔

"ہم نے بسام کی لائبہ سے شادی کر دی ہے اور علی کی بھی منال سے نسبت طے کر دی ہے!" عائشہ چچی نے بتایا "عبادہ بیٹے! کچھ دن کے لیے ہمیں اپنی بیٹی کو لے جانے دو..... اور ابو بکر آئے تو ہمارا ایڈریس دے دینا۔"

"ضرور! ضرور! بے شک لے جائیں!" عبادہ نے نور کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً اپنے کمرے کی طرف گئی۔ عبادہ بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے آ گیا۔

"آج میں بہت خوش ہوں! شاید زندگی میں اس سے زیادہ خوش کبھی نہ ہوا ہوں گا!" عبادہ مسکرا رہا تھا۔ اس کا چہرہ واقعی کھلا ہوا تھا۔ نور نے بے یقینی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی طرف دیکھا۔ "اوہ بھئی..... بیگم صاحبہ! سمجھا کرو ناں!..... آپ کی خوشی میری خوشی..... میں نے تمہیں ہمیشہ روتے دیکھا ہے۔ تمہیں خوش دیکھنا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی..... بلکہ ابھی بھی ہے!" وہ مسکرا کر خلوص سے کہہ رہا تھا۔

"عبادہ!" نور اور کچھ نہ بول سکی۔ بس صرف اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنا کرم فرمایا تھا۔ وہ سب سے پہلے اس کا شکر ادا کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆

نور ایک ماہ کے لیے موحد چچا کے گھر چلی گئی۔ اس کا یہ ایک ماہ بڑا اچھا گزرا۔ ابو بکر بھی آ کر مل گیا تھا۔ ارمغان حیرت انگیز طور پر نور کی عبادہ سے شادی پر کچھ نہ بولا۔

ایک ماہ بعد نور واپس آ گئی۔ مصعب، ابو بکر اور علی بھی ان کے محلے میں ہی ایک گھر میں آ گئے تھے۔ مصعب کچھ دنوں سے اس کے گھر آیا ہوا تھا۔ گھر میں ہل چل سی تھی اور مصعب اور عبادہ کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے مگر نور کو کچھ بتانے سے بالکل انکاری تھے۔ نور نے ہر چند چاہا کہ عبادہ اپنی پریشانی کی وجہ اگل دے مگر وہ ہر دفعہ کنی کترا جاتا۔ آخر نور نے بھی تنگ آ کر کوشش چھوڑ دی۔

☆☆☆☆☆

"بھائی!" نور کمرے میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم!" مصعب اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"وعلیکم السلام!" نور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ "بھائی! ایک بات بتاؤ گے؟"

"ہوں؟"

"بھائی! کوئی مسئلہ ہے؟" اس نے جانچتی ہوئی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا "عبادہ بہت پریشان ہے..... مجھے کچھ بتا بھی نہیں رہا..... تم بتاؤ گے؟"

مصعب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟ تمہیں کیسے لگتا ہے؟"

"جب سے تم لوگ آئے ہو، وہ بہت پریشان ہے!" نور بولی۔

مصعب اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا۔

"وہ..... اصل میں تم نے فون پر اپنا ایڈریس اور نام وغیرہ بتایا تھا ناں..... اس وجہ سے اس کو خطرہ ہے کہ ایجنسی والوں کو تمہارے گھر کا پتہ نہ لگ گیا ہو!" وہ دھیرے سے بولا۔

"یہ بات تو عبادہ نے مجھے بھی بتائی ہے مگر کچھ ہے جو تم سب لوگ مجھ سے چھپا رہے ہو!" نور اس کی کہانی سے متاثر ہوئے بغیر بولی "بھائی! پلیز بتا دو ناں!"

مصعب خاموش ہو گیا اور پاس پڑی کتاب اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ بات ٹالنا چاہ رہا ہے۔

"اچھا بھائی! ایک اور بات!" نور نے موضوع بدلنا چاہا، "شادی کرو گے؟"

مصعب کو ویسا ہی جھٹکا لگا جیسا اس کو چھاپے والے دن نور کی بات سن کر لگا تھا۔

"نور! آج کل ایسے حالات نہیں ہیں!" مصعب ذرا درشتگی سے بولا۔ نور نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں نہیں ہے؟ بھائی! ثواب کمانے میں حالات کی کیا قید؟"

مصعب نے منہ بنا کر اس کی جانب دیکھا۔

"کس سے شادی کر کے مجھے ثواب ملے گا؟"

"جویریہ سے!" نور زور دے کر بولی۔ مصعب ایک سیکنڈ کو بالکل خاموش ہو گیا۔

"نور؟....." وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بول پایا۔

"بھائی!..... خود ہی سوچو! اس کو کون سہارا دینے پر تیار ہو گا وہ بھی اس حالت میں..... تم لوگ دنیا میں انقلاب انقلاب کی بات کرتے ہو..... اپنی زندگیوں میں بھی تو ہم نے انقلاب لانا ہے ناں!" نور آگے ہو کر بیٹھ گئی۔

مصعب گہری سوچ میں جا چکا تھا۔

"بھائی!....."

"ٹھیک ہے نور! میں کر لوں گا شادی!" مصعب اچانک تیز لہجے میں بولا "مگر ابھی مجھے تنگ نہیں کرو..... میں کتاب پڑھنا چاہ رہا ہوں۔"

وہ بہانہ بنا رہا تھا کہ اس نے کتاب پڑھنی ہے، مگر نور اچھی طرح جانتی تھی کہ عبادہ اور مصعب دونوں کے بگڑے ہوئے موڈوں کی کوئی وجہ ضرور تھی۔

وہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے نکل گئی۔ مصعب کتاب کا گتا ذرا ترچھا کیے اس کو کمرے سے جاتا دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆

گھر خوشیوں سے بھر گیا تھا۔ ہر طرف تتلیاں اتر آئیں تھیں۔ سب خاندان والے نور کے کمرے میں تھے۔ نور بستر میں تھی اور امینہ خالہ اس کو یخنی پلا رہی تھیں۔ عائشہ چچی بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ ایک طرف مؤمنہ، منال اور مسفرہ ہنستی مسکراتی اس ننھے سے وجود پر جھکی ہوئی تھیں۔ اور اس کو بے تحاشہ پیار کر رہی تھیں۔

"کیسی ہے؟" جویریہ نے حسرت سے پوچھا۔

"بہت پیاری ہے!" مؤمنہ کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہ! آپا!" اچانک مسفرہ کی چیچہاتی آواز سنائی دی "اس نے آنکھیں کھول لیں! اس نے آنکھیں کھولی ہیں!"

نور سب کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جویریہ پر نظر پڑتے ہی اس کا دل بیٹھ گیا۔ وہ معصوم اپنی اکلوتی اور پہلی بھتیجی کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"بچیو! لڑکوں نے اندر آنا ہے تم لوگ باہر چلی جاؤ!" عائشہ چچی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں تو وہ سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ منال نے جویریہ کو سہارا دیا اور کمرے سے باہر لے گئی۔

عبادہ، مصعب اور ابو بکر چمکتے ہوئے چہروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ اور تینوں اس ننھے سے وجود پر جھک گئے۔ عبادہ نے ننھے وجود کو امینہ خالہ کے ہاتھ سے احتیاط سے اپنی گود میں لے لیا۔ وہ بہت پیاری تھی، آنکھیں بند کیے اور مٹھیاں بھینچے ہوئے۔ اس نے بے ساختہ اس کی ننھی ننھی مٹھیوں کو چوم لیا۔

"تم نے اٹھانی ہے؟" عبادہ نے مصعب کی طرف دیکھا۔ اس سے جھجکتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"کوئی نام سوچا ہے؟" امینہ خالہ نے عبادہ کی طرف دیکھا تو اس نے نور کی طرف دیکھا۔

"خالہ آپ بتائیں؟" نور نے امینہ خالہ کی طرف دیکھا۔

"نہیں بچو! تم لوگ بتاؤ!"

"مریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" عبادہ نے سب کی جانب دیکھا۔ سب نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں مریم تو بہت پیارا نام ہے!" امینہ خالہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"پھر ان شاء اللہ مریم ہی رکھ لیتے ہیں!"

سب ہی بے انتہا خوش تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنی رحمتوں سے ڈھک لیا تھا۔

☆☆☆☆☆

"نور! لائٹ بند کر دو! مجھے نیند آ رہی ہے!" عبادہ نے انکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

”بس ایک منٹ اس کو کپڑے پہنا کر آتی ہوں!“

عبادہ آنکھیں بند کر کے کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

”عبادہ! مریم کی آنکھیں میری اماں سے ملتی ہیں ناں!“ نور نے محبت سے مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ہلکی ہلکی کلکاریاں مار رہی تھی۔

”ہوں!“

”اور ہونٹ تو بالکل جویریہ جیسے ہیں!“ وہ بولے جا رہی تھی۔ ”اور پتہ نہیں بال کیسے ہوں گے۔..... ابھی تو نکلے ہی نہیں ہیں!“

”ہوں!“

”عبادہ! آپ سن تو نہیں رہے!“

”سن رہا ہوں!..... تمہاری آنکھیں بالکل اپنی اماں کی طرح ہیں!“ وہ کروٹ بدلے بغیر بولا۔

”نہیں! میں تو مریم کی آنکھوں کی بات کر رہی ہوں!.....“ نور منہ بنا کر بولی۔ ”عبادہ! آپ بتا کیوں نہیں دیتے کہ آپ کو ٹینشن کیا ہے؟“

”نور! تم نے کیا کرنا ہے جان کر؟“ عبادہ برہم ہو کر بولا۔

”مجھے پریشانی ہوتی ہے! آپ بھی پریشان ہیں اور مصعب بھی پریشان ہے! اور بتانے پر کوئی بھی تیار نہیں!“

نور مزید خفگی سے بولی۔

”نور! ہر بات تم کو نہیں بتا سکتے!“ عبادہ اچانک غصے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ”اب دوبارہ مجھے تنگ مت کرنا!“

”عبادہ! صرف اتنا تو بتا دیں کہ کس قسم کی ٹینشن ہے؟“ نور پر اس کے غصے کا ذرا اثر نہ ہوا۔ عبادہ نے گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

”تم کیوں اتنا پیچھے پڑ گئی ہو؟..... تمہارے لیے لاعلمی ہی میں بہتری ہے!“ وہ چڑ کر بولا۔ ”بار بار مت پوچھو!“

عبادہ دوبارہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ نور نے منہ پھلا لیا۔ اچانک مریم رو پڑی تو اس کو اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔

”ہم شفٹ ہو رہے ہیں!“

”کیوں؟“ مریم چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ وہ اس کو لے کر ٹہلنے لگی۔

”پھر کیوں!“

”ہاں ناں! کیوں شفٹ ہونا ہے اور کب؟“

”بس تین دن میں شفٹ ہونا ہے!..... اور تمہیں اتنا شوق ہو رہا ہے ناں میری ٹینشن سننے کا تو سنو!“ اچانک عبادہ دوبارہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ بہت سخت تھا۔ نور نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بے پرواہ سی مسکراہٹ نہ جانے اتنے دنوں سے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

”امریکی تم پر یا جویریہ پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں!“ عبادہ کی بات اس کے لیے دھماکے سے کم نہ تھی۔ خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ ”اور فون پر تمہاری موحد چچا سے بات کرنے کی وجہ سے اب ان کو اندازہ بھی ہو گیا ہو گا کہ تم کدھر ہو!..... وہ تمہیں گرفتار کر کے مجھ تک پہنچنا چاہتے ہیں..... کیونکہ میں تو کہیں بھی بھاگ جاؤں گا مگر تم لوگوں کو کہیں لے جانا ایک مشکل کام ہے!..... اب پلیز مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ کیسے پتہ چلا.....!“

وہ یہ کہہ کر دوبارہ لیٹ گیا مگر آنکھیں بند نہ کیں اور بغور نور کے چہرے کے بدلتے ہوئے زاویوں کو دیکھنے لگا۔ مریم رو رو کر بے حال ہو رہی تھی مگر نور ٹہلنا بھول کر شل ہوتے اعصاب کے ساتھ کھڑی تھی۔

”اس کو تو چپ کراؤ!“ وہ دھیرے سے مسکرایا تو وہ مرے مرے قدموں سے پھر ٹہلنے لگی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

’نوائے غزوۂ ہند‘ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس

تمام معزز قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے ’سوشل میڈیا اکاؤنٹس‘ توزیعی مقاصد (propagation) کے لیے ہیں۔ ان اکاؤنٹس کو ’نوائے غزوۂ ہند‘ کی مجلسِ ادارت یا مدیر سے رابطے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ ’نوائے غزوۂ ہند‘ سے رابطے کے لیے مجلّے کے تازہ ترین شمارے میں درج مجلسِ ادارت یا مدیر کے ’ای میل ایڈریس‘ کو استعمال کیا جائے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً

(مجلسِ ادارت ’نوائے غزوۂ ہند‘)

سُلطانیٔ جمہور

علی بن منصور

گاڑی سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ اور نبیلہ کی سوچیں بھی.....ہاشمی ہاؤس جمہوری انقلاب سے لے کر آج تک کی تاریخ کے اپنے سب سے برے دن دیکھ رہا تھا۔ اور یہ نبیلہ کی بد قسمتی تھی کہ سٹیئرنگ وہیل کے سامنے وہ بیٹھی تھی۔ عثمان صاحب کو گھر منتقل ہوئے دو ہفتے ہو چلے تھے، ڈاکٹروں کے مطابق ان کی حالت اب نارمل اور مستحکم ہو جانی چاہیے تھی، مگر فائزہ بیگم کی تمام تر احتیاط اور تیمارداری کے باوجود ان کی طبیعت ہچکولے لیتی رہتی۔ فشارِ خون قابو میں آتا، تو دمہ حملہ کر دیتا، دمے سے سنبھل کر ذرا سانس لینے کے قابل ہوتے تو بخار آلیتا۔ ایسے میں تیمارداری کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا۔ گھر کی خواتین آنے جانے والوں کی خاطر تواضع کے ساتھ ساتھ عثمان صاحب کی تیمارداری کے دوہرے فرائض سے بوکھلا اٹھی تھیں۔

جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔ اس محاورے کا مفہوم نبیلہ کو اب بخوبی سمجھ آ رہا تھا۔ ان کے گھرانے کا ماہانہ بجٹ لاکھوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ گھر سے جو سامان چوری ہوا تھا، وہ ایسا نہیں تھا جو ان کے معمول کے بجٹ کو متاثر کرتا۔ ایک غیر معمولی خرچہ اس کے دور میں یہ ہوا تھا کہ گھر کا خشک راشن سارا نیا خریدا تھا، پھر دونوں سکیورٹی گارڈز کی تنخواہیں تھیں، ایک وہی تھے جو تیس فیصد کٹوتی سے مستثنیٰ تھے۔ پھر عثمان صاحب کے علاج پر بے تحاشا خرچہ ہوا تھا، مگر ان کا بینک بیلنس اسے سہار سکتا تھا۔ یہ ضرور تھا کہ عثمان صاحب کی بیماری کی وجہ سے ان کا کاروبار متاثر ہوا تھا، لیکن اس کمی کو بھی ابو بکر صاحب اور جاوید اور کسی حد تک عمیر بھی، پورا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ولید کا بھی آخری سمسٹر شروع ہو چکا تھا، اس نے کچھ رقم مزید منگوائی تھی اپنے بعض اخراجات پورے کرنے کے لیے، جس پر پارلیمنٹ میں کافی لے دے ہوئی، مگر آخر میں ابو بکر اور جاوید صاحب کے پرزور اصرار پر نبیلہ کو جھکنا پڑا۔ لیکن یہ نبیلہ کے اصل اخراجات نہیں تھے۔

اصل خرچہ تو وہاں ہوا جب اس نے انسپکٹر رضوان سے اپنی مرضی کی رپورٹ بنوائی۔ پچھلی رپورٹ کے تمام نشانات اور ریکارڈ مٹانے سے لے کر، نئی رپورٹ کی تیاری تک، ایک طویل سفر تھا، جس کے ہر ہر مرحلے پر کہیں زباں بندی کی قیمت ادا کی اور کہیں چشم پوشی کی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس سفر میں وہ اکیلی تھی۔ عمیر، زوار یا کوئی دوسرا اس کے ساتھ نہیں کھڑا تھا۔ یہ سارا گند عمیر کا پھیلایا ہوا تھا مگر وہ اسے سمیٹنے پر مجبور تھی۔ کتنی ہی دفعہ، رات کو فائلوں میں درج اعداد و شمار سے دماغ کھپاتے کھپاتے اس کی ذہنی رو بھٹک جاتی اور وہ یہ سوچنے لگتی کہ آخر وہ کیوں یہ سب کر رہی ہے۔ کیا اس کی نسبت یہ آسان تر نہیں کہ کھل کر ساری بات سارے گھر کے سامنے آجائے۔ اصل مجرم تو عمیر ہے، قرضہ بھی اسی نے لیا اور اسی نے کھایا۔ گھر میں ڈاکہ بھی اسی نے ڈلوایا۔ اور یقیناً جتنی مالیت کا سامان وہ چوری کروا چکا تھا، اس کا آدھا بھی اس نے نبیلہ کو قرض اتارنے کے لیے امداد کے طور پر نہیں دیا تھا۔ اور شاید..... عثمان چاچو کو گولی بھی اسی کے ایما پر ماری گئی.....!

اپنی اس سوچ پر وہ لرز کر رہ جاتی۔ نہیں.....! عمیر اس قدر بے رحم نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر عثمان چاچو ان کے بڑے بھائی تھے.....سگے بھائی..... گھرانے میں عزت، پیسہ اور اقتدار.....یہ سب چیزیں ایسی تو نہیں تھیں کہ ان کو حاصل کرنے کے لیے کوئی اپنے سگے بھائی پر گولی چلا دے.....! اس کو معذوری کی نہج پر پہنچا دے.....!

ہاں مگر.....ان چیزوں میں اتنی طاقت ضرور تھی کہ ان پر قابض رہنے کے لیے وہ اپنے دامن کے وہ داغ چھپائے رکھنا چاہتی تھی، جو عمیر کے اعمال کے چھینٹوں کی صورت میں اس کے دامن کو بھی داغدار کر گئے تھے۔ حقیقت سب کے سامنے لانے کا مطلب تھا کہ عمیر کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی آئندہ سربراہی کے لیے نااہل قرار دے دی جاتی۔ پورے گھر اور خاندان میں جو رسوائی ہوتی وہ الگ تھی۔ پھر سزا اور جرمانے کے طور پر نجانے کیا کیا پابندیاں نہ جھیلنا پڑتیں۔ اور سب سے بڑھ کر، اس کی عزت اور ساکھ مٹی میں مل جاتی۔ وہ ایک پبلک فگر تھی، اس کی سوشل میڈیا پر لاکھوں میں فالوِنگ تھی.....ایک زمانہ اس کو آئیڈیلائز کرتا تھا..... کیا وہ ان سب کو مایوس کر دیتی؟ کیا وہ ناموری اور شہرت کے اس بلبلے کو اپنے ہاتھوں سے پھاڑ دیتی جس میں وہ جیتی تھی؟

یہ سب اس کا کیا دھرا نہیں تھا، بلکہ وہ تو خود عمیر کی سیاست کا شکار ہوئی تھی۔ وہ ظالم نہیں.....مظلوم تھی! وہ جانتی تھی کہ عمیر اسے نااہل ثابت کروانا چاہ رہا ہے۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کسی طرح اپنی میعاد پوری کر کے وہ باعزت طور پہ اس آفس سے نکل جاتی تو ایک دو ٹرمز کے بعد شاندار واپسی کی راہیں روشن تھیں۔ مگر اس وقت عزت سے اپنی کرسی سنبھالے رکھنا ہی اس کا سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ جب سے اس نے اخراجات قدرے کنٹرول کرنے کے لیے سب کے وظیفوں سے تیس فیصد کٹوتی کا اپنا فیصلہ نافذ کیا تھا، چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور ملازم سے لے کر مالک تک..... سبھی اس کی جان کو آ گئے تھے۔

ہر کوئی بقدرِ استطاعت اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا۔ سلطان اس کا ڈرائیور تھا، لیکن اسے لگنے لگا تھا کہ جلد ہی وہ اس کا قاتل ثابت ہو گا۔ راستے میں ایک لمبی تمہید کے بعد سلطان نے اشارے کنایے میں اپنی ضرورت کا اظہار کر کے پوری تنخواہ کا مطالبہ کیا تھا لیکن اس نے بے پروائی سے ٹال دیا۔ تب سے سلطان کی گاڑی چلانے کی رفتار انتہائی تیز اور صلاحیت گویا صفر ہو

کر رہ گئی تھی۔ اسے معجزہ ہی سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ بغیر کسی حادثے کے گھر تک پہنچ گئے ورنہ سلطان تو تمام احتیاطیں اور اصول و قواعد اٹھا کر گاڑی کے کھلے شیشے سے باہر پھینک چکا تھا۔ گاڑی اسی طرح فراٹے بھرتی ہوئی چلی آرہی تھی جب اس کی نظر اچانک راستے میں پڑی اینٹ پر پڑی۔ ایک اینٹ سے بچنے کی خاطر اس نے ایک بار پھر تیزی سے پہیہ گھمایا اور دائیں ہاتھ پر موجود چھوٹے سے سبز قطعے کو روندتے ہوئے گاڑی گھر کے سامنے بنی پتھر کی ڈھلان پر چڑھادی۔ اس آخری جھٹکے پر پیچھے بیٹھی ڈولتی ڈگمگاتی نبیلہ کا سر کھڑکی سے جا ٹکرایا۔

''.....کیا ہے سلطان!؟..... پہلی دفعہ گاڑی چلا رہے ہو کیا.....؟''، اپنا پرس اور سکارف سنبھالتے ہوئے اس نے بھنّا کر پوچھا۔ اس سوال کا جواب دیے بغیر سلطان اب اپنا غصّہ ہارن پر نکال رہا تھا، سامنے سے آتے سکیورٹی گارڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پورے زور سے ہارن دبا ڈالا۔ گارڈ کے پیچھے پیچھے گارڈ کے کیبن سے نکلتے زوار کو دیکھ کر نبیلہ کی پیشانی بھی شکن آلود ہو گئی۔ چہرے کے بگڑے زاویوں میں ناگواریت پھیل گئی۔ یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ اس کی یہاں موجودگی کسی مقصد سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ آج کل وہ عمیر اور زوار کی ہر حرکت اور بات کو شک و شبہے کی عینک لگا کر دیکھا کرتی تھی، یوں تو اس کے خلاف پورا گھر متحد تھا، لیکن چونکہ پورے گھر کو اس کے خلاف کرنے کے پیچھے ان دو کا ہاتھ تھا، لہٰذا ان کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اس کے نوٹس میں آئے بغیر گزرنے نہ پاتی۔

سلطان گاڑی لے کر اندر آ گیا۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے اس نے ایک آخری کوشش کے طور پر بڑی لجاجت سے منمناتے ہوئے نبیلہ سے اس ماہ کی تنخواہ کے بقیہ حصّے کا مطالبہ کیا۔

''.....جب باقی سب کو پیسے ملیں گے تو تمہیں بھی مل جائیں گے.....''، وہ بیزاری سے کہتے ہوئے دروازہ کھول کر اتر گئی۔

پورچ سے لے کر برآمدے کی سیڑھیوں تک، کتنے ہی ٹوٹے ہوئے گملوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑے اس کے قدموں کے نیچے آ کر چرچرا کر رہ گئے۔ ان ٹوٹے ہوئے گملوں سے نکلی مٹّی سارے راستے میں پھیلی ہوئی تھی۔ لان کے سرے پر پتھر کے فرش پر رکھے گملوں کی اس قطار میں گنتی کے چند ایک خوش قسمت پودے ہی تھے جو اب بھی سہمے سہمے سے سر اٹھائے کھڑے تھے، ورنہ بیشتر تو پرسوں شام کو اس کے خلاف ہونے والے 'پرامن احتجاج' کی نذر ہو گئے تھے۔ پورچ کی چھت کو سہارا دیے ستونوں سے لے کر برآمدے کو جاتی ان دو تین سیڑھیوں تک..... یہ وہ جگہ تھی جہاں مظاہرین نے موٹے پلاسٹک کی کوئی چیز جلائی تھی جسکی بدبو اس قدر پھیلی تھی کہ گھر کے افراد کے لیے تو برداشت کرنا مشکل تھا ہی، ہمسایوں نے بھی متعدد بار اس سے شکایت کی کہ ان کے گھر کے معاملات سے اب وہ بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ پگھلے ہوئے پلاسٹک کی باقیات اب بھی جگہ جگہ جمی نظر آ رہی تھیں۔ اس نے بطورِ خاص سلمٰی اور لبنیٰ کو بلا کر یہ جگہ صاف کرنے کو کہا تھا، لیکن ان کے بہتیرا رگڑنے کے باوجود یہ جگہ جوں کی توں تھی۔ سب کی تنخواہوں میں تیس فیصد کٹوتی کے اثرات بہت واضح طور پہ نظر آ رہے تھے۔

سیڑھیوں پر پہلا قدم رکھتے ہی اس کی نظر خود بخود سیڑھی کے کونے کی طرف اٹھ گئی۔ پرسوں شام کے مظاہرے کی ایک یادگار یہ سیڑھی بھی تھی۔ کسی بھاری چیز کی ضرب لگنے سے کونے سے ماربل کا ایک اچھا خاصا بڑا ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا اور ایک طویل دراڑ سیڑھی کو عرض میں کاٹتی ہوئی نیچے تک چلی گئی تھی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو اگلے منظر کے لیے تیار کیا۔ برآمدے میں داخل ہوتے ہی سامنے سرخ سپرے پینٹ سے جلی حروف میں لکھا تھا: ''گو نبیلہ گو!''۔

دیوار پر جگہ جگہ پوسٹرز، احتجاجی رقعے، اور اس کے خلاف زہر اگلتے نعرے چسپاں تھے۔ 'جونکوں کی حکومت..... ہم نہیں مانتے!'، ''ووٹ کو عزت دو..... نبیلہ کو رخصت کرو!''، ''چوروں کی حکومت..... نہیں چلے گی! نہیں چلے گی!''، ''عوام کا استحصال..... نا منظور! نا منظور!''.....

برآمدے میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر پہلا دروازہ عثمان اور جاوید صاحب کے پورشن کا مرکزی دروازہ تھا۔ اس سے اگلا دروازہ ڈرائنگ روم کا تھا جو دونوں پورشنز کا مشترکہ تھا۔ اور اس سے اگلا دروازہ جس کے فوراً بعد برآمدہ الٹے ہاتھ پر مڑ جاتا تھا، عثمان و جاوید صاحب کے پورشن کے مرکزی کمرے (لِونگ روم) کا تھا۔ دروازے سے متصل دیوار میں بڑی سی کھڑکی تھی جس کے سبز شیشہ میں نبیلہ کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اس کا عکس بڑا ہوتا جا رہا تھا۔ شیشے کے اس پار لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہادیہ کی نگاہیں نبیلہ پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں بے چینی تھی، اضطراب تھا۔ وہ کسی کی طرف بھی توجہ دیے بغیر یک ٹک نبیلہ کو تکے جا رہی تھی۔

تھکے تھکے قدم اٹھاتی نبیلہ برآمدے کے اس کونے میں پہنچی ہی تھی جہاں سے برآمدہ ابوبکر صاحب والے حصّے کی جانب مڑ جاتا تھا، کہ وہ ٹھٹک کر رکنے پر مجبور ہو گئی۔ اسے رکتے دیکھ کر ہادیہ کے چہرے پر بے ساختہ اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری اور وہ ایک فاتحانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

'آپی ادھر آ رہی ہیں.....'، اس نے دوسرے صوفے پر بیٹھی نور اور جویریہ کو اطلاع دینا ضروری سمجھا۔ سیڑھیوں سے اترتا اویس بھی سن کر لمحہ بھر کو رک گیا تھا۔ آخر کار وقت نکل آیا محترمہ سربراہِ خانہ کے پاس.....

"نور..... جویریہ! دیکھو ابو سو تو نہیں رہے.....؟ آپی ان سے ملنے آ رہی ہیں..." کہتے ہوئے ہادیہ نبیلہ کے استقبال کے لیے لاؤنج کے برآمدے کی جانب کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نبیلہ اپنی جگہ حیران و ششدر کھڑی تھی، ابتدائی صدمہ کچھ کم ہوا تو اس کی جگہ شدید ترین طیش اور غیض و غضب نے لے لی۔ وہ لال بھبوکا چہرہ لیے لپک کر اس کھڑکی کی طرف بڑھی جس کا مرحوم شیشہ اپنے چوکھٹے کے بجائے، ہزاروں کرچیوں کی صورت میں برآمدے کے فرش پر بکھرا ہوا تھا۔

"کس کی حرکت ہے یہ.....؟"، وہ غصّے سے دھاڑی۔ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے یہ شیشہ اپنی جگہ بالکل صحیح سلامت تھا، یہ تازہ شرارت کس کی تھی، اگر اسے پتہ چل جاتا تو وہ مجرم کو ایسی سزا دیتی جو اس کی سات نسلیں یاد رکھتیں۔ "کس نے توڑا یہ شیشہ.....؟؟! کس جاہل..... ایڈیٹ نے توڑا ہے یہ شیشہ.....؟؟"، وہ غصّے سے پاگل ہوتے ہوئے حلق کے بل چلّا رہی تھی۔

نبیلہ کے چیخنے چلّانے کی آوازیں سن کر اندر سے صولت بیگم گھبرائی ہوئی نکلیں۔ "کیا ہوا ہے نبیلہ؟..... کیوں چیخ رہی ہو ایسے؟"، دروازہ کھول کر باہر آتے ہوئے انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔ "یہ....."، نبیلہ نے ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بمشکل اپنی آواز ذرا دھیمی کی، "کس نے کیا ہے یہ.....؟"، وہ اپنی زبان و انداز مہذب رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی۔

"..... مجھے نہیں پتہ..... میں نے چھناکے کی آواز سنی تھی لیکن جب میں باہر نکلی تو یہاں کوئی نہیں تھا،..... پتہ نہیں کیسے ٹوٹا یہ....."۔

"..... کیسے نہیں پتہ آپ کو؟ کیسے مان لوں میں؟!"، وہ ایک بار پھر ضبط کھوتے ہوئے غصّے سے چیخ اٹھی، "..... آپ اس گھر میں ہوتی ہیں یا نہیں.....؟!"۔

نبیلہ کے طنز پر صولت بیگم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ واپس اندر جانے کے لیے مڑتے ہوئے خشک اور بے نیاز لہجے میں بولیں، "..... یہ گھر میری نہیں..... تمہاری ذمہ داری ہے!"۔

"..... اور اسی ایک بات کا غصّہ ہے ناں آپ کو.....!"، نبیلہ تیزی سے ان کا راستہ کاٹتے ہوئے سامنے آئی، "..... اسی بات کا دکھ ہے آپ کو کہ میں نے آپ کو آپ کی پوزیشن سے ہٹا دیا ہے، اسی چیز کا بدلہ لیتی چلی آئی ہیں آپ مجھ سے کیونکہ پہلے تو اس گھر کی مالکن آپ تھیں، جیسے آپ چاہتیں، سب ویسے ہی کرتے، جو آپ کہتیں، وہی ہوتا تھا اس گھر میں....."۔

"..... نبیلہ!"، صولت بیگم نے حیرت اور صدمہ سے اس کی جانب دیکھا۔ ان کا چہرہ اب پیلا پڑ چکا تھا، جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو، وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں لیکن نبیلہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرا دیا، وہ کچھ سننا نہیں چاہتی تھی، اس وقت وہ صرف کہنا چاہتی تھی۔ اپنے اندر بھرتا سارا غصّہ، سارا الاؤ انکال دینا چاہتی تھی۔

"..... لیکن جب سے اس گھر کے افراد نے آپ کے بجائے میرے اوپر اعتماد کا اظہار کیا، اپنے معاملات میرے سپرد کر دیے، تب سے آپ کو لگا جیسے میں نے آپ سے آپ کا عہدہ اور مرتبہ چھین لیا ہے!..... وہ مرتبہ جس کو حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس سوائے سینیارٹی (seniority) کے اور کوئی جواز بھی نہیں!....."۔

"..... نبیلہ! پاگل پن کی باتیں مت.....!"، انہوں نے کہنا چاہا، لیکن نبیلہ نے ایک بار پھر انہیں غصّے سے ٹوک دیا۔ "..... پاگل میں نہیں، آپ سب ہیں.....! ملے ہوئے ہیں آپ سب.....! کیا میں نہیں جانتی، میری پیٹھ پیچھے کیا کیا سازشیں آپ سب کرتے رہتے ہیں..... مجھے نیچا دکھانے کے لیے....."، اس کی آواز میں غصّے کے ساتھ ساتھ دکھ اور بے بسی بھی گھل گئی تھی۔ اس وقت اسے کچھ بھی کہنا یا سمجھانا بے سود تھا، تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے صولت بیگم اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ جانتی تھیں کہ غصّے کی حالت میں جو اس کے منہ میں آ رہا ہے وہ کہتی چلی جا رہی ہے۔ مگر غصّے میں کہی ہوئی باتیں، سچی ہوں یا جھوٹی، برحق ہوں یا جذباتی و مبالغہ آمیز..... دل پر تو بہر حال اثر کرتی ہی ہیں۔ اور ان کے دل میں بھی نبیلہ کے غصّے میں کہے ہوئے فقرے کسی برچھی کی طرح جا کر لگے تھے، جو ان کے دل کو لہولہان کر گئے تھے۔

"..... ڈرتی نہیں ہوں میں کسی سے..... اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈوں سے کوئی نہیں ہرا سکتا مجھے..... دیکھ لوں گی میں ایک ایک کو.....!!"، غصّے سے پاؤں پٹختی، وہ اب بھی اونچا اونچا چیخ رہی تھی۔ لاؤنج میں باہر کو کھلنے والے دروازے کے پاس کھڑی ہادیہ نے اپنا ہاتھ ہینڈل سے ہٹا لیا، شرمندہ شرمندہ سی نظریں اٹھا کر پیچھے دیکھا تو نور اور جویریہ چہرے پر دکھ اور تاسف کے تاثرات لیے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

اویس سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا، لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک طنز آمیز مسکراہٹ سے ان سب کی طرف دیکھا، "جیسی کرنی..... ویسی بھرنی!"، وہ جیسے بڑے پتے کی بات کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆

عثمان صاحب نے بے چینی سے دروازے کی جانب دیکھا۔ ان کے کمرے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ کمر میں تکلیف اتنی بڑھ گئی تھی کہ برداشت سے باہر ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بچوں کو آوازیں دینے پر مجبور تھے۔ وقتاً فوقتاً دروازے کے اس پار تیز قدموں پر کسی کے گزرنے کی آواز آ جاتی، یا کہیں دور سے آتی باتوں کی آوازیں بھی سماعتوں سے ٹکرا جاتیں۔ مگر خود ان کی نقاہت بھری آواز شاید بند دروازے سے ہی ٹکرا کر واپس آ جاتی تھی۔

ورنہ پچھلے اڑھائی تین گھنٹے میں وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے گھر کے سبھی افراد کا نام لے کر پکار چکے تھے۔

وہ کروٹ لینا چاہتے تھے، لیکن پلستر میں جکڑی ٹانگ کی وجہ سے خود کروٹ لینے پر قادر نہ تھے۔ پچھلی دو راتوں سے انہیں پھر بخار ہو گیا تھا، جو کبھی چڑھتا، کبھی اترتا، لیکن انہیں بالکل نڈھال کر چکا تھا۔ کمر کے آخری مہرے سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، جو نیچے کولہوں اور پھر ٹانگوں تک چلی جاتیں۔ ایسے میں ان کی بے چین نظریں دروازے سے کھڑکی، اور پھر کھڑکی سے واپس دروازے تک گردش کر رہی تھیں۔ ”.....فائزہ!! فائزہ.....!“، ایک بار پھر انہوں نے اپنی پوری طاقت مجتمع کرتے ہوئے زور سے آواز دی، لیکن شاید باہر کوئی تھا ہی نہیں جو ان کی پکار کا جواب دیتا۔

☆☆☆☆☆

”آپ سب باشعور افراد ہیں.....ایک جمہوری گھرانے کے باشعور افراد.....میں پوچھنا چاہوں گا کہ آخر ہم جو ایک مستحکم معاشی حیثیت کے حامل ہیں..... محض ایک ڈاکہ کی واردات سے ہماری اقتصادی حالت اس قدر متاثر ہو گئی ہے کہ ہمارے منہ کے نوالے بھی اب گنے جا رہے ہیں.....؟“۔

کچن میں چولہے کے سامنے کھڑی بینش نے چائے بناتے ہوئے لاؤنج سے آتی زوار کی آواز کو بغور سنا۔

”.....ذرا اس گھر کا جائزہ لیجیے.....پھر ایک نظر اپنے آپ پر ڈالیں.....اور سوچیں، کہ آپ لوگ کیا تھے.....اور کیا ہو گئے ہیں.....“، زوار نے سب کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے ایک سنجیدہ نظر حاضرین پر ڈالی۔ اس کے سامنے صوفے پر صہیب، اویس اور زین بیٹھے تھے۔ صوفے کی سیٹ پر پاؤں اور اس کے بازو پر تشریف رکھے، حال ہی میں لگنے والی عینک کے گول شیشوں کے پیچھے سے جھانکتا، دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اپنی سنجیدہ سی صورت ٹکائے، شہیر بیٹھا تھا اور اتنی توجہ سے زوار کی تقریر سن رہا تھا گویا وہی اس تقریر کا اصل مخاطب تھا۔

”.....معاشی طور پہ آسودہ.....اپنے اپنے تعلیمی اداروں میں اعلیٰ پوزیشنز کے حامل.....معاشرے، دوست احباب اور خاندان میں منفرد اور یکتا.....آپ وہ لوگ تھے جن کے پاس لوگ اپنے مسائل لے کر آتے تھے حل کروانے، جن کی دوستی اور جن سے تعلق قائم کرنے پر لوگ فخر محسوس کرتے تھے.....جو جس جگہ جاتے، اپنا اور اپنے گھرانے کا نام روشن کرتے.....!! اور آج، کیا ہیں آپ لوگ؟.....الجھے ہوئے، پریشان حال.....کسی کے سکول میں مسئلہ ہے تو کوئی کالج اور یونیورسٹی میں اپنے گرتے ہوئے گریڈز کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہے.....اور یہ سب کیوں ہے؟ کیونکہ جب پیٹ میں روٹی نہ ہو، تو دماغ کیا خاک کام کرے گا.....؟!“، زوار نے آگے کو جھکتے ہوئے ان کی آنکھوں میں جھانکا، تینوں لڑکوں کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔

”.....سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک اچھے چلتے ہوئے کاروبار، کرایے پر اٹھائے ہوئے مکانوں اور دکانوں کے ہوتے ہوئے.....ایسا شدید ترین بحران کیسے پیدا ہو گیا کہ ہر شخص کی جیب سے تیس فیصد رقم نکال کر انتظامیہ کی جیب میں ڈالی جا رہی ہے؟ اور یہ سب کس کے نام پہ؟.....اس کی وجہ کیا بتلائی جاتی ہے؟“، وہ لمحے بھر کو رکا، ”آپ کے والد اور ہمارے چچا،.....ہمارے وہ بہادر اور دلیر چچا جنہوں نے ڈاکوؤں اور لٹیروں سے لڑتے ہوئے اپنی جان کی پروا نہ کی.....ان کے علاج کے نام پر یہ کٹوتی کی جا رہی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بار بار یہ بات جتائی جاتی ہے کہ علاج اتنا مہنگا ہے کہ سربراہِ خانہ اور اس کی ٹیم غیر رسمی فنڈنگ کرنے پر مجبور ہے..... گویا بالواسطہ طور پہ بار بار ہمارے چچا کو بوجھ، مصیبت، پریشانی اور بحران کہا جاتا ہے“۔

”.....میں حیران ہوں...!“، اس نے بھنویں اچکا کر ذرا سا سر کو دائیں بائیں جنبش دی، اور پھر لہجے میں شدت پیدا کرتے ہوئے زور سے بولا، ”.....میں حیران ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے، کانوں سے سننے اور سب کچھ سمجھتے بوجھتے ہوئے آپ سب یہ برداشت کر رہے ہیں.....اگر اتنے وسائل رکھنے والا گھرانہ، اپنے ہی ایک ممبر کے ذرا سے علاج کا متحمل نہیں ہو سکتا، تو یہ ہماری انتظامیہ کی انتہا درجے کی نااہلی کو ثابت کرتا ہے۔ اس گھر کے سیاہ و سفید کے جو لوگ آج مالک بنے ہوئے ہیں، یہ چیز ان کی ناکامی کا مظہر ہے.....“۔

”.....لیکن شاید، آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی.....کہ جس 'بحران' اور 'مشکل وقت' اور 'پریشانی' کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے، یہ درحقیقت کہیں بھی نہیں ہے.....اگر اس گھر میں کسی چیز کی کمی ہے، اگر ہمارے سربراہان میں کسی چیز کی کمی ہے تو وہ خلوصِ نیت اور گھرانے سے وفاداری ہے.....!! ورنہ وسائل بہت ہیں، ذرائع آمدن بہتیرے ہیں، اور پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے.....مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہمارا یہ پیسہ.....ہمارا یہ پیسہ کرپٹ لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جن کی نظر میں پہلی ترجیح ان کی اپنی ذات ہے.....! ان کے اپنے مفادات ہیں.....!“۔

اپنے کمرے کے دروازے کے ساتھ جڑ کے کھڑی ہادیہ بے قراری سے زوار کی تقریر سن رہی تھی۔ اس نے مضطرب اور پریشان نظروں سے جویریہ کی جانب دیکھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ سائڈ ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے، کہنی کے نیچے تکیہ دبائے، لیپ ٹاپ کی سکرین کو گھور رہی تھی، جس پر کھلی گیم کا ہائی سکور مستقل کوشش کے باجود، وہ توڑنے میں ہنوز ناکام تھی۔

”سن رہی ہو کیا کہہ رہے ہیں وہ.....؟!.....اٹھو، چلو ہمیں اپنی حکومت کا دفاع کرنا چاہیے.....“۔

"..... تم کرو دفاع..... جس حکومت کو ہماری پروا نہیں، مجھے بھی اس کی پروا نہیں....."، جویریہ نے ٹکا سا جواب دیا، ہادیہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے نبیلہ سے بے نیازی اور غیریت برتنے کا شکوہ نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی وفاداری اب بھی نبیلہ کے ساتھ ہی تھی۔ وہ کسی دوسری پارٹی کے ممبر کے سامنے اپنی پارٹی کے اندرونی اختلافات کا تذکرہ یا اظہار بدترین خیانت اور غداری کے مترادف سمجھتی تھی۔

"میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عثمان چچا کا علاج سرے سے گھریلو بجٹ پر اثر انداز ہو ہی نہیں رہا..... ہو رہا ہے، کیوں نہیں ہو رہا..... لیکن اس معاملے کو سیاسی رنگ دے کر ہماری سربراہ جتنا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں وہ سراسر ناجائز اور غلط ہے....."، لاؤنج میں زوار کی زبان رواں دواں تھی، "..... بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سارے معاملے میں کچھ نہ کچھ، کسی درجے میں چچا جان محترم کا بھی قصور ہے..... شاید اگر وہ قانون ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرتے، بلکہ ملکی قوانین کے مطابق موقع ملتے ہی پولیس کی امداد حاصل کرنے کی کوشش کرتے، تو ایسی صورتحال پیدا ہی نہ ہوتی جس سے ہماری سربراہ کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا.....۔

کچن میں بینش نے چائے کا تیار کپ زور سے ٹرے میں پٹخا تھا۔ تھوڑی سی چائے چھلک کے پرچ میں جا گری، وہ غصّے سے کچھ بڑبڑائی اور ٹرے اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ بالائی منزل پر جاوید لاؤنج میں بیٹھا اسی کا منتظر تھا۔ اس نے کپ لے جا کر ایک بار پھر پٹخنے والے انداز میں میز پر رکھا۔ مزید چائے چھلک کر پرچ میں جا گری۔ جاوید نے ایک نظر چائے کی پیالی پر اور دوسری بیوی کے پھولے ہوئے چہرے پر ڈالی، جو اب اس کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ پھر احتیاط سے چائے کی پیالی اٹھائی اور پرچ کے کنارے پہ رکھتے ہوئے پیندے پر لگے چائے کے قطرے ٹپکنے دیے۔ دور و نزدیک کہیں کوئی ٹشو کا ڈبہ بھی نظر نہ آ رہا تھا، اور بینش سے کہہ کر وہ پچھتانا نہیں چاہتا تھا، ابھی اتنا وقت تو نہیں ہوا تھا ان کی صلح ہوئے۔

"..... مجھے واپسی پر شاید دیر ہو جائے..... بھائی جان کریم پر ائیر پورٹ چلے جائیں گے۔ میں یہاں سے سیدھا جوہر ٹاؤن..... اور پھر مغرب کے بعد وہاں سے منی مارکیٹ چلا جاؤں گا..... بہت دنوں سے منی مارکیٹ والی برانچ میں نہیں گیا....."، اس موضوع کو غیر متنازع اور محفوظ میدان سمجھتے ہوئے جاوید نے محتاط انداز میں کہنا شروع کیا۔

"..... ہاں بس! ہم دونوں میاں بیوی ملے ہوئے ہیں اس پورے گھرانے کو..... آپ، کولہو کے بیل اور... میں، کاٹھ کا الّو.....!"، بینش یکدم پھٹ پڑی۔ جاوید کے لیے گھونٹ نگلنا مشکل ہو گیا، گلے میں جیسے پھندا لگ گیا تھا۔ وہ بے اختیار کپ رکھ کر کھانسنے لگا..... بھلا بیل اور الّو کا بھی کوئی جوڑ ہے؟

"..... عین ان دنوں میں جب مشکلات عروج پر ہیں، ابو بکر بھائی کا کراچی میں کام نکل آیا ہے، اب وہاں سے واپسی بہت جلد بھی ہوئی تو دو ہفتے بعد ہی ہو گی..... عثمان بھائی علیحدہ بستر پر پڑے ہیں..... فائزہ باجی کو بھی ان کی وجہ سے اچھا بہانہ ملا ہوا ہے، شوہر کی بیماری کی وجہ سے باقی ہر ذمہ داری سے چھٹی مل گئی ہے..... بھلا کوئی پوچھے عثمان بھائی سے..... انہیں کس نے کہا تھا سپر مین بننے کو؟!..... ان کی وجہ سے چوروں کو بھاگنے کا موقع مل گیا، ورنہ اگر وہ خواہ مخواہ کے پنگے نہ لیتے تو ہم چوروں کے گھر سے نکلتے ہی پولیس کو انفارم کرتے اور چوروں کو پکڑنے کی کوشش کرتے..... میرا اتنی قیمتی زیور..... سب ان کی وجہ سے لُٹ گیا....."، دکھ کے احساس سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جاوید ایک گہری سانس لے کر رہ گئے، ابھی یہ شکوہ انہیں مزید کئی بار سننا تھا، وہ جانتے تھے۔

"..... مگر آپ کو کیا فرق پڑتا ہے..... آپ کی بلا سے زیور جائے یا میں..... آپ تو اپنے بھائیوں کو ہی اچھا کہیں گے! اس میں میری امّی کا دیا ہوا وہ سچے موتیوں کا سیٹ بھی تھا جو مجھے اتنا پسند تھا..... اور وہ ائیر رِنگز جو آپ عمرہ سے لائے تھے..... اور وہ سرخ پتھروں والا بریسلیٹ میری باجی نے خاص طور پہ شہیر کی پیدائش پر میرے لیے بنوایا تھا..... اور....."، وہ اب گن گن کر اس زیور کو یاد کر رہی تھی، جو جب سے اس سے چھِن گیا تھا، تب سے ایسا لگتا تھا کہ گویا زندگی کی سب سے قیمتی متاع وہی تھا۔ جاوید نے ایک بار پھر چائے کی پیالی لبوں سے لگالی۔ کاموں کا انبار اس قدر زیادہ تھا کہ وہ کم سوچنے، زیادہ چائے پینے اور چائے پی کر واپس کاموں کی انجام دہی میں مشغول ہو جانے کو ترجیح دیتا تھا۔

"..... میں اس قدر تنگ آ گئی ہوں اس گھر سے اور اس کے کبھی ختم نہ ہونے والے مسائل سے..... کہ میرا جی چاہتا ہے یہاں سے کہیں دور چلی جاؤں!!"، جاوید نے ایک تکان بھری نظر بینش پر ڈالی، مگر کوئی تبصرہ کرنے سے احتراز کیا۔ وہ آج کل ہفتے کے تقریباً تین دن اپنے میکے میں گزارتی تھی، مگر گھر واپسی پر بمشکل ایک دن ہی اطمینان سے نکال پاتی، اور اس کے بعد پھر سے اگلے چکر کی باتیں شروع ہو جاتیں۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، ان کے پاس کسی بحث مباحثے کا وقت تھا نہ فرصت.....

"..... جی چاہتا ہے، میرا اپنا گھر ہو..... چاہے چھوٹا سا ہو، مگر پورا میرا اپنا ہو!..... اپنے حساب سے سیٹ کروں..... جیسے چاہوں رہوں، جیسے چاہوں رکھوں....."، وہ خلا میں گھورتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی، جیسے خود کلامی کر رہی ہو، لہجے میں حسرت ہی حسرت تھی۔ اب کی دفعہ جاوید صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا..... تو یہاں آ کر ٹوٹی تھی تان.....

☆☆☆☆☆

دن کے بارہ بج رہے تھے۔ اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے زوار نے جیب تھپتھپا کر والٹ کی موجودگی کا اطمینان کیا اور ایک انگلی میں چابی گھماتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جینز اور شرٹ میں

معمول کے حلیے میں تھا۔ لیکن کلائی میں مہنگی گھڑی، فراخدلی سے خود پر چھڑکا باڈی سپرے، جیل سے احتیاط سے سیٹ کیے بال اور آنکھوں پر لگا برانڈڈ دھوپ کا چشمہ..... کسی خاص تیاری کا بھی پتہ دے رہے تھے۔

پورچ میں پہنچ کر وہ سیدھا اپنی بائیک کی طرف بڑھا۔ حسبِ معمول وہ چمک رہی تھی۔ ملازمین سے اچھے تعلقات رکھنا صرف ایک اعتبار سے مفید نہیں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اگنیشن میں چابی ڈالی۔

''.....کہاں جارہے ہو ہیرو؟''، اس آواز پر وہ چونکا، پھر تیزی سے پلٹا۔ چند قدموں کے فاصلے پر، پیچھے کھڑی گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے وہ لاپروائی سے کھڑا سیگرٹ پھونک رہا تھا۔ وہ نجانے کہاں سے نکل آیا تھا، زوار کو اس کے آنے کا قطعی علم نہ ہو پایا تھا۔

''.....ایک منٹ.....ایک منٹ.....!''، زوار نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ بھی کہنے سے روکا، اور پھر دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کرتے ہوئے بولا، ''۱۸ وَن آن وَن ٹاکس (one on one talks).....۱۰ گروپ ڈسکشنز.....اعتماد بڑھانے کے لیے ۴ خفیہ تحفے.....۲ احتجاجی جلوس.....۶.....''، وہ ذرا سا رکا، پھر جتاتی نظروں سے عمیر کو دیکھتے ہوئے ہلکی آواز میں بولا، '۶.....خصوصی کارروائیاں.....! پچھلے تین ہفتوں میں، میں نے ہفتے کے آٹھ دن کام کیا ہے۔ سٹکرز، بیجز اور پوسٹرز میں نے چھپوا لیے ہیں.....نذیر، سلطان، وزیر خان اور امانت.....سب کے ساتھ سیٹنگ کر لی ہے.....اور اب.....''، وہ ایک بار پھر رکا، عمیر چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے اسے سن رہا تھا۔ زوار اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولا، ''اور اب.....میں کچھ ذاتی کمٹمنٹس نبھانے کے لیے جارہا ہوں.....!''۔

''.....میں نے تم سے رپورٹ نہیں مانگی.....صرف یہ پوچھنے کے لیے روکا تھا کہ ذاتی کمٹمنٹ پہ خالی ہاتھ جاؤ گے کیا؟''، عمیر نے سیگرٹ ختم کرتے ہوئے پرے اچھالا، اور جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھی سی سفید شیشے کی ڈبیا نکالی۔ اس نے ڈبیا زوار کی طرف اچھالی جسے زوار نے ایک ہاتھ سے کیچ کر لیا، شیشے کی ڈبیا میں چھوٹے چھوٹے نیلم کے پتھروں سے مزیّن ٹاپس جگمگا رہے تھے۔ جانے کے لیے مڑنے سے پہلے عمیر نے یونہی پوچھ لیا، ''گاڑی پر کیوں نہیں جارہے؟''۔

''.....بس.....کسی کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا''، زوار نے آنکھوں میں بے تحاشا حیرت، تشکر اور خوشی کے ملے جلے جذبات لیے اس کی طرف دیکھا، ''.....چاچو! اس کے لیے.....''۔

''اب شکریہ کہہ کر موڈ مت خراب کرنا! اور جلدی جاؤ ورنہ مِس کر دو گے.....''، عمیر نے اکتائے ہوئے لہجے میں بے نیازی سے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔

☆☆☆☆☆

ابو بکر صاحب کو کراچی گئے چار دن ہو گئے تھے۔ اور ان چار دنوں میں روزانہ گھر میں کوئی نیا مسئلہ سر اٹھاتا تھا۔ پہلے ہی دن نجانے کس بات پر خفا ہو کر بینش کمرہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ وہ سب سے ناراض تھی اور بول چال بھی بند کر رکھی تھی۔ نبیلہ، نسرین، صولت بیگم اور فائزہ بیگم، سبھی اسے راضی کرنے، بلکہ اس کا مسئلہ جاننے کی کوشش کر چکی تھیں، مگر وہ کسی سے بھی بات کرنے پر تیار نہیں تھی۔ صرف ایک ہی بات کہتی کہ وہ گھر اور گھر والوں، سب سے شدید تنگ آچکی ہے، لہٰذا کوئی اسے مزید تنگ نہ کرے، بلکہ اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ اگر کمرے سے نکلتی تو صرف رات کو، جب جاوید کی واپسی پر اس کے لیے کھانا گرم کرنا اور چائے بنانا پڑتی۔ ورنہ اپنا اور بچوں کا کھانا بھی وہ کمرے میں ہی لے جاتی، اور شہیر اور بتول کو بھی زیادہ باہر نہ نکلنے دیتی۔ اس کی ناراضگی سے سب سے زیادہ فائزہ بیگم متاثر ہو رہی تھیں۔

وہ شوہر کے ساتھ ساتھ بچوں کا کھانا پینا، گھر کی صفائی اور مینٹیننس، اور افرادِ خانہ کی دیگر ضروریات پوری کرنے کی حتی المقدور کوشش کر رہی تھیں۔ گو کہ مدد کے لیے سلمیٰ اور لبنیٰ گھر میں موجود تھیں، مگر ان سے کام لینا بذاتِ خود ایک چیلنج بن گیا تھا۔ لبنیٰ نے تو اگلے ہی دن صاف کہہ دیا کہ اس کا باپ کہتا ہے کہ وہ آدھی تنخواہ کے ساتھ دوگنا کام نہیں کرے گی۔ پیچھے جویریہ، ہادیہ اور نور رہ جاتیں، فائزہ بیگم کی امداد کے لیے، اور انہی کے سہارے جیسے تیسے وہ اپنے پورشن کا نظم و نسق چلا رہی تھیں۔ صولت بیگم اور نسرین عثمان صاحب کی دیکھ بھال اور گھر کے کاموں میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتیں، مگر ان کے اپنے پورشن میں ڈھیروں کام ان کے منتظر ہوتے۔ پھر نسرین نے تو اپنا تقریباً تمام وقت ہی عبداللہ اور ابّا جی کے لیے وقف کر رکھا تھا، اور ابّا جی کی کمزور صحت اس کی مکمل توجہ کی متقاضی بھی تھی۔

دوسرے دن کی بڑی سرخی کا سبب پرویز مالی بنا۔ اس نے پورے لان میں جھاڑو پھیر کر سوکھے پتّوں اور جھاڑ جھنکار پر مشتمل کچرا ایک کونے میں جمع کر دیا اور پھر نجانے اسے کیا ہوا کہ ہمیشہ کی طرح کچرا سمیٹ کر باہر پھینکنے کے بجائے اس نے وہیں لان کے کونے میں آگ لگا دی۔ اتمامِ حجت کو اس نے کچرے پر تھوڑا سا مٹی کا تیل بھی چھڑک دیا تاکہ اچھی طرح سب جل جائے۔ لیکن پھر جو کالا کالا دھواں اٹھا اور سارے میں پھیلا تو ان کے پہلے ہی ناراض ہمسایوں کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ ٹاؤن انتظامیہ کے اہلکار شکایت لے کر نبیلہ کے پاس آئے۔ ان کے مطابق مختلف وجوہات کی بنیاد پر ان کے گھرانے کو پہلے بھی تین بار وارننگ جاری کی جا چکی تھی۔ گو کہ نبیلہ نے معافی بھی مانگی اور آئندہ شکایت کا موقع نہ دینے کا وعدہ بھی کیا، لیکن انتظامیہ نے ایک بھاری بھر کم چالان اسے کاٹ کر دیا اور آئندہ کالونی کے قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں ان کے خلاف سخت اقدامات کرنے کی دھمکی بھی دی۔

تیسرے دن کی سہ پہر بغیر کسی مشکل یا پریشانی کے گزر گئی تو نبیلہ نے سکھ کا سانس لیا۔ ابّا جی کی طبیعت قدرے سست سی تھی اور نسرین پچھلے چند دنوں سے اسے بار بار ابّا جی کو چیک اَپ کے

لیے لے جانے کی یاد دہانی کروا رہی تھی، مگر اتنے بکھیڑوں میں یہ کام بار بار نبیلہ کے ذہن سے نکل جاتا۔ آج صبح سے ان کی طبیعت معمول سے زیادہ مضمحل لگ رہی تھی۔ ان کے اصرار پہ نسرین ان کو وہیل چیئر پہ بٹھا کر عثمان صاحب کے پاس بھی لے گئی، مگر وہاں بھی وہ بمشکل آدھ گھنٹہ ہی بیٹھ پائے۔ پھر طبیعت میں بے چینی اور گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے واپس اپنے کمرے میں آ گئے اور مسکن دواؤں کے زیرِ اثر سو گئے۔ مگر نسرین کو مسلسل ان کی جانب سے تشویش لاحق تھی، اور نبیلہ کی لاپرواہی پر سخت غصّہ بھی آ رہا تھا۔ اگر کل بھی نبیلہ نے ابا جی کے چیک اَپ کے معاملے میں سنجیدہ و ذمہ دار رویے کا مظاہرہ نہ کیا تو اسے خود ہی کچھ کرنا ہو گا، وہ طے کر چکی تھی۔

رات کے نو بج رہے تھے، اور وہ سب کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اب اپنے اپنے کمروں میں اپنے معمولات میں مصروف تھے کہ نبیلہ کی کھڑکی کو کسی نے اضطراری انداز میں بجایا۔

"..... نبیلہ باجی!! نبیلہ باجی!! دروازہ کھولیں....."، ساتھ ہی سلمٰی کی آواز آئی، جو اونچی آواز میں پریشانی و بوکھلاہٹ کے عالم میں انہیں آوازیں دے رہی تھی، "..... نبیلہ باجی!!..... آپا!!....."۔ نبیلہ جو سونے کے ارادے سے ابھی بستر پہ لیٹی ہی تھی، جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ فاطمہ بھی اپنا ٹیبلٹ چھوڑ کر حیرت سے کھڑکی کی جانب دیکھ رہی تھی، پھر جلدی سے اٹھی اور پردہ ہٹا کر باہر جھانکا، گھپ اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔

"فاطمہ باجی!!..... دروازہ کھولیں جی....."، سلمٰی نے ایک بار پھر ان کی کھڑکی پر ہاتھ مارتے ہوئے پریشانی سے کہا، اس کی آواز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی رو دے گی۔

"کک..... کیا بات ہے سلمٰی؟....."، فاطمہ نے سلائیڈنگ وِنڈو کو دھکیل کر کھولتے ہوئے حیرت اور پریشانی کے عالم میں پوچھا، "کیا ہوا ہے؟....."۔ باہر سلمٰی وسیم کو گود میں لیے عجیب پریشان صورت لیے کھڑی تھی، سر سے دوپٹہ بھی غائب تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی، نبیلہ بھی کھڑکی تک پہنچ گئی، "..... تم کچن کی طرف آؤ میں دروازہ کھولتی ہوں، اندر آ کر بتاؤ کیا ہوا ہے"۔ نبیلہ اس کو ہدایت دیتی، پیروں میں چپلیں اڑستی، کچن کی سمت بھاگی۔

چند لمحے بعد سلمٰی لاونج میں صوفے پر بیٹھی، دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے زار و قطار رو رہی تھی۔ وسیم نیچے قالین پر اس کی ٹانگوں کے درمیان خوفزدہ اور سہما ہوا سا بیٹھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی مٹھیوں میں ماں کی قمیص کا دامن مضبوطی سے پکڑے وہ حیران پریشان ماں کو روتا سسکتا دیکھ رہا تھا۔ نبیلہ سلمٰی کے قریب کھڑی اسے دلاسہ دینے کی کوشش کر رہی تھی، ساتھ ساتھ پریشانی سے بار بار اس سے پوچھتی کہ آخر اسے ہوا کیا ہے؟ فاطمہ خاموشی سے مخالف صوفے پر بیٹھی یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں صولت بیگم کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اپنا مصحف ہاتھ میں اٹھائے، آنکھوں پہ چشمہ لگائے نمودار ہوئیں۔ شاید شور سن کر باہر آئی تھیں۔ لاونج کا منظر دیکھ کر انہوں نے استفہامی انداز میں فاطمہ کی جانب دیکھا، جس نے ذرا سے شانے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"کیا بات ہے سلمٰی؟ کیوں روتی چلی جا رہی ہو.....؟"، انہوں نے مصحف احتیاط سے لاونج کے وسط میں رکھی میز پر رکھا اور سلمٰی کے قریب بیٹھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ سلمٰی کے رونے میں مزید تیزی آ گئی۔ "میں بڑی بدنصیب ہوں جی..... بڑی کالی قسمت ہے میری....."، سسکیوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے وقفوں میں وہ بمشکل بولی۔

"اچھا چل..... اب چپ کر جا!..... فضول باتیں مت کر....."، صولت بیگم نے سلمٰی کو گھرکتے ہوئے فاطمہ کا لایا ہوا پانی کا گلاس زبردستی اسے تھمایا، "لو پانی پیو..... اور بس کر اب یہ رونا دھونا..... بتا بات کیا ہوئی ہے؟"۔

سلمٰی نے سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان، ہولے ہولے لرزتے ہاتھوں سے گلاس پکڑ لیا تھا۔ اس نے چہرہ اٹھایا تو پہلی بار لاونج میں جلتی تیز روشنیاں اس کے چہرے پر پڑیں، اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ تینوں دھک سے رہ گئی تھیں۔ ایک آنکھ قدرے سوجی ہوئی سی لگ رہی تھی، اور اس کے نیچے جلد بے حد سرخ تھی۔ ٹھوڑی پر کسی زخم کا نشان تھا، زیادہ گہرا تو نہیں لگتا تھا مگر اتنا ضرور تھا کہ خون نکل کر اس پر جم چکا تھا۔ پورا چہرہ یوں سوجا ہوا لگ رہا تھا جیسے کسی نے بے دردی سے اسے پیٹا ہو، جا بجا مار پیٹ کے نشانات بھی نظر آ رہے تھے۔ گردن پر پڑی خراشیں، دوپٹہ ندارد، ایک آستین پھٹی ہوئی، اور پیر سے چپلیں بھی غائب تھیں۔ شاید وہ یہاں تک آتے ہوئے گری بھی تھی، کیونکہ اس کے ہاتھ بھی خاک آلود تھے۔

"..... کس نے کیا ہے یہ سلمٰی؟"، صولت بیگم نے حیرت اور صدمے سے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نن... نذ..... نذیر نے....."، سلمٰی ایک بار پھر سسکیوں سے رونے لگی۔

"..... مگر کیوں.....؟"، نبیلہ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"وسیم بیمار ہے جی..... میں نے کہا اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ، وہ کہنے لگا جی کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں، ڈاکٹر کے پاس کیسے لے جاؤں؟ میں نے کہا کہ میرا بچہ کب سے تکلیف سے تڑپ رہا ہے..... بس پھر وہ غصّے ہو گیا....."، اتنا بتا کر ایک بار پھر سلمٰی ہچکیوں اور سسکیوں میں بہہ گئی۔ نبیلہ بے چینی سے اس کے خاموش ہونے اور بات مکمل کرنے کا انتظار کر رہی تھی۔

"پھر؟..... پھر کیا ہوا؟"۔

"پھر جی..... بس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ وسیم کا میں خود گلا گھونٹ دوں گا، کم بخت ہر دوسرے دن بیمار پڑ جاتا ہے۔ اس نے وسیم کو پکڑ لیا اور اس کا گلا دبانا شروع کر دیا، میں جلدی سے بچانے کے لیے آئی تو اسے چھوڑ کر مجھے مارنا شروع ہو گیا....."، سلمٰی نے آنسو صاف کرتے ہوئے،

زمین پر بیٹھے وسیم کو گود میں اٹھالیا اور اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔ صولت بیگم نے دکھ اور تاسف کے جذبات میں گھِر کر ایک شفقت بھرا ہاتھ وسیم کے سر پر رکھ دیا۔

"..... وہ کہتا ہے جی، میرے پاس پیسے نہیں ہیں، تنخواہ پوری نہیں ملی..... اس نے اپنی موٹر سائیکل کی قسط بھی ادا کرنی ہے۔ اس کی آخری تاریخ آنے والی ہے، اتنے دنوں سے مجھے کہہ رہا ہے کہ اپنا زیور اتار کے دے، میں بیچ کر قسط ادا کروں گا۔ میں نے نہیں دیا نبیلہ باجی! میری مری ہوئی ماں کی نشانی تھی میرا زیور..... مگر آج وہ مار پیٹ کر زبردستی لے گیا ہے،"، سلمٰی کے لہجے میں زمانوں کا دکھ بول رہا تھا۔

"آپائی..... آپائی کدھر ہیں؟"، صولت بیگم کو اچانک خیال آیا۔

"وہ دوا کھا کے سوئی تھیں آپا..... انہیں تو کچھ بھی پتہ نہیں چلا....."۔

☆☆☆☆☆

اگلا دن نبیلہ کے لیے مزید مشکلات لے کر آیا۔ رات سلمٰی کو صولت بیگم نے تسلّی و دلاسہ دے کر واپس بھیج دیا تھا۔ نذیر گھر میں نہیں تھا اور سلمٰی کا خیال تھا کہ وہ رات کو گھر آئے گا بھی نہیں۔ لہٰذا وہ خود بھی واپس اپنے کوارٹر میں جانا چاہتی تھی۔ وہ وسیم کو لے کر چلی گئی تو صولت بیگم بہت دیر نرمی و رسان سے اسے معاملات سمجھاتی رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ چند ہزار کی کمی زیادتی سے امیر اور کھاتے پیتے لوگوں کو کچھ خاص فرق نہیں پڑتا، مگر غریب کو بہت زیادہ فرق پڑتا ہے۔ غریب کی تو ایک ایک روپے سے ضروریات و خواہشات جڑی ہوتی ہیں۔ اس نے ایک ایک پیسے کے لیے محنت کی ہوتی ہے، اپنا خون پسینہ ایک کیا ہوتا ہے، اور پھر اس مہنگائی کے زمانے میں اپنا اور اپنوں کا پیٹ بھرنے اور بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے پائی پائی جوڑی ہوتی ہے۔ جیسے تنکا تنکا جوڑ کے چڑیا آشیانہ بناتی ہے۔ پھر اگر ذرا سی بھی اونچ نیچ ہو جائے تو امیروں کو تو فرق نہیں پڑتا، لیکن غریب کی جھونپڑی زلزلوں کی زد میں آجاتی ہے۔ اس کے لیے بنیادی ضروریات پوری کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

نبیلہ یہ سب جانتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ وہ سب سمجھتی ہے۔ بھلا کوئی آج تو پیدا نہیں ہوئی تھی وہ..... مگر جو بات صولت بیگم نہیں سمجھتی تھیں وہ یہ تھی کہ نذیر اپنی پریشانی لے کر اس کے پاس آسکتا تھا، اس سے قرض مانگ سکتا تھا۔ وہ اس کا مسئلہ حل کر دیتی۔ ایسے بھی کوئی ان کے کوارٹر میں فاقے نہیں پڑے ہوئے تھے، وہ جانتی تھی۔ لیکن نذیر نے یہ سب نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اپنے گھر میں ایسا تماشہ لگایا جس کے اثرات وہ جانتا تھا کہ اس کے مالکان تک ضرور پہنچیں گے۔

یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا بظاہر نظر آتا تھا۔ میاں بیوی کا آپسی جھگڑا جو مار پیٹ اور تشدد تک پہنچ گیا۔ وہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ اس سارے تماشے کے پیچھے اس پر پریشر ڈالنے کی بھونڈی خواہش کارفرما نہیں تھی۔

اگلے روز صبح ہاشمی ہاؤس میں سست روی سے اتری۔ ہفتے کا دن تھا، ایک جاوید صاحب کے علاوہ باقی سب آج گھر پہ تھے۔ رات کی سوچوں سے کھولتا دماغ لے کر نبیلہ کچن میں پہنچی تو خلافِ معمول کچن سنسان پڑا تھا۔ شاید سب لوگ ناشتہ کر کے فارغ ہو چکے تھے..... حتیٰ کہ آپائی بھی موجود نہیں تھیں، حالانکہ وہ روزانہ دیر تک ناشتہ کے بعد کچن میں چیزیں سمیٹنے، صفائی کرنے اور دوپہر کے کھانے کی تیاری کے چھوٹے موٹے کاموں میں مصروف رہتی تھیں۔ نبیلہ نے بے زاری سے فریج کھولا، سب سے اوپر والے خانے میں دودھ، دہی، مکھن، بالائی..... سب چیزیں سلیقے سے رکھی تھیں۔ اس سے نیچے گوندھے ہوئے آٹے کا برتن، اور چند پرانے سالن اور چٹنیاں چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں ڈھک کر رکھی ہوئی تھیں۔ فریج کے دروازے میں بنی شیلف میں انڈے، ڈبل روٹی کا ایک تھیلا اور جوس اور پانی کی بوتلیں رکھی تھیں۔ مگر وہ کیا کھائے.....؟ تنوّع زیادہ ہو تو بھی فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا کھایا جائے اور کیا چھوڑا جائے۔

یکایک ہی اس کے دل میں خوب اچھا سا ناشتہ کرنے کی خواہش نے سر اٹھایا۔ ذہن کے پردے پر ایک یاد ابھری، کرن کے ہاتھ کا بنا چکن چیز سینڈوچ اور ساتھ میں چائے یا کافی کا بھاپ اڑاتا مگ..... وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی

وہ بھی کیا دن تھے، جب ہم جن تھے
اب ہم دیو ہیں، جنّوں کے بھی پیو ہیں

اپنی سوچ پر محظوظ ہوتے ہوئے وہ خود ہی مسکرا دی۔ اسے نذیر کو بلا کر صحیح سے اس کی طبیعت صاف کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ عمیر کا لاڈلا تھا اور ضرورت سے زیادہ ہی سر چڑھتا جا رہا تھا۔ وہ کافی عرصے سے محسوس کر رہی تھی کہ نذیر اس کو کچھ خاص خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مگر یہ عمیر کی نہیں، نبیلہ کی حکومت تھی، اور نذیر سمیت سب کو یہ بات تسلیم کرنا ہو گی۔ وہ مزید کسی کو بھی اپنی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دے گی۔ وہ دل ہی دل میں اپنا منصوبہ طے کر رہی تھی..... سب سے پہلے نذیر کی پیشی ہو گی، پھر اویس سے ملاقات ضروری تھی۔ وہ گھر کے لڑکوں میں سب سے تیز اور ہوشیار تھا، اور باقی سب کے آگے آگے ہوتا تھا۔ اسے لڑکوں میں چند حلیف بھی چاہیے تھے، محض لڑکیوں کی حمایت ان کی پارٹی کو بہت جانبدار بنا دیتی تھی۔

مگر اس سب سے پہلے..... ناشتہ!..... جی چاہا کہ اپنے لیے خوب اہتمام سے ناشتہ تیار کرے، ویسا ہی جیسا کرن اس کے لیے تیار کرتی تھی۔ مگر پھر سینڈوِچ کے لوازمات پر غور کیا تو تیار کرنے والی اشیاء کی فہرست ذرا طویل سی لگی۔ چھوڑو! خالی چیز سینڈوِچ بنا لیتی ہوں۔ وہ سر جھٹک کر

فریج سے دو ڈبل روٹی کے سلائسز اور پنیر کا ایک سلائس لے کر چولہے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایک ساس پین میں چائے کا پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔ دوسرے چولہے پر توا پہلے سے دھرا تھا، اس کے نیچے آگ جلائی اور ڈبل روٹی کے سلائس سینکنے لگی۔ وہ تیار ہو گئے تو اچانک خیال آیا، پتہ نہیں کرن پنیر بھی سینکا کرتی تھی یا نہیں.....؟ سینکتی ہی ہو گی، کھانے پکانے وغیرہ میں تو ویسے بھی جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے پنیر کا لفافہ چاک کیا اور آنچ ہلکی کرتے ہوئے سلائس توے پر رکھ دیا۔ چائے کھول چکی تھی، وہ فریج سے دودھ نکال کر لائی اور ساس پین میں انڈیلا، ساتھ ہی کہیں سے بو آتی محسوس ہوئی تو سر اٹھا کر دیکھا۔ توے پر رکھا پنیر کا سلائس.....اب سلائس نہیں رہا تھا، بلکہ پگھل کر آملیٹ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

بوکھلا کر اس نے جلدی سے چمٹے کی مدد سے اسے پلٹنا چاہا، مگر پنیر پلٹنے کو تیار نہ تھا، کچھ چمٹے کے ساتھ اور باقی توے کے ساتھ چپک گیا۔ جلنے کی بو اب پورے کچن میں پھیل رہی تھی۔ اور کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے ڈبل روٹی کے ٹکڑے توے پر پھیلے پنیر پر رکھ دیے، اس امید پر کہ پنیر اسی کے ساتھ چپک جائے گا.....لیکن ابھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تھا کہ سسس.....کی آواز کے ساتھ ساس پین سے چائے ابل ابل کے گرنے لگی۔

"..... نبیلہ! تم یہاں کھڑی ہو.....کیا کر رہی ہو؟"، باہر سے گزرتی نسرین آپا اسے دیکھ کر کچن میں چلی آئیں۔ "کیا ہوا؟.....اتنا دھواں کیوں پھیل رہا ہے؟"، پھر ایک ہی نظر میں معاملہ سمجھتے ہوئے وہ تیزی سے چولہے کی طرف آئیں اور دونوں چولہے بجھا دیے۔ "اگر کوئی مسئلہ ہو جائے تو سب سے پہلے چولہا بند کرتے ہیں.....تاکہ مسئلہ بڑھنے نہ پائے....."، اس کے جلے ہوئے سلائسز اور ابلی ہوئی چائے کو افسوس سے دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔

".....افوہ!! آپا.....کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا.....میں دیکھ رہی تھی سب کچھ.....سب سنبھال رہی تھی.....", نبیلہ نے جھنجھلا کر ساس پین اٹھایا اور سِنک میں لے جا کر پٹخ دیا۔ پتہ نہیں ہر شخص اسے بیوقوف سمجھ کر سمجھانے کیوں چلا آتا تھا۔

"اچھا.....؟"، نسرین نے ایک ابرو اچکائی، "..... پھر یقیناً سب کچھ سنبھلا ہوا ہی تھا، تمہاری پلاننگ ہی جلے ہوئے ٹوسٹ کھانے کی ہو گی.....لیکن اگر تم فارغ ہو گئی ہو تو پہلے ذرا باہر آ کر نذیر کا مسئلہ نمٹا دو، اپنا یہ.....'لذیذ' ناشتہ بعد میں کر لینا....."۔

"کیا ہوا؟.....کون سا مسئلہ.....؟"، نبیلہ نے چونک کر پوچھا۔

"تمہیں نہیں پتہ.....؟"، نسرین آپا جیسے شدید حیرت کا شکار ہوئی تھیں۔ "..... تمہیں یقین ہے تمہیں نہیں پتہ؟.....کسرِ نفسی کا مظاہرہ مت کرو نبیلہ، تمہیں پتہ ہی ہو گا.....آخر تم نبیلہ ہو، تمہیں تو سب پتہ ہوتا ہے.....!"۔

"آپا.....! بس کریں....."، نبیلہ نے زِچ ہو کر ہاتھ اٹھائے، "..... اگر یہ رات والا ہی مسئلہ ہے تو نذیر سے کہیں وہ ایک گھنٹے بعد میرے آفس میں آ کر ملے مجھ سے....."

"..... نذیر بال بچوں اور آپائی سمیت گھر سے جانے کے لیے تیار ہو کر، باہر برآمدے میں بیٹھا ہے۔ باہر سے ایک ٹیکسی لا کر اپنے گھر کا سامان بھی لوڈ کر چکا ہے، اب صرف تم سے یہ تقاضا کرنے بیٹھا ہے کہ اس کا حساب بے باق کرو تو وہ یہاں سے جائے....."، نسرین نے بات کاٹتے ہوئے اونچی آواز میں اسے مطلع کیا۔ وہ حق دق نسرین کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"..... کیوں؟ ایسی کیا آفت آ گئی ہے کہ وہ یہاں سے جانا چاہتا ہے.....؟"

"..... وہ کہتا ہے آج کے زمانے میں اتنے کم معاوضے پر کوئی کسی کی اتنی خدمت نہیں کرتا جتنی وہ اس گھر کی کرتا آیا ہے۔ اور اب جب سے تنخواہ بھی آدھی ہو گئی ہے تو گزارا بالکل ہی مشکل ہو گیا ہے....."

"..... آدھی؟!!..... آدھی نہیں، تیس فیصد کم....."، نبیلہ کا پارہ چڑھنا شروع ہو گیا تھا، یہ نذیر نے اپنے آپ کو سمجھنا کیا شروع کر دیا تھا جو یوں سر چڑھتا چلا جا رہا تھا، "..... جاتا ہے تو جائے.....میں ابھی جا کر اس کا دماغ ٹھکانے لاتی ہوں.....اونہہ! حساب پاک کروں.....حساب تو اس کا ایسا پاک کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گا....." وہ غصّے سے بڑبڑاتی ہوئی باہر کی جانب لپکی۔

برآمدے سے باہر نکلتے ہی وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی۔ برآمدے میں دیوار کے ساتھ ترتیب سے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر صولت بیگم بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ والی کرسی پر سلمٰی بیٹھی تھی، وسیم اس کی گود میں تھا۔ اس کا چہرہ اب بھی سوجا ہوا تھا اور آنکھ کے نیچے پڑا نیل اب گہرا جامنی رنگ اختیار کر چکا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے اپنی اوڑھنی سے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتی، ناک صاف کرتی یا کوئی سسکی دباتی۔ اس کے ساتھ والی کرسی پر سر جھکائے، چپ چاپ آپائی بیٹھی تھیں اور زمین کو تک رہی تھیں۔ ان کے دوسری طرف، کرسی ذرا اس طرح کھسکائے کہ کرسیوں کی ترتیب سیدھی لکیر کے بجائے ذرا سی گولائی اختیار کر گئی تھی، فائزہ بیگم بیٹھی تھیں۔ نذیر ان سب سے ہٹ کر برآمدے کے ستون کے ساتھ کھڑا تھا۔ نبیلہ کو ایسا لگا جیسے کسی مقدمے کی سماعت کے لیے پورا پینل بیٹھا ہو۔ مگر اس مقدمے میں مدّعی کون تھا اور ملزم کون.....؟ یہ فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا۔

وہ تھوڑا سا آگے بڑھی تو اسے احساس ہوا کہ حاضرین و ناظرین میں صرف وہ پانچ، چھ افراد نہیں تھے۔ بلکہ ان سے ذرا سے فاصلے پہ پورچ میں اویس، صہیب، زین، حسن اور حسین کھڑے تھے۔ ان سے تھوڑی دور سلطان گاڑی پر کپڑا پھیرتا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ فائزہ بیگم کے لاؤنج کی کھڑکی میں نور، جویریہ اور ہادیہ، تینوں کے سر صاف نظر آ رہے تھے۔ نبیلہ کو یقین تھا کہ بینش

بھی قریب ہی کہیں ہو گی۔ اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا، لمحے بھر کو وہ ذرا سا گھبرائی۔ پھر اپنی ازلی خود اعتمادی بحال کرتے ہوئے مضبوط قدم اٹھاتے نذیر کی طرف بڑھی۔

"سلام صدر بی بی!!....."، اسے آتا دیکھ کر نذیر نے نظریں جھکا کر ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم.....ہاں نذیر...! کہو کیا مسئلہ ہے؟"، نبیلہ نے خشک و سنجیدہ انداز میں سوال کیا۔

".....باجی میرا حساب کر دیں، بقایا رقم دے دیں، مجھے دوسری جگہ نوکری مل گئی ہے.....اس لیے جا رہا ہوں....."۔

".....ہوں!.....ہمیں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ اتنے سال تم نے یہاں کام کیا ہے....."، وہ اخلاقاً اصرار نہیں کر رہی تھی، اسے روکنا نہیں چاہتی تھی، محض حجت تمام کر رہی تھی۔

".....بس جی.....وارا نہیں کھاتا....."، نذیر منہ میں بدبدا کر بولا۔

"ہوں!.....اچھا! ٹھیک ہے پھر.....چلے جاؤ....."، نبیلہ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور اجازت دی، پھر ایک شانِ بے نیازی سے واپس جانے کے لیے مڑی۔

"مگر جی.....وہ میرے پیسے.....؟"، نذیر نے حیرانی سے اسے پکارا۔

".....کون سے پیسے؟"، نبیلہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

".....میری تنخواہ.....ابھی آپ نے تیس فیصد ادا کرنی ہے ناں"، نذیر نے اسے یاد دلایا۔

"میں نے تمہیں کچھ نہیں ادا کرنا نذیر.....شاید تم بھول رہے ہو مگر یہاں سے جانے سے کم از کم ایک مہینہ پہلے مجھے اطلاع دینے کے پابند ہو کہ تم میری ملازمت چھوڑ رہے ہو۔ اگر تم اس اصول کی پاسداری نہیں کرو گے اور مہینے کے بیچ میں اٹھ کر یکایک یہاں سے جانے کا فیصلہ سناؤ گے تو میں بھی تمہاری تنخواہ یا دیگر کوئی بھی واجبات ادا کرنے کی پابند نہیں ہوں....."، نبیلہ نے ٹھنڈے انداز میں واضح کیا۔ نذیر کے چہرے پر غصّہ بھری سرخی پھیلی۔

".....میں غریب آدمی ہوں باجی.....میرے گھر کے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ ہم میاں بیوی دن رات آپ کے خاندان کی خدمت کرتے ہیں مگر بدلے میں اتنا بھی نہیں ملتا کہ عزت کی روٹی کھا سکیں یا بیمار بچے کا علاج کرا سکیں....."، نذیر نے غصّے سے کہنا شروع کیا۔

".....غریب آدمی دنیا کے اصول و قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہوتا نذیر.....تم میرے سامنے یہ غربت اور مسکنت کے ڈرامے نہ کرو.....پوری تنخواہ چاہیے تو پہلے پورا کام کرو، ورنہ....."، اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا، "دروازہ کھلا ہے، تم جا سکتے ہو....."۔

اپنی بات کہہ کر وہ سکون سے اندر جانے کے لیے مڑ گئی۔ اپنے پورشن کی طرف بنے برآمدے میں مڑ کر وہ رک گئی۔ وہ نذیر کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی۔ پیچھے نذیر نے غصّے سے سلمیٰ اور آپائی کی طرف دیکھا اور ان کے قدموں کے پاس رکھا بیگ اٹھاتے ہوئے سخت لہجے میں مخاطب ہوا، "چل اٹھ سلمیٰ.....چلیں یہاں سے....."۔ مگر وہ ابھی بمشکل پورچ تک ہی پہنچا تھا کہ سامنے کھڑے اویس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر روک لیا۔

".....بیس سال ساتھ گزارنے کے بعد اس گھر سے یوں غیروں کی طرح چلے جاؤ گے....."، اویس کے سوال پر نذیر کی آنکھیں بھر آئیں۔ ".....میں نے اپنی زندگی آپ لوگوں کے ساتھ ہی گزاری ہے اویس صاحب، .....اچھے برے سب حالات میں آپ لوگوں کا ساتھ دیا ہے.....مگر اب.....اب آپ کے گھر میں رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے....."۔

".....یہ صرف ہمارا نہیں.....تمہارا بھی گھر ہے!"، اویس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

".....ہم تمہیں ایسے نہیں جانے دیں گے نذیر.....آپائی ہماری ماں کی طرح،.....دادی کی طرح ہیں....."، زین بھی آگے بڑھ کر جذباتی انداز میں بولا۔ اور پھر پتہ نہیں کیا ہوا، مگر اچانک ہی وہ سب مل کر "نہیں جانے دیں گے.....نہیں جانے دیں گے!!" کے نعرے لگا رہے تھے۔ نبیلہ چونک کر اپنی جگہ سے ہلی اور برآمدے کو کونے سے مڑ کر صورتحال کا جائزہ لیا۔ صہیب نذیر کا بیگ پکڑ رکھا تھا۔ اویس اور زین اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے، حسن اور حسین آپائی کے دونوں ہاتھ تھامے کھڑے تھے اور وہ سب مل کر، مکّے ہوا میں لہراتے ہوئے ".....نہیں جانے دیں گے،.....نہیں جانے دیں گے!!"، کے نعرے لگا رہے تھے۔ نبیلہ پر نظر پڑتے ہی وہ ایک چھوٹے سے جلوس کی صورت میں اس کی طرف بڑھے۔ ان کی آوازوں پر نور، جویریہ ہادیہ، بینش، شہیر اور بتول بھی باہر نکل آئے تھے۔ بتول اور شہیر تو گہما گہمی دیکھ کر اس میں شامل ہونے کے لیے دوڑے۔ مگر دھچکا نبیلہ کو تب لگا جب، ان کے پیچھے پیچھے جویریہ اور نور بھی چل پڑیں۔ وہ دونوں سلمیٰ کے ساتھ جا کھڑی ہوئی تھیں، ایک نے وسیم کو اپنی گود میں لے لیا، جبکہ دوسری نے سلمیٰ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

نذیر جلوس کے انتہائی بائیں کونے میں تھا، آگے آگے خواتین تھیں جن کو حسن، حسین، نور اور جویریہ لا رہے تھے، ان کے پیچھے اونچے اونچے نعرے لگاتے، صہیب، زین اور اویس چلے آ رہے تھے۔ نبیلہ نے دیکھا، سب سے پیچھے ..... سلطان اور پرویز بھی جلوس میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سب صورتحال دیکھ کر حیران و ششدر بیٹھی فائزہ بیگم اور صولت بیگم اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

".....ظلم کے یہ ضابطے.....ہم نہیں مانتے.....، وہ چیختے چلّاتے اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جویریہ نے اپنی کلائی پہ بندھا کالا اور گلابی رِبن سے بنا بریسلٹ، نوچ کے اتارا اور اس کی جانب اچھال دیا۔ "کرپشن کا یہ ناسور.....دور کرو، دور کرو!!"۔ نجانے ہجوم میں سے کس نے مشتعل ہو کر کنارے رکھا ایک گملہ پاؤں کی ٹھوکر مار کے اس کی طرف لڑھکا دیا۔ "لوٹ کھسوٹ.....بند کرو، بند کرو!!"۔

وہ اب اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھے، نبیلہ ساکت و جامد کھڑی اپنے گھر کے افراد کو جارحانہ انداز میں اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کے نعرے سن رہی تھی، مگر اس کا ذہن ایک مبہم سے شور کے علاوہ کسی چیز کا بھی ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ وہ ان کے چہروں پر اپنے لیے غصّے اور نفرت کی تحریر پڑھ سکتی تھی، مگر آنکھوں کو سب چہرے یکساں طور پہ خالی نظر آ رہے تھے۔ جذبات سے خالی..... شناسائی سے عاری..... عزت، احترام، مقام و رتبے کا لحاظ..... ہر جذبے سے یکساں طور پہ نابلد.....

اور پھر..... وہ اس کے سر پر پہنچ چکے تھے! زین اور اویس اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اندر لے جا رہے تھے۔ ”کیا کر رہے ہو تم لوگ.....؟!..... چھوڑو مجھے.....!“، وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ صولت بیگم کچھ کہہ رہی تھیں..... نسرین بھی.....۔ مگر ”جونکوں کی حکومت..... ہم نہیں مانتے..... ہم نہیں مانتے!!“ کے شور میں کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ وہ سب گھر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ زین نے کچھ اس زور سے اس کی کلائی کھینچی کہ وہ بلبلا اٹھی۔ اس کی زبان سے گالیاں اور بد دعائیں، جبکہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ ”چھوڑو مجھے.....!! میں کہہ رہی ہوں چھوڑو مجھے!!.....“، وہ چیخ رہی تھی۔

پھر اچانک نجانے کہاں سے عمیر اور زوار نکل آئے تھے۔ شاید شور سن کر نیچے آئے ہوں گے۔ مگر زوار نے آتے ہی اسے زین اور اویس کی گرفت سے چھڑایا تھا۔ عمیر اونچی آواز میں چلّا چلّا کر لاؤنج میں داخل ہونے والے ہجوم کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ان کو باہر نکلنے کو کہہ رہا تھا۔ نبیلہ اسے نہیں سن رہی تھی، وہ اپنی دُکھتی ہوئی کلائی دوسرے ہاتھ سے مسلتی، آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔ زوار نرمی سے اسے کندھوں سے تھام کر اس کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ بیڈ پہ گر سی گئی۔ دکھ، صدمہ، غصّہ اور توہین..... جذبات آنسوؤں کی صورت میں اُمڈ اُمڈ کر آ رہے تھے اور اس کی آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔ زوار نے پانی سے بھرا گلاس اسے تھمایا۔

”..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی..... میرے گھر والے..... اتنے بے غیرت نکلیں گے.....!!“، بڑی دیر بعد وہ کچھ کہنے کے قابل ہوئی تو اس کی زبان سے نکلا۔ زوار نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مصروف سا اس کے بیڈ کے ساتھ رکھی میز کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ ”ایک ملازم کی خاطر وہ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے.....!“، دکھ اور صدمے سے اس کی آواز پھٹ سی گئی تھی۔

”مل گئی.....!“، زوار کے جواب پر نبیلہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کا ہینڈ بیگ کھولے کھڑا تھا۔ ”کیا مل گئی.....؟ اور یہ تم میرے بیگ کے ساتھ کیا کر رہے ہو.....؟“۔

”یہ مل گئی.....!“، زوار نے مسکرا کر ہاتھ اونچا کر کے اسے دکھایا۔ اس کے ہاتھ میں نبیلہ کی چابیوں کا بٹوہ تھا۔ اس بٹوے میں پورے گھر اور آفس کی چابیاں موجود تھیں۔ اسی میں ایک کی چین سے لٹکتی، گھر کے سربراہ کی خصوصی مہر بھی موجود تھی۔

”آج بروز ۱۶ مارچ، ۲۰۱۹ء..... بوقت گیارہ بج کر اڑتالیس منٹ.....“، اس نے اپنی گھڑی کی جانب دیکھا، پھر چہرے پر پراسرار مسکراہٹ لیے اس سے مخاطب ہوا، ”..... آپ کو آپ کی ذمہ داری بحیثیت سربراہ ہاشمی ہاؤس سے معطل کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ آپ اس گھر کو سنبھالنے کی اہل نہیں!!..... آپ اپنے آپ کو نظر بند تصور کیجیے.....!“۔

وہ جا چکا تھا۔ نبیلہ نے لاک میں چابی گھومنے کی آواز سنی، مگر شل اعصاب کے ساتھ اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

☆☆☆☆

جہاز سے نکلتے ہی اس نے ایک محبت بھری نظر چاروں طرف ڈالی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں کھینچی، جیسے اندر تک سے اپنے آپ کو اس فضا سے معطر کرنا چاہتا ہو۔ پاسپورٹ چیکنگ، اور دیگر مراحل سے گزر کے، کنوئیر بیلٹ سے اپنا سامان وصول کر کے وہ ایک بار پھر باہر کھلے آسمان تلے آ کھڑا ہوا۔ بہت سے ٹیکسی کیب والے پر امید نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ یوں بے فکری سے کھڑا تھا جیسے منزل پر پہنچنے کی کوئی جلدی نہ ہو۔ اسے تھی بھی نہیں۔ کتنا عرصہ..... کتنے مہینے..... کتنے دن وہ اپنے وطن پر چھائے اس خوبصورت آسمان سے محروم رہا تھا، وہ دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس مٹّی پر اس نے قدم رکھا تھا۔ متجسس نظریں چاروں اَور گھوم رہی تھیں، جیسے اپنے غیابت کے زمانے میں آنے والی تبدیلیاں تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ مگر سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا..... یا شاید پہلے سے بھی بہتر.....! اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، آنکھیں چمک اٹھیں۔ اسے اب گھر جانا تھا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

سوشل میڈیا کی دنیا سے......

یہاں درج فاضل لکھاریوں کے تمام افکار سے ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

جمع و ترتیب: ہشام سالم

چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر | سید عاطف نے لکھا

جدلیاتی مسخرہ کہنے لگا "اسلامی معیشت لوٹ مار، قبضہ گیری، اور جنگ و جدل کی معیشت تھی"۔

فرانس کے پاس دنیا کے چوتھے بڑے سونے کے ذخائر ہیں، 2021 میں 2,436 ٹن۔ لیکن فرانس میں سونے کی کوئی قابلِ ذکر کانیں نہیں ہیں۔

مالی میں سونے کی 860 کانیں ہیں اور 50 ٹن / سالانہ کی پیداوار کے باوجود سونے کے ذخائر نہیں ہیں!!

فرانس غریب مالی (Mali) میں "دہشت گردی کے خلاف لڑنے کی لیے" موجود ہے۔ فرانس وہ ملک ہے جہاں سے جدید مغرب نے "آزادی، مساوات و ترقی" جیسے آدرش سیکھے ہیں۔ یہ جدید مغرب کا صرف ایک ملک ہے، ہر ایک مغربی ملک کے کرتوت ایسے ہی ہیں۔

ساب کی عنایتیں | زبیر منصوری نے لکھا

یہ بلاول اور شہباز آپس میں کیوں الجھ رہے ہیں بھئی؟

ایک ہی تھوڑی ہے۔

ساب دو جوتے پہنتے ہیں۔

ایک ایک لے کر چمکانا شروع کر دو۔

جو جتنا چمکائے گا اسے اس حساب سے حصہ مل جائے گا۔

خان صاحب کے پاس تو بس پرانے تسمے رہ گئے ہیں۔

شہ رگ | مہتاب عزیز خان نے لکھا

ایک فارن جرنلسٹ نے پوچھا ہے،

چند دہشت گردوں نے بھارتی پارلیمنٹ پر گولیاں چلائیں تھیں۔ اسی طرح ایک بار بمبئی کے ایک ہوٹل پر حملہ ہوا تھا۔ پھر 2018 میں پلواما میں ایک بم بلاسٹ ہوا۔ ہر بار انڈیا فوج سرحد پر لے آیا۔ ملٹری اسٹینڈ آف ہفتوں چلا۔ عالمی برادری نے مداخلت کی، پاکستان کئی شرائط ماننے پر مجبور ہوا تب جا کر حالات نارمل ہوئے۔

لیکن 2019 میں بھارت نے پاکستان کے ساتھ اپنے سب سے بڑے تنازعے یعنی جموں کشمیر کے متنازعہ علاقے کو ضم کر لیا۔ پاکستان کی جانب سے اس پر کوئی ملٹری اسٹینڈ آف نہیں کیا گیا۔ نہ ہی فوجی طاقت کے استعمال کی کوئی دھمکی دی گئی۔ جس پر عالمی مداخلت کا کوئی جواز بنتا۔

دوسری جانب انڈیا کے چین کے ساتھ ملٹری اسٹینڈ آف کے وقت اگر پاکستان بھی سرحد پر کشیدگی پیدا کر دیتا تو بھارت کے لیے سنگین مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ چین کے مقابلے پر ہندوستان کی پیٹھ ٹھونکنے والی عالمی طاقتوں کی مداخلت یقینی تھی۔ پاکستان اپنی شرائط آسانی سے منوا سکتا تھا۔

لیکن پاکستان نے اس سلسلے میں کسی دلچسپی کا سرے سے کوئی اظہار ہی نہیں کیا۔ پاکستان کی اس پالیسی کی توجیہ کیا ہے؟؟ بھارت کی اس دوران بھی مسلسل دھمکیوں کے باوجود پاکستان کی مکمل خاموشی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟؟ پاکستانی عوام اس صورتحال کو کس نظر سے دیکھتی ہے؟

کمانڈو تیار کریں | عابی مکھنوی نے لکھا

"اگلے الیکشن کا نہیں، اگلی نسل کا سوچنا ہے!"، عمران خان

اپنے بچوں کی سخت، کمانڈو ٹائپ تربیت شروع کر دیجیے، پتے کھلائیں انہیں، روزانہ گندا پانی پلائیں، سردی میں ٹھنڈے پانی سے نہلائیں، تین تین دن بھوکا رکھیں..... تاکہ ہمارے بچے آنے والے وقت کا بھرپور مقابلہ کر سکیں۔

کیونکہ بات اب اگلی نسلوں تک جا پہنچی ہے۔

بہنا! جگانے کا شکریہ | مولانا عزیز خان قاسمی نے لکھا

اس بہن کو کیا کہوں، سمیہ کی بیٹی کہوں یا زنیرہ کی لختِ جگر، اسماء ذات النطاقین کی بیٹی کہوں یا ام عمارہ کی نور نظر، صفیہ عمہ رسول اکرمؐ کی بیٹی کہوں یا خنساء شاعرہ کی لذت نظر، زینب بنت سید الکونین کی بیٹی کہوں یا زینب ام المصائب کی نور نظر (رضوان اللہ علیہن اجمعین)

الفاظ پیچھے رہ گئے۔ القاب کا دامن تنگ ہو گیا، قلم لکھنے سے قاصر ہوا، زبان سوکھ گئی، دماغ نے معذرت کی۔ دل مسرت کی وجہ سے گنگ ہو گیا۔

اس فتنہ و فساد کے زمانے میں، اس یاس و ہراس کے دور میں، اس خوف و خطر کے ماحول میں۔ تو نے کیا بہترین دیا جلایا ہے، امید و آس کا دیا، ہمت و شجاعت کا دیا، خیر القرون جیسی بہادری کا دیا، صحابہ و صحابیات والی قوت کا دیا، اسلاف کی طرح جذبہ شہادت بیدار کرنے والا دیا۔

شیروں کو جگانے والا دیا، بھیڑیوں کو بھگانے والا دیا۔ کتوں کو ذلیل کرنے والا دیا، اللہ کے دشمنوں کو رسوا کرنے والا دیا، غرض کیا لکھوں، کیا سپرد قرطاس کروں؟

تیری تکبیر سے آنکھیں بھیگ گئی، دل خوشی سے رقص کرنے لگا، تیری عظمت کے سامنے بڑے بڑے چھوٹے ہوگئے، اپنا سراپا دھرتی کا بوجھ محسوس ہونے لگا۔

تکبیر کیا تھی ایک رعد تھی جس نے باطل کا خرمن جلادیا۔ ایک بجلی کا کڑکا تھی۔ جس نے بھگوا غنڈوں کا پول کھول دیا۔

ایک غیبی آواز تھی جس نے دشمنوں کو زیر کر دیا۔ ایک صور تھی جس نے مسلم نوجوانوں کو ہلا دیا۔ ایک صدا تھی جس نے پوری امت کو بے چین کر دیا۔ میری بہنا تیری جرأت کو سلام تیری تربیت کو سلام تیرے ایمان ویقین کو سلام تیرے جذبۂ شہادت کو سلام تیری تکبیر کو سلام تیری عظمت وتقدیس کو سلام، تیری ہمت وشجاعت کو سلام!

وہ آنکھ کہاں سے لاؤں جو تیری رفعت کو دیکھ سکے۔ تیری بلندی کو ناپ سکے۔ تیرے مقام ومرتبے کا اندازہ کرسکے۔ تو نے وہ کر دیا جو بڑے بڑے القاب والے نہ کرسکے۔ جبہ و دستار والے نہ کرسکے۔ قائد وسالار نہ کرسکے، پابند صوم وصلوۃ نہ کرسکے۔ ذکر وفکر کا مشغلہ رکھنے والے نہ کرسکے، مجھ جیسے نام نہاد علماء وزعماء نہ کرسکے، امت کے مصنوعی رہبر ولیڈر نہ کرسکے۔

بس تیرے لیے دل سے دعا ہے کہ خدا تجھے دونوں جہاں کی سرخروئی عطا کرے، آمین۔ دونوں جہاں کی سعادتیں نصیب کرے، آمین اور تجھ جیسی بیٹیاں امت کو مزید عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

مسکین سی دھمکی | حامد الرحمٰن نے لکھا

مجھے کیوں نکالا کے بعد حاضر ہے

#اگر_مجھے_نکالا

سہانے خواب | ظفر حجازی نے لکھا

یہ کرسی بڑی مظبوط ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو

ڈکٹیشن نہیں لوں گا۔ نواز شریف

اگر مجھے نکالا تو زیادہ خطرناک بن جاؤں گا۔ عمران خان

#تاریخ_کا_سفر

اگر آج اقبال ہوتے | جمیل بلوچ نے لکھا

آج اقبال ہوتے تو اپنی اسلامی فکر کی وجہ سے گمشدہ افراد کی فہرست میں ایک نمبر پر ہوتے۔

بلکہ عین ممکن ہے ان کا انکاونٹر ہوچکا ہوتا اور گھر والے خوف کے مارے لاش وصول کرنے کے لیے ہسپتال جانے سے بھی ہچکچا رہے ہوتے۔

رائل انڈین آرمی | احمد علی نے لکھا

درانی بھارت میں کتابیں لکھے، پاشا ریمنڈ ڈیوس کا سہولت کار بنے، کرامت امریکہ میں ٹاور بنائے،

کیانی آسٹریلیا میں جزیرے بنائے، مشرف دبئی میں اونچی عمارتیں بنائے، راحیل شریف سعودیہ میں تلواریں ٹکرائے، عاصم باجوہ امریکہ میں 99 کمپنیاں بنائے.....

لیکن ریاست کی تباہی کے ذمہ دار صرف سیاست دان ہیں؟!

"وہاں سے ہٹ کروں گا....." | حبیب خان نے لکھا

ایک کیپٹن کی وجہ سے ہی آج بلوچستان جل رہا ہے۔ کیپٹن حماد نے ڈاکٹر شازیہ کا ریپ کیا، بجائے اس ریپسٹ کو سزا دینے کے، مشرف نے پوری ریاست کا زور لگا دیا اس کو بچانے میں۔

بگٹی پہاڑوں پر گیا، مر گیا اور اس کا خمیازہ پورا ملک بھگت رہا ہے۔

وجہ صرف ایک ریپسٹ فوجی کیپٹن!

مغرب کی سوشل سائنسز اور ہماری غلط فہمیاں | جمیل بلوچ نے لکھا

کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ مغرب کی سوشل سائنسز انسانوں کی مشترکہ میراث ہے، جو بنا کسی نظریاتی جانبداری کے تشکیل پائی اور ارتقاء کرتے کرتے یہاں تک پہنچی، جبکہ مغربی سوشل سائنسز اُن کی فکر سے نکلتی ہیں، جس کے کچھ مفروضات، اصول، اصطلاحات اور تعریفیں ہوتی ہیں۔

اس سب کو نیوٹرل یا غیر جانبدار سمجھنا ایک غلطی ہے۔ جیسے یہ بات کہ power corrupts and absolute power corrupts absolutely، یا یہ کہ معاشرہ انسانوں کا مجموعہ ہے، یا یہ کہ آزادی بذاتِ خود کوئی مقدس چیز ہے، وغیرہ سب مغربی فکر کا نتیجہ ہے۔

اس کو تھام کر نتائج تک پہنچنا اپنی اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا ہے۔ پھر یہی ہوگا کہ صدارتی جمہوریت خلافت قرار پائے گی اور جمہوریت شورائیت کی ارتقائی صورت جبکہ اس کے مقابلے میں قرآن و سنت پر مبنی خلیفہ کے اختیارات authoritarian اور شوہر کے اختیارات patriarchal کہلائیں گے۔

(باقی صفحہ نمبر 63 پر)

طالبان کی قید میں اسلام قبول کرنے والے آسٹریلوی شہری جبرائیل عمر پھر افغانستان جانے کے خواہش مند

ساڑھے تین سال تک طالبان کی قید میں رہنے والے اور دورانِ قید اسلام قبول کرنے والے آسٹریلوی شہری 'ٹموتھی ویکس' جن کا اسلامی نام 'جبرائیل عمر' ہے، اب ایک بار پھر افغانستان جانے کے خواہش مند ہیں۔

جبرائیل عمر (ٹموتھی ویکس) کو اگست ۲۰۱۶ء میں طالبان مجاہدین نے کابل میں امریکی یونیورسٹی کے مرکزی دورازے سے گرفتار کیا تھا اور ساڑھے تین سال تک مجاہدین کی قید میں رہنے کے بعد ان کی رہائی سنہ ۲۰۱۹ء میں انس حقانی اور حاجی ملی خان (حالاً والی صوبۂ لوگر) سمیت تین اہم ذمہ داران کے بدلے ہوئی تھی۔

وہ کابل کی امریکی یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد تھے۔ انہیں افغان پولیس افسران کو انگریزی سکھانے کے لیے ایک نصاب تیار کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔

جبرائیل عمر جولائی ۲۰۱۶ء کو افغانستان پہنچے تھے اور ابھی انہوں نے اس نصاب کی تیاری پر کام شروع بھی نہیں کیا تھا کہ انہیں اگلے ہی ماہ نو اگست کو طالبان نے ان کے ایک اور ساتھی کیون کنگ کے ہمراہ یونیورسٹی کے مرکزی دروازے سے گرفتار کر لیا۔

ان دونوں کی بازیابی کے لیے امریکی فورسز نے افغانستان کے مختلف علاقوں میں متعدد کارروائیاں کیں۔ ایک دو بار تو ایسا بھی ہوا کہ امریکی فوج کے کمانڈوز اُن جگہوں تک بھی پہنچ گئے جہاں انہیں قید رکھا گیا تھا، ان جگہوں میں افغانستان کے شہر غزنی میں اُس گھر کے احاطے تک پہنچنا بھی شامل ہے جہاں طالبان اور امریکی فوجیوں کے مابین بازیابی کے مشن کے دوران شدید جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ تاہم امریکی فورسز قیدیوں کو بازیاب کروانے میں ناکام رہی کیونکہ ہر دفعہ آپریشن سے کچھ روز قبل یا عین موقع پر قیدیوں کو نئی جگہ منتقل کر دیا جاتا تھا۔

ایک خصوصی تحریری انٹرویو میں اپنی زندگی کے ان ساڑھے تین برسوں، اس سے قبل اور بعد کی زندگی کے بارے میں بتاتے ہوئے جبرائیل عمر کا کہنا تھا کہ اُن کی زندگی میں اس وقت تبدیلی آنا شروع ہوئی جب وہ طالبان کی قید میں ایک ماہ گزار چکے تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ "میری خوش قسمتی ہے کہ قید کی اس برائی میں مجھے اچھائی کی ایک کرن نظر آئی ہے، اب میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کیونکہ میں سو فیصد پُرعزم ہوں کہ اپنے افغان بہن بھائیوں کی مدد کروں۔ مجھے اب طالبان کے ہاتھوں گرفتار ہونے پر کوئی افسوس نہیں کیونکہ اگر یہ نہ ہوا ہوتا تو میں اسلام کو ایک حقیقت کے طور پر نہ جان پاتا۔ اب مجھے افغانستان، وہاں کی ثقافت اور لوگوں سے محبت ہے جو میرے اپنے ہیں اور میں ان کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ مزید کہتے ہیں کہ "اب جب میں آزاد ہو گیا ہوں تو میرا ارادہ ہے کہ افغانستان کی طالبان حکومت کے ساتھ مل کر بچوں کی تعلیم کے لیے کام کروں۔ میں اپنے آپ کو بچوں کی تعلیم کے لیے وقف کر چکا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں ایک فلاحی ادارے کے قیام کے ذریعے افغانستان میں اس مقصد کے لیے بہت زیادہ کام کر سکتا ہوں۔"

جبرائیل عمر نے جن طالبان رہنماؤں، انس حقانی اور حاجی ملی خان کے بدلے رہائی پائی، ان سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ "ان سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب مجھے رہائی کے بعد دوحہ میں امریکہ، طالبان مذاکرات میں لے جایا گیا۔ میں خود بھی دوران حراست قرآن کی تفسیر اور بعض دیگر اسلامی کتابیں پڑھنے کے بعد ٹموتھی ویکس سے جبرائیل عمر بن چکا تھا۔"

جبرائیل عمر بتاتے ہیں کہ دورانِ قید انہیں مطالعے کا شوق ہوا۔ "میں نے طالبان سے کتابیں مانگیں تو انہوں نے کچھ کتابیں اور انگریزی زبان میں قرآن کی تفسیر لا کر دی۔ یہ کتابیں اور قرآن پڑھنے کے بعد میں آہستہ آہستہ اسلام کی طرف راغب ہونے لگا۔ آخر کار میں نے پانچ مئی ۲۰۱۸ء کو اسلام قبول کر لیا اور وضو اور نماز کی مشق شروع کر دی۔"

جبرائیل عمر افغانستان میں طالبان کی قید کے دوران اسلام قبول کرنے والے دوسرے فرد ہیں۔ ان سے پہلے برطانوی خاتون صحافی مریم ریڈلی (سابقہ ایوان ریڈلی) بھی ایسا کر چکی ہیں اور اسلام کی مبلغہ کے طور پر کام کر رہی ہیں۔

جبرائیل عمر کہتے ہیں کہ مجھے اکثر محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کے خلاف جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

"میں ایسا افغانستان کے تناظر میں نہیں بلکہ ایک نو مسلم کے طور پر سمجھتا ہوں۔ میں اپنے ملک آسٹریلیا میں پہنچنے والی اذیت کی بنیاد پر ایسا سمجھتا ہوں جہاں پر گلیوں میں مجھ پر تھوکا گیا، مجھے کتا کہا گیا یہاں تک کہ ایک سابق

آسٹریلین فوجی نے نماز کے لیے پہنی جانے والی ٹوپی سر پر رکھنے پر مجھ پر حملہ تک کیا۔ اور یہ سب ایک ایسے ملک میں ہوتا رہا جہاں پر کسی کے ساتھ امتیاز برتنا خلاف قانون ہے۔"

وہ کہتے ہیں کہ بد قسمتی سے مغربی دنیا اسلاموفوبیا کا شکار ہے۔

جبرائیل عمر بتاتے ہیں کہ ساڑھے تین برس کی قید کے بعد جب وہ گھر واپس لوٹے اور خاندان کے افراد کو جب یہ علم ہوا کہ میں تو اپنے 'دشمن' یعنی طالبان کی افغانستان میں حکومت امارت اسلامی کی حمایت کرتا ہوں تو ان کے لیے یہ بات تسلیم کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"بہت سے لوگ مجھے طعنے دیتے تھے کہ میں سٹاک ہوم سنڈروم نامی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہوں۔"

واضح رہے کہ سٹاک ہوم سنڈروم ایک ایسی بیماری ہے جس کے شکار لوگ جب خود کو اغواکاروں سے آزاد کرانے کی امید کھو بیٹھتے ہیں تو ان میں سے چند ایک کا جسمانی اور ذہنی اذیت سے بچانے والا نفسیاتی دفاعی نظام لاشعوری طور پر اغواکاروں کا حامی ہونے لگتا ہے۔ یوں زیادتی کا شکار زیادتی کرنے والے کا وکیل بن کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور یہ مجاہدین کی قید میں مسلمان ہونے والے سب ہی لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے، لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر ایسا 'سنڈروم' موجود ہے تو گوانتاناموا اور دیگر قید خانوں میں پڑے مسلمان مجاہدین اس 'سنڈروم' کا شکار کیوں نہیں ہوتے؟

جبرائیل عمر کہتے ہیں کہ "میرے بارے میں ایسی سوچ کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔"

وہ بتاتے ہیں کہ وہ سٹاک ہوم سنڈروم کا شکار نہیں ہیں کیونکہ وہ اس حقیقت کو جان چکے ہیں کہ افغانستان کی طالبان حکومت اپنی پیش رو ہر حکومت سے بہتر ہے کیونکہ اس کے رہنما کسی قسم کی کرپشن میں ملوث نہیں۔

"میرے اہل خانہ اور دوست میرے بارے میں پریشان تھے کیونکہ وہ سب مجھ سے محبت کرتے تھے، اب وہ سب میری حمایت کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ میرے والد نے بھی افغانستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور وہ افغانستان میں میری واپسی کی ضرورت کو سمجھتے ہیں۔"

آج کل جبرائیل عمر ایک کتاب پر کام کر رہے ہیں جس کا مقصد دنیا کو افغانستان خصوصاً پشتونوں کے بارے میں آگاہی دینا ہے۔

بھارت: کرناٹک میں اسکول و کالجز میں مسلمان طالبات کے اسکارف اور حجاب پہننے پر پابندی

بھارت کی جنوبی ریاست کرناٹک میں متعدد اسکول و کالجز کی جانب سے مسلمان طالبات کے اسکارف اور حجاب پہننے پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ سرکاری اسکول و کالجز میں طالبات کو حجاب نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حجاب کے ساتھ آنے والی طالبات کو تعلیمی اداروں میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اس پابندی کے رد عمل میں مسلمان عوام کی جانب سے احتجاج کیا گیا جس میں سینکڑوں طلبہ و طالبات نے شرکت کی اور مطالبہ کیا گیا کہ اس اسلام مخالف پابندی کو ختم کیا جائے۔

طالبات کی جانب سے شدید احتجاج کے باعث ایک اسکول نے طالبات کو حجاب کے ساتھ اسکول میں داخلہ کی اجازت دے دی لیکن ان باحجاب طالبات کو ایک الگ کلاس روم میں بٹھایا گیا اور انہیں پڑھانے کے لیے کوئی بھی استاد نہیں آیا۔

حکمراں جماعت بی جے پی (بھارتیا جنتا پارٹی) کے نمایاں ممبران اس پابندی کی حمایت اور دفاع کرتے نظر آرہے ہیں۔

دیگر مسلم اقلیتی ریاستوں سمیت ریاست کرناٹک میں بھی مودی کی ہندو قوم پرست حکومت کی جانب سے مسلسل مسلمانوں کے خلاف ظلم و جبر کے اقدامات میں تیزی دیکھنے میں آرہی ہے۔

بھارت: کرناٹک میں مسلم نوجوان سمیر کو آر ایس ایس کے غنڈوں نے بے دردی سے قتل کر دیا

کرناٹک میں مسلمانوں کے خلاف ماب لنچنگ کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تازہ معاملہ کرناٹک کے ضلع گدگ کا ہے، جہاں آر ایس ایس کے ارکان نے ایک مسلم نوجوان سمیر کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ سمیر اور اس کے دوست شمشیر پر سنگھ پریوار کے غنڈوں نے حملہ کیا۔ اسے اتنا مارا گیا کہ وہ کرناٹک انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (KIMS) ہسپتال میں دم توڑ گیا۔

سمیر ایک چھوٹے سے بریانی ریسٹورنٹ کا مالک تھا۔ سنگھ پریوار کے غنڈوں نے یہ قتل اس وقت انجام دیا جب آر ایس ایس نے قصبہ میں ایک احتجاجی مظاہرہ کیا جہاں مسلم مخالف نعرے لگائے گئے۔ ایک ویڈیو بھی سامنے آئی جس میں نرگنڈ تعلقہ (تحصیل) کے سابق سیکریٹری سنجو نلا واڑے کو مسلم کمیونٹی کے خلاف تقریر کرتے ہوئے سنا گیا۔ اسی مظاہرے کے دوران مشتعل غنڈوں نے سمیر کو قتل کر دیا۔

بھارت: کلب ہاؤس کے آڈیو چیٹ روم میں مسلم خواتین کے متعلق ہتک آمیز گفتگو

آڈیو چیٹ کی ایپ 'کلب ہاؤس' پر مسلمان خواتین کے بارے میں غیر اخلاقی، ہتک آمیز اور پر تشدد نوعیت کی

گفتگو سامنے آنے پر بھارت بھر میں مسلمان عوام غم و غصہ کا شکار ہیں۔

سوشل میڈیا پر کئی لوگوں نے اس قسم کی بات چیت کی ریکارڈنگ شیئر کی ہے اور اس پر شدید ردعمل سامنے آیا ہے۔ کلب ہاؤس کی بات چیت میں متعدد ہندو لڑکے اور لڑکیاں شریک ہیں اور وہ مسلمان خواتین کے بارے میں تضحیک آمیز انداز میں بات کر رہے ہیں۔

اس بات چیت میں مسلمان خواتین کے بارے میں غیر اخلاقی، ہتک آمیز اور جارحانہ نوعیت کی باتیں کی گئی ہیں۔ اس آڈیو میں شامل لڑکیاں بھی مسلمان خواتین کو تشدد کا نشانہ بنائے جانے کی بات چیت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔

دسمبر میں 'بُلی بائی' نامی اوپن سورس ایپ پر بعض افراد نے انڈیا کی سو سے زیادہ مسلمان خواتین کی تصویریں شائع کی تھیں اور ان کو ہتک آمیز عنوان دیے گئے تھے۔ پولیس نے اس معاملے میں کم از کم پانچ نوجوانوں کو گرفتار کیا ہے، لیکن تاحال ان کے خلاف کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔ اس سے پہلے 'سُلی ڈیلز' نامی اوپن سورس ایپ پر ۸۰ سے زیادہ مسلم خواتین کی تصاویر پوسٹ کی گئی تھیں اور انہیں آن لائن 'فروخت' کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ جنوری کے شروع میں پولیس نے اس ایپ کے مبینہ ڈویلپر کو گرفتار کیا تھا۔

ان تمام معاملات کا حقیقی مقصد مسلم خواتین کو بدنام اور ان کی تضحیک کرنا تھا۔ ہندوؤں کی مسلمانوں سے نفرت اور بغض کا ایک روپ سوشل میڈیا پر بھی دکھائی دے رہا ہے۔ ان تمام واقعات کے پیچھے 'ہندُتوا' کا وہ نظریہ ہے جس نے ریاستی پشت پناہی میں بھارت بھر میں مسلمانوں کے خلاف ظلم و تشدد کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: اوریا مقبول جان

1. چوتھا مرحلہ: غیر انسانی سلوک (Dehumanization)

یعنی مسلمانوں کے وجود کو ناپاک جانوروں کے وجود سے تشبیہ دی جانے لگی۔ انہیں ناپاک یعنی ملیچھ تو پہلے سے کہا جا رہا تھا، ان کے وجود سے ناپاکی کا تصور اس حد تک جوڑ دیا گیا کہ اگر وہ کسی ہندو کے گھر میں قدم رکھ دیں تو وہ اپنے گھر کو گنگا جل سے دھوئے گا۔

2. پانچواں مرحلہ: تنظیم بندی (Organization)

یعنی نسل کشی کے لیے ایک مسلح گروہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بھارت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ اس طرح کا گروہ، آر ایس ایس کی صورت میں ۱۹۲۵ء میں ہی منظم کر لیا گیا تھا اور اس کے زیر سایہ بجرنگ دَل اور وِشوَ ہندو پریشد مسلح طور پر اب اس قدر منظم ہیں کہ پورے بھارت میں آباد مسلمانوں کے خلاف مسلسل کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔

3. چھٹا مرحلہ: معاشرتی تقسیم (Polarization)

اس مرحلے میں بھی نفرت انگیز پروپیگنڈے سے مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کا ماحول، گزشتہ پچیس سالوں سے اس طرح کا بنا دیا گیا ہے کہ کوئی غیر متعصب ہندو بھی مسلمان کے حق میں کھل کر بات نہیں کر سکتا۔

4. ساتواں مرحلہ: تیاری (Preparation)

اس مرحلے کا واضح اظہار اس سال ہری دوار کے میلے میں اجتماعی سوگند (قسم) سے ہوا، جس میں مسلمانوں کو قتل کرنے پر لاکھوں ہندوؤں سے قسم لی گئی اور پھر ان قسموں کا سلسلہ پورے بھارت میں چل نکلا۔

5. آٹھواں مرحلہ: ایذا رسانی (Persecution)

یہ مرحلہ بھی کئی سالوں سے جاری ہے اور بھارت کے مسلمانوں کو معاشی طور پر ایسے بدترین حالات سے مجبور کیا جا چکا ہے اور ان میں خوف اس قدر پھیلا دیا گیا کہ وہ اپنے مخصوص علاقوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا گھیٹو (Ghetto) احمد آباد سے تھوڑی دور "جوہاپور" کے نام پر قائم ہے جہاں سات لاکھ مسلمان اسی طرح محبوس اور مقید ہیں جیسے آشوٹز برکینو کے اس کیمپ میں یہودی قید تھے جہاں رہتے ہوئے ریوا کالپزک نے ڈائری لکھی تھی۔

دنیا بھر کے ماہرین متفق ہیں کہ اب بھارت میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں صرف آخری دو مراحل باقی ہیں، یعنی ریاستی سرپرستی میں اجتماعی قتلِ عام اور پھر اس کا ریاستی سطح پر انکار۔

مسلمانوں کا گزشتہ پچیس سالوں میں یہ تیسرا قتلِ عام ہو گا، پہلا بوسنیا اور دوسرا روہنگیا کا تھا۔ طریق کار وہی ہے جیسے پہلے دس لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا تھا اور پھر یہ مظلوم مسلمان دنیا بھر میں آباد ایک ارب پچیس کروڑ مسلمانوں کے ملکوں کی سرحد پر در بدر ہوتے رہے لیکن کسی نے ان کے لیے اپنی سرحدیں نہیں کھولیں۔ روہنگیا کے انجام سے بھارت کا ہندو یہ جان چکا ہے کہ اگر اس نے بھارت میں موجود مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تو اس وقت تیونس سے لے کر برونائی تک آباد مسلم اُمہ میں کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بے حس اُمت کا وہ مظلوم حصہ، یعنی بائیس کروڑ مسلمانوں کے سروں پر موت رقص کر رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

ملت کی مُسکان

اشعار: وسیم حجازی

اسلاف کی اقدار کا یہ نقد صلہ ہے
سوکھے ہوئے اشجار پہ اک پھول کھلا ہے

اصنام کی اولاد کا بپھرا ہوا جتھا
اور بنتِ بلالی کی نوا، ایک الٰہ ہے

کہنے کو تو وہ ایک ہی نسوانی صدا تھی
سنتے ہیں کہ باطل کا شجر جڑ سے ہلا ہے

لاگو ہے رضا اپنی ہی آج اپنے بدن پر
آزادیٔ افکار کو کیا اب بھی گلہ ہے

ڈٹ جائے تو کافی ہے محض ایک بہن بھی
بھائیوں کو بھی کیا اِس سے کوئی درس ملا ہے

گفتار نہیں گھر سے نکلنے کا سمے ہے
الفاظ سے یہ چاک کہاں پہلے سلا ہے

جمہوری دجل چھوڑ کے تلوار اٹھا لو
شمشیر میں دم توڑتی اُمت کی جِلا ہے

اے مسلمانانِ عالَم!

’’ہم آپ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد دلاتے ہیں کہ ’ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے عزت دی، اب اگر ہم نے اس کے علاوہ کسی شے میں عزت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دیں گے‘۔ چنانچہ امت کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے لازم ہے کہ ہم احکامِ الٰہی پر کاربند ہوں، دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی نصرت کریں، اور ظالموں اور سرکشوں کے خلاف جاری جہادی تحریک کا حصہ بنتے ہوئے خود کو فہم و فراست اور حکمت کے زیور سے مزیّن کریں۔‘‘

امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ